پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم



مرتب

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ایسی سیرت جس میں آپ کے اخلاق حسنہ اور اخلاقی تعلیمات کو نمایاں طور پر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، غیر مسلم بھائیوں کو سامنے رکھ کر آپ کے حالات، اخلاقی تعلیمات و واقعات اور مختلف طبقات کے ساتھ آپ کے سلوک و برتاؤ پر روشنی ڈالی گئی ہے اور پوری کتاب میں دعوتی پہلو کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

مرتب

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

زیر اہتمام : المعهد العالی الاسلامی حیدرآباد

ناشر : الفاروق پبلی کیشنز کڑپہ، آندھراپردیش

طبع اول ۱۴۴۲ھ، ۲۰۲۰ء

کتاب : پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
مرتب : حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
صفحات : ۴۷۶
کمپیوٹر کتابت : مولانا محمد نصیر عالم سبیلی (فون نمبر:9959897621)
العالم اُردو کمپیوٹرس، حیدرآباد، فون نمبر:8919409102
سن طباعت : ربیع الثانی ۱۴۴۲ھ، دسمبر ۲۰۲۰ء

زیر اہتمام : المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد
ناشر : الفاروق پبلی کیشنز کڑپہ، آندھرا پردیش

ملنے کے پتے

- کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، سہارنپور (یوپی)
- المعہد العالی الاسلامی، قباء کالونی، حیدرآباد
- ہدیٰ بک ڈسٹری بیوٹرس، پرانی حویلی، حیدرآباد
- دکن ٹریڈرس، مغلپورہ / چارمینار، حیدرآباد

فہرست مضامین

تیسرا باب : کچھ اہم تعلیمات، آپ ہی کے الفاظ میں

چوتھا باب : اخلاق وعادات

پانچواں باب : وَرفعنا لک ذکرک

● ● ●

پیش لفظ

داعیِ اسلام حضرت مولانا محمد کلیم صدیقی دامت برکاتہم

اس دنیا میں آنے سے قبل انسان کے لئے اس کی ماں کے سینہ میں بلا طلب دُودھ اُتارنے والے رب اور خالق کائنات نے اس زمین و آسمان کی کل مخلوقات کو انسان کا خدمت گذار بنا کر اشرف المخلوقات انسان کو اس بارات کا دولھا بنایا، اور خود اعلان فرمایا :

وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۔ (الجاثیہ:۱۳)

اور اس نے تمہارے لئے مسخر کیا جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب کو اپنی طرف سے۔

زمین کے اس دولھا جس کے لئے یہ پورا اسٹیج سجایا گیا، اس کا مزاج اس کی فطرت اور ضرورت کو اس کے پیدا کرنے والے سے زیادہ کون جان سکتا ہے :

اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَ هُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۔ (الملک:۱۴)

کیا وہی نہیں جانے گا جس نے پیدا کیا، اور وہ باریک بیں اور خبر رکھنے والا ہے۔

اس انسان کے خالق اور رب نے انسان کی فطرت ہی ایسی بنائی ہے کہ جو نعمت جو اس کے لئے بنائی گئی ہے، اس کے استعمال کا طریقہ جانے بغیر اس سے فائدہ اُٹھانا ممکن نہیں، کوئی قیمتی سے قیمتی نعمت اگر اس کے استعمال کا صحیح طریقہ اسے معلوم نہ ہو، تو اس سے فائدہ اُٹھانا تو در کنار، انسان اس کا استعمال کرے گا تو بعض مرتبہ ہلاکت مول لے سکتا ہے، پیدا کرنے والے

رب نے انسان کو سماجی حیوان کے طور پر پیدا کیا، اور ایک سماجی تانے بانے سے اس کی زندگی کی چولوں کو جوڑ دیا ہے؛ اس لئے ہر انسان اللہ کی عطا کردہ نعمتوں سے کس طرح سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھا کر اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کیسے تابناک بنائے، اسی عارضی دنیا — جہاں اس کو ابدالآباد آخرت کی زندگی کی کھیتی کے لئے پیدا کیا گیا ہے — میں کیسے آرام، راحت اور عزت کی زندگی گذارے، اور مرنے کے بعد ابدالآباد کی زندگی میں جہنم کی سزاؤں سے بچ کر کس طرح اللہ کی رضا پائے اور جنت اور اس کی راحت و عزت اور آرام کا سامان کیسے جمع کرے؟ اس کے لئے رب کائنات نے پہلے ہی دن سے نظم فرمایا، اور سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کو آسمانی صحیفے عطا کئے، اس کے بعد یکے بعد دیگرے انبیاء کو بھی صحف سماوی اور آسمانی بڑی کتابیں عطا فرمائیں، اور آخر میں قرآن مجید کی شکل میں اس کا آخری مکمل اپٹوڈیٹ ایڈیشن جناب رسول ﷺ پر نازل فرمایا۔

نیز چوں کہ انسان کا مزاج یہ بھی ہے کہ کوئی کام خاطرخواہ مناسب طریقہ پر سیکھنے کے لئے صرف کتاب ہی کافی نہیں ہے، ایک انسان ڈرائیونگ کے اُصولوں پر پی ایچ ڈی کر لے اور اس کو ڈرائیور کوچ اسٹیرنگ پر بیٹھ کر عملاً ڈرائیونگ نہ سکھائے، تو ہرگز کوئی انسان ڈرائیور نہیں بن سکتا، اللہ کی رحمت کے قربان کہ انسان کی اس فطری ضرورت کا خیال فرما کر اللہ تعالیٰ نے صرف آسمانی صحیفوں اور کتابوں پر بس نہیں فرمایا؛ بلکہ پہلے ہی دن سے، سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کو نبی بھی بنا کر بھیجا، ایک کے بعد ایک، ہر دور اور ہر علاقہ میں کم وبیش سوا لاکھ انبیاء اور رسل بھیجے، جو انسانوں کو اس زندگی کی گاڑی کی ڈرائیونگ، اللہ کی نعمتوں کے استعمال اور ان سے فائدہ اُٹھانے کا طریقہ انسانوں کو سکھلاتے رہے۔

انسان کا مزاج یہ بھی ہے کہ اس کے لئے اس کی عمر اور شعور کی ترقی کے ساتھ اس کی زندگی کے اُصول اور تقاضے بدلتے رہتے ہیں، بچہ جب شیرخوار ہوتا ہے تو اس کے لئے زندگی گزارنے اور اس کے خورد ونوش کے ضابطے کچھ اور ہوتے ہیں، اور جیسے جیسے وہ بڑا ہوتا جاتا ہے

اور اس کا شعور بیدار ہوتا جاتا ہے، تو زندگی گزارنے کے ضابطے بدلتے جاتے ہیں، اور بلوغ کے بعد اس پر مکمل ضابطوں کی پابندی عائد ہو جاتی ہے، اسی طرح جیسے جیسے انسانیت کا شعور بیدار ہوتا گیا اور اس کے اندر اللہ کی بنائی گئی نعمتوں سے فائدہ اُٹھانے کی صلاحیت بڑھتی گئی، اسی لحاظ سے دین کے اُصولوں میں یکسانیت کے ساتھ، شریعت کے ضابطے تبدیل ہوتے گئے، اور آخر میں نبی رحمۃ للعالمین ﷺ نے تشریف لا کر اس دین و شریعت کو مکمل فرما دیا، اور آپ ﷺ کی ذات پر تکمیل دین اور تکمیل نعمت کا اعلان کر دیا گیا :

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۔ (المائدۃ:۳)

آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی، اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین کے پسند کر لیا۔

پہلے انبیاء کے لائے ہوئے دستور اور شریعتیں وقتی اور علاقائی تھیں، کوئی ایک علاقہ کے لئے، کوئی کسی اور علاقہ کے لئے، کوئی ایک زمانے کے لئے، کوئی کسی اور زمانہ کے لئے، جب کہ بعض انبیاء تو صرف کسی خاص خاندان اور قبیلہ کے لئے بھیجے گئے؛ لیکن نبی آخر الزماں جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو نبوت کے خاتمہ کی مہر لگا کر قیامت تک کے تمام انسانوں کے لئے نبی اور رسول بنا کر بھیجا گیا، اس لئے اب آپ ﷺ کے بعد صرف اور صرف آپ کے دین کو ساری انسانیت کے لئے دین اور آپ کی سیرت اور حیات کو پوری انسانیت کے لئے اُسوۂ حسنہ قرار دیا گیا، ارشاد باری ہے :

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۔ (آل عمران:۱۹)

بلاشبہ دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۔ (آل عمران:۸۵)

اور جو اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو تلاش کرے گا، سو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

اور ارشاد ربانی ہے :

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ۔ (الاحزاب:۲۱)

بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک عمدہ نمونہ موجود ہے تمہارے لئے ، یعنی اس کے لئے جو اللہ اور روز آخرت سے ڈرتا ہو۔

ہر آنے والے رسول نے اپنی اُمتوں اور اپنے ماننے والوں کو اس عہد کی وجہ سے ، جو پیدا کرنے سے پہلے ان کی روحوں سے لیا گیا تھا ، بتایا اور ان سے عہد لیا کہ اللہ کی طرف سے بھیجے گئے اس ضابطہ حیات اور دین کی آخری ، مکمل اور فائنل شکل لے کر آخری رسول تشریف لانے والے ہیں ، تم میں سے جو اُن کا زمانہ پائے ، اس کو صرف اور صرف ان کی پیروی سے ہی نجات ملے گی ، اسی طرح سارے آسمانی صحیفوں اور کتابوں میں آپ کے تشریف لانے اور آخری رسول ہونے کی خبر دی گئی ہے۔

کائنات کے بااقتدار مالک ، رب السماوات والارض نے چوں کہ اپنے علم وحکمت میں قرآن مجید کو قیامت تک کے لئے منشور اور ضابطہ حیات بنایا ، اس لئے قرآن مجید کی حفاظت کی ذمہ داری خود لے کر اعلان فرمایا :

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۔ (الحجر:۹)

بے شک ہم نے ہی اس ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

اور عملی قرآن مجید یعنی نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور زندگی کو محفوظ کرنے کا بھی عجیب وغریب نظم فرمایا کہ اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مصاحبت اور رفاقت کے لئے صحابہ کرام کی ایسی ہوش مند ، قدر دان اور مؤقر جماعت پیدا فرمائی ، جس نے چودہ سو سال پہلے اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارک اور سنت کو انتہائی باریکی سے پرکھا ، سمجھا اور اس کو انتہائی مستند حوالوں کے ساتھ اس قدر جزوی طور پر محفوظ کر کے انسانیت تک پہنچایا کہ آج

ویڈیوگرافی کے دور میں اس سے زیادہ محتاط انداز میں باریک سے باریک جزوی طور پر کسی کی زندگی کو محفوظ کرنا ممکن نہیں، آج میڈیا، ویڈیوگرافی، سٹیلائٹ کے دور میں دنیا کے کسی بڑے بڑے سے فرمانروا، ایکٹر، کرکیٹر اور قائد کی زندگی ٹیکنالوجی کے عروج کے باوجود ہمارے سامنے اس طرح محفوظ نہیں ملتی، جس طرح چودہ سو سال پہلے اونٹ بکریاں چرانے والے صحابہ نے اپنے نبی ﷺ کی سیرت اور حیاتِ طیبہ کو محفوظ کرکے ہم تک پہنچایا ہے، نبی آخر الزماں ﷺ کی زندگی کا ایک ایک جز ہمارے سامنے مستند سیرت اور احادیث کی کتابوں کے ذریعہ محفوظ ملتا ہے کہ صاف شفاف طور پر ایک چلتی پھرتی ذات ہمیں اپنے سامنے محسوس ہوتی ہے، آپ ﷺ ناخن کس ترتیب سے کاٹتے تھے؟ کھانا کھانے کے بعد انگلیاں کس ترتیب سے چاٹتے تھے؟ سونے کا انداز کیا ہوتا تھا؟ چلنے کا انداز کیا تھا؟ کھانے پینے، رہنے سہنے غرض پوری حیات کا ایک ایک جز کھلی کتاب کی طرح ہمارے سامنے ہے۔

۱۹۹۸ء میں برطانیہ کے عیسائی تاریخ کے ایک محقق آئزک موسز (اسحاق موسیٰ) نے مستشرقین کے تحقیقی مرکز اسلامک ریسرچ سنٹر آف میونخ (مغربی جرمنی) میں اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی مخالفت اور تنقید میں اپنی پی ایچ ڈی، ہائپو سائی آف محمدس فالووَرس (Hyposichy of Mohammad's Folllowers) کے نام سے لکھنی شروع کی تھی، ریسرچ کے دوران، مطالعہ نے ان کے ذہن کے دریچے کھول دیئے اور انھوں نے اپنی ریسرچ کا ٹاپک بدل کر ''ہسٹوریکل مریکل اِن لائف بایوگرافی آف محمد اینڈ ہز فالووَرس'' کردیا تھا، برطانیہ کے مستند اخباروں میں اس ریسرچ پر اداریئے لکھے گئے اور علمی اور تاریخی دنیا میں اس نے بھونچال پیدا کردیا، چند سال بعد انھوں نے اسلام قبول کرلیا، اس تحقیقی مقالہ کی تمہید میں ڈاکٹر اسحاق موسیٰ نے ۱۹۶۲ء کی ایک ریسرچ کا ذکر کیا ہے، جو ڈاکٹر بنجامن جیکب نے اللہ کے آخری رسول کی سیرت پاک پر کی تھی، اور حسن اتفاق سے ڈاکٹر بنجامن جیکب بھی اپنی ریسرچ کے دوران مسلمان ہوگئے تھے، ڈاکٹر اسحاق موسیٰ نے لکھا ہے کہ ۱۹۶۲ء میں ڈاکٹر بنجامن نے پوری علمی دنیا کو اس انکشاف سے حیرت میں ڈال دیا تھا کہ چودہ سو سال پہلے بدوی

دور میں اونٹ بکریاں چرانے والے اسلام کے پیغمبر ﷺ کے فالوورس (صحابہ) نے اپنے نبی کی زندگی کو اتنی باریکی سے دیکھا، سمجھا پرکھا اور انتہائی احتیاط اور مستند حوالوں سے محفوظ کر کے بعد والوں تک پہنچایا کہ آج ان حوالوں اور معلومات کے ذریعہ اللہ کے رسول ﷺ کی نبوی زندگی کے دنوں کا اس طرح چارٹ بنایا جاسکتا ہے کہ پہلا دن کس کام میں گذارا اور دوسرا کس کام میں؟

ڈاکٹر اسحاق موسیٰ نے لکھا ہے: مگر جب میں نے اپنی ریسرچ کے دوران سیرت کی کتابوں کو پڑھا اور احادیث کی کتابوں کو کھنگالا، تو میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ ڈاکٹر بنجامن کی تحقیق ناقص تھی، اللہ کے رسول ﷺ کے صحابہ نے اپنے نبی کی زندگی کو اتنی باریکی سے دیکھا، سمجھا اور آخری درجہ میں مستندترین حوالوں سے ہم تک پہنچایا ہے کہ ان حوالوں اور معلومات کی مدد سے ہم اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی کی گھڑیوں کا چارٹ بنا سکتے ہیں، غارِ حرا میں حضرت جبرئیل علیہ السلام سے کتنی دیر کیا مکالمہ ہوا؟ جبرئیل کے جانے کے بعد غارِ حرا میں کتنی دیر توقف فرمایا؟ پھر غارِ حرا میں کس جگہ قدم رکھ کر نیچے اُترے؟ مکہ مکرمہ کس راستہ سے گئے؟ گھر میں حضرت خدیجہؓ سے کیا کیا بات ہوئی؟ کتنی دیر چادر اوڑھ کر آرام کیا؟ ورقہ بن نوفل کے پاس کس راستہ سے تشریف لے گئے؟ وہاں کتنی دیر تک کیا کیا بات ہوئی؟ یہاں تک کہ وصال تک کی گھڑیوں کا چارٹ بنایا جاسکتا ہے۔

چوں کہ ازل سے ابد تک سب کچھ کا علم رکھنے والے عالم الغیب والسماوات رب نے صرف اور صرف آپ کی ذات عالی کو پوری دنیائے انسانیت کے لئے اُسوہ حسنہ، (اکیلا رول ماڈل اور کامل رول ماڈل) بنایا تھا، اس لئے آپ کے اقوال واحوال کو خلط ملط اور شیطان اور باطل کی ملاوٹ اور تلبیس سے بچانے کے لئے اُمتِ مسلمہ میں محدثین، سیرت نگاروں اور مؤرخین علماء کی جماعتیں پیدا ہوئیں، جنھوں نے اس عملی قرآن یعنی سیرت پاک کو ہر رطب و یابس اور شیطانی جھوٹی ملاوٹوں سے بچانے کے لئے فنون درفنون ایجاد کئے، جس طرح قرآن ناطق جس کا ایک وصف حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ بھی فرمایا ہے: ''لا تنقضی عجائبه''

(اس کے عجائب وغرائب کبھی ختم نہیں ہوں گے)، بالکل اسی طرح عملی قرآن، سیرت رسول ﷺ کے عجائب وغرائب بھی (جس کے ذریعہ سے دنیا اپنے شعور اور سائنسی تحقیقات کے عروج پر چڑھی ہے) کھلتے ہی جائیں گے، حیرت ناک بات یہ ہے کہ سیرت نگاروں نے آپ ﷺ کی بکریوں کے حالات اور اونٹوں کے حالات پر، گھوڑوں اور ہتھیاروں پر، حتیٰ کہ آپ کے نعلین مبارک (جوتوں) پر کتابیں تصنیف کی ہیں۔

مدینہ منورہ میں اس حقیر نے ایک سیرت کی لائبریری میں حاضری دی، وہاں ایک الماری میں ڈاکٹر عبد الجبار رفاعی کی تصنیف کی زیارت ہوئی، جس کا نام "معجم ما کتب عن الرسول واہل البیت" تھا، جو جامع ازہر سے ان کی پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے، شاید ۱۸/جلدوں میں تھی، اس میں انھوں نے صرف سیرت پاک کی کتابوں کی فہرست اور انڈکس تیار کیا ہے؟ کتاب کا نام، زبان، مصنف کا نام، پتہ، کتنے صفحات پر مشتمل ہے، مطبوعہ ہے یا مخطوطہ اور کہاں سے دستیاب ہے، اور چند ایک سطروں کا تعارف اس میں درج کیا گیا ہے، نمبر شمار دیکھنے کے لئے اس حقیر نے آخری جلد کو اُٹھایا تو آخری کتاب کا نمبر شمار 29774 (انتیس ہزار سات سو چوہتر) تھا، اس میں ان کتابوں کا سیرت پاک کے موضوع پر ڈاکٹر عبد الجبار نے تعارف کرایا ہے، جن تک ان کی دسترس ہوئی، جن میں ایک کتاب 85 جلدوں میں بھی تھی، جس کو ڈاکٹر صاحب نے ایک ہی کتاب شمار کیا ہے، ایک کتاب عربی زبان میں کسی شام کے عالم کی تھی، جس میں جناب رسول اللہ ﷺ کے صرف نعلین (جوتوں) پر لکھی گئی عربی زبان کی کتابوں کا تعارف کرایا گیا ہے، صرف نعلین شریفین پر اس کتاب میں عربی زبان کی 55 کتابوں کا تعارف کرایا گیا ہے۔

یہ کوئی اتفاق نہیں ہے؛ بلکہ کائنات کو بنانے اور اپنے علم وقدرت سے چلانے والے کائنات کے رب نے اپنی سنت اور علم وحکمت میں پوری انسانیت میں صرف اور صرف نبی آخر الزماں ﷺ کی ذات عالی کو اور آپ کی سیرت کو اُسوہ مبارکہ اور اُسوۂ حسنہ اور انسانوں کے لئے اکیلا رول ماڈل بنانا طے کیا تھا، اس کے لئے آپ کی حیات مبارکہ کو ایسے مستند اور معتبر طریقے سے

محفوظ کرنے کا نظم فرمایا، نبی آخر الزماں ﷺ کے مقابلہ میں دنیا کے بڑے بڑے قائدین، مذہبی پیشواؤں، اور انبیاء کرام تک کے حالات کا ہزارواں حصہ بھی محفوظ نہیں ملتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو نبی کریم ﷺ کے سب سے قریب کے زمانہ کے پیغمبر ہیں اور علم و تحقیق کی دنیا میں سب سے متمدن قوم کی طرف بھیجے گئے، ان کی زندگی کے بارے میں خود عیسائیوں کو اس کا اعتراف ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے بارے میں بہت معمولی اور قلیل معلومات پائی جاتی ہیں، بعض دیانت دار عیسائیوں کا خیال تو یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صرف ڈھائی دن کے حالات محفوظ ہیں، اور آپ کی تعلیمات کا بھی (30) تیس فیصد سے زیادہ حصہ محفوظ نہیں ہے، اس سلسلہ میں معلومات کی قلت کی وجہ سے بعض عیسائیوں کو یہ خیال پیدا ہونے لگا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم کوئی شخصیت تھے بھی یا نہیں؟ جیسا کہ برٹرینڈ رسل اور دوسرے مغربی اہل علم کا خیال ہے، اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اس خیال کا اظہار خود ان کے علماء نے کیا ہے کہ وہ نعوذ باللہ کوئی تخیلاتی شخصیت ہیں، اس کے علاوہ مہا بھارت، رامائن، اور دوسرے ہندوستانی مذہبی قائدین کے بارے میں تو عام طور پر یہ بات سمجھی جاتی ہے کہ وہ ایک ڈرامے کے تخیلاتی کیریکٹر ہیں، جب کہ اللہ کے آخری رسول ﷺ کے نہ صرف زندگی کے حالات آخری درجہ میں تاریخی استناد کے ساتھ موجود ہیں؛ بلکہ آپ سے نسبت رکھنے والی ہر شی کو مشیت الٰہی نے محفوظ فرمادیا ہے۔

مدینہ منورہ میں مقیم ایک صاحب نظر عالم دین نے تمام ازواج مطہرات کے گھروں پر پوری ایک ایک کتاب تصنیف کی ہے، اس میں تاریخی لحاظ سے ان کے سائز، جائے وقوع اور تمام تفصیلات کو جمع کیا ہے، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک اربوں کھربوں انسانوں میں سے صرف اور صرف ایک ذات عالی نبی رحمت للعالمین کی سیرت اور آپ کے طرز حیات کا ایسے مستند حوالوں سے محفوظ ہونا، اس بات کی دلیل ہے کہ کائنات کے خالق و مالک نے صرف اور صرف آپ کی ذات عالی کو قیامت تک کے انسانوں کے لئے اکیلا کامل یونیورسل رول ماڈل اور اُسوۂ حسنہ بنا کر پیدا کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے علم وحکمت سے چوں کہ صرف آپ کی ذات عالی کو اُسوۂ حسنہ اوررول ماڈل بنایا تھا؛ اس لئے پوری انسانیت کے لئے آپ کی ذات عالی میں جاذبیت اورکشش پیدا کرنے کے لئے آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا، ارشاد فرمایا :

وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۔ (الانبیاء:۱۰۷)

اور ہم نے آپ کو دنیا جہان پر رحمت ہی کے لئے بھیجا ہے۔

میرے حضرت والا حضرت مولانا علی میاں نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی شانِ تخلیق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یوں تو کھربوں انسانوں کی شکلیں، مزاج، اور ذوق الگ الگ بنائے، ان کے اندر نظر، زبان حتیٰ کہ سماعت کا ذوق بھی مختلف رکھا ہے، ہمارے علاقوں میں گورے رنگ کو اچھا سمجھا جاتا ہے، افریقی ممالک میں زیادہ چمک دار کالا رنگ خوب صورت سمجھا جاتا ہے، کسی کو میٹھا زیادہ پسند ہے، کسی کو تیکھا، کسی کو کسی کی صورت پسند ہے، کسی کو کسی اور کی، اسی طرح انسانوں کی مختلف باطنی صفات کو پسند کرنے کا ذوق بھی الگ الگ رکھا ہے، علم انسان کا قیمتی زیور ہے، مگر دنیا میں ایسے لوگ بھی ملیں گے جنھیں پڑھے لکھے لوگوں سے چڑ سی ہوتی ہے، سخاوت انسان کے لئے بڑی شرافت اور اعلیٰ صفت ہے، مگر اس دنیا میں کتنے لوگوں کے اندر اس قدر بخل ہوتا ہے کہ ان کو دوسروں کے خرچ کرنے سے بھی الرجی ہوتی ہے، مگر پوری دنیا میں ایسا کوئی آدمی ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گا جس کو رحمت پسند نہ ہو، یا رحمت سے بُعد یا الرجی ہو، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنا کر دنیا میں بھیجا گیا؛ تاکہ پوری دنیا کے ہر انسان کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات، آپ کی سیرت اور آپ کی حیات مبارکہ میں جاذبیت اورکشش ہو۔

وہ خوش قسمت لوگ جن کو تقدیر الٰہی اور رحمت الٰہی کے طفیل آپ کی رحمۃ للعالمین ذات کا تعارف، آپ کی نبوت کا یقین اور ایمان نصیب ہو گیا، اس قوم اور اُمت کو خیر اُمت کا منصب دے کر یہ ذمہ داری اور منصبی فریضہ عائد کیا گیا کہ وہ پوری دنیائے انسانیت تک رحمۃ للعالمین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا، آپ کی تعلیمات اور آپ کے دین کا تعارف کرائے، اور آپ کے

ذریعہ نازل کی گئی رحمت سے پوری دنیا کو روشناس کرائے، افسوس ہے کہ اس اُمت نے اپنے خیر اُمت کے فریضے سے ایسی مجرمانہ غفلت کی کہ بجائے رحمت بھرے رسول، آپ کی تعلیمات اور آپ کے لائے ہوئے دین حق کو دوسروں تک پہنچانے کے خود اس رحمت بھری سیرت سے غافل ہوکر انسانیت اور رسول رحمت ﷺ کے درمیان حجاب بن گئے۔

ہم نے اللہ کی طرف سے پوری انسانیت کے لئے بھیجے گئے ہدایت نامے قرآن ناطق (جس کے بارے میں خود قرآن نے کہا: ''ہدی للناس'' یعنی: پوری انسانیت کے لئے ہدایت) کے ساتھ یہ ظلم کیا کہ اس کا تعارف مسلمانوں کی مذہبی کتاب، مسلمانوں کے دھارمک گرنتھ کی طرح کرایا، اور اسی طرح عملی قرآن رسول رحمت ﷺ کا بھی اسی طرح کا تعارف کرایا کہ اللہ کے رسول ﷺ صرف مسلمانوں کے رسول ہیں، جب کہ نہ کہیں قرآن مجید میں، نہ اللہ کے رسول ﷺ کے کسی فرمان میں یہ بات کہی گئی ہے کہ قرآن صرف مسلمانوں کے لئے نازل ہوا ہے؛ بلکہ وہ تو پوری انسانیت کے لئے ہدایت نامہ ہے، اور نہ یہ بات فرمائی گئی کہ حضرت محمد ﷺ صرف مسلمانوں کے رسول ہیں، خود قرآن نے آپ کا تعارف کرایا تو آپ کو پوری انسانیت کے لئے رسول بتایا:

> قُلْ يَآَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا۔ (الاعراف:۱۵۸)
>
> کہہ دیجئے کہ اے انسانو! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف۔
>
> وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا۔ (سبا:۲۸)
>
> اور ہم نے آپ کو سارے ہی انسانوں کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔

پوری انسانیت کی اس حق تلفی اور قرآن وسیرت کے ساتھ اس جرم کی وجہ سے نہ صرف ہم نے خود خیر اُمت کا وقار کھودیا ہے؛ بلکہ پوری انسانیت کو قرآن وسیرت کے خیر سے محروم رکھا ہے، اس کی وجہ سے تمام انسانیت، قرآن مجید کو مسلمانوں کا دھارمک گرنتھ، اور نبی رحمت ﷺ کو مسلمان قوم کا رہبر، ہیرو اور قائد سمجھتی ہے، اور کارِ دعوت سے ہماری مجرمانہ غفلت، اور خود

ہمارے کردار کے سبب، اور باطل وشیطانی اور طاغوتی ذرائع کے پروپیگنڈہ کی وجہ سے ایک ایسی قوم کا رسول سمجھتی ہے جو ان کی نگاہ میں دہشت گرد، جنگ جو، ظالم اور جاہل قوم ہے، تو وہ کیوں ایک بدنام قوم کے ہیرو، قائد و رسول اور ان کی مذہبی کتاب کو سمجھنے، پڑھنے اور ماننے کی کوشش کرتے۔

بدقسمتی سے جس طرح سے قرآن مجید کے تراجم اور تفاسیر پر اس قدر حیرت ناک کام ہونے کے باوجود اس کے ایسے تراجم اور تفاسیر اسلامی کتب خانوں میں نایاب ہیں جو عملی طور پر دعوت کے میدان میں کام کرنے والے علماء نے لکھی ہوں، اور جن کو کسی مدعو کو دے کر ایک داعی مطمئن ہوجائے کہ ہم نے مدعو کی سطح، عقل وشعور، اس کے عقیدہ، معاشرت اور اس کی زبان میں اس تک قرآن پہنچادیا، اسی طرح سیرت پاک کی ایسی کتابیں بھی بہت نایاب بلکہ نایاب ہی ہیں، جن کو غیر مسلم مدعو بھائیوں کو دے کر دل مطمئن ہوجائے کہ ہم نے اس کے مزاج اور شعور کے مطابق سیرت پاک اپنے مدعو تک پہنچادی ہے۔

اس کو اتفاق کہیں یا خیر اُمت اور اُمتِ اجابت کی غفلت کہیں کہ سیرت پاک پر اتنا حیرت ناک کام ہونے کے باوجود اکثر کتابیں پڑھ کر قاری کو زیادہ سے زیادہ یہ احساس ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ ایک کامیاب جنگ جو، سپہ سالار اور فرماں روا تھے، جنھوں نے حیرت ناک انداز میں دنیا کی تسخیر کرکے اسلامی مملکت کی داغ بیل ڈالی، اور پھر دوتہائی دنیا تک آپ کی مملکت پھیل گئی؛ حالاں کہ خیر اُمت خصوصاً علمائے اُمت کی ذمہ داری تھی کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کا بحیثیت رحمۃ للعالمین پوری دنیا تک تعارف کرواتے اور آپ کی تعلیمات اور دینِ حق کو اُن تک پہنچاتے۔

اس بات کی شدید ضرورت تھی کہ قرآن وسیرت کو آسان اور عام فہم زبان میں اس طرح منظر عام پر لایا جاتا، جس سے نہ صرف ایک مسلمان کی یہ غلط فہمی دُور ہوتی کہ قرآن صرف مسلمانوں کی کتاب ہے، اور اللہ کے آخری رسول ﷺ صرف مسلمانوں کے رسول ہیں؛ بلکہ اُمتِ اجابت اور مسلمانوں کو قرآن اور نبی اکرم ﷺ کا حقیقی تعارف، اصلی تعلیمات

اور رحمت بھری زندگی کا علم ہوتا، اور اس سے زیادہ برادران وطن اور عام غیر مسلم مدعو قوموں تک قرآن وسیرت کا اصل تعارف اور تعلیمات پہنچ سکتیں، اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک دردمند داعی، سچے وارث نبی اور شفیق فقیہ کو فرض کفایہ ادا کرنے کے لئے کھڑا کیا، ہمارے مخدوم ومکرم فقیہ الاسلام حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم العالیہ پوری انسانیت کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے انسانیت کی اس اہم ترین ضرورت کی طرف توجہ فرما کر پوری اُمت خصوصاً علماء کی طرف سے فرض کفایہ ادا کرنے کا حق ادا فرمایا، انھوں نے پہلے تو قرآن مجید کا انتہائی عام فہم اور سلیس زبان میں گویا بولی جانے والی ہندی زبان میں ترجمہ فرمایا، اور اب لاک ڈاؤن میں اسفار اور دیگر مصروفیات سے محفوظ ہوئے تو فرصت کا پورا پورا حق ادا کیا، اور ''پیغمبرِ عالم ﷺ'' کے نام سے سیرت کی انتہائی وقیع اور قیمتی کتاب تصنیف فرمائی، یقیناً حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم کو اس کا حق تھا کہ وہ انسانیت کے لئے یہ قیمتی تحفہ پیش فرماتے، حضرت مولانا نے سیرت پاک کے ہزاروں ہزار مصنفین کے پیچھے چلنے کے بجائے جداگانہ طور پر آگے بڑھ کر پوری انسانیت تک سیرت کے رحمت بھرے پیغام کو ان کی سطح کے مطابق پہنچانے کے لئے یہ تصنیف لطیف تحریر فرمائی ہے، کتاب کو قارئین کے لئے زیادہ پُرکشش اور مفید بنانے کے لئے حضرت مولانا نے سیرت کی دوسری قدیم کتابوں سے ہٹ کر مندرجہ ذیل کچھ خاص چیزوں کا اہتمام کیا ہے :

(۱) اس میں سیرت نبوی ﷺ کے انسانی اور اخلاقی پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے۔

(۲) غزوات وغیرہ کا ذکر بہت اختصار کے ساتھ ہے اور اس کا پس منظر اس طرح بیان کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہو سکے کہ مسلمانوں نے مجبور ہو کر تلوار اپنے ہاتھ میں لی تھی۔

(۳) مکی زندگی میں بھی اور اس کے بعد بھی رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کی مظلومیت کی داستان اس طرح بیان کی گئی ہے کہ اس سے آپ ﷺ اور صحابہ کا مظلوم ہونا ظاہر ہوتا ہے، نہ کہ ظالم ہونا۔

(۴) غیر مسلموں کے ساتھ صلح جوئی کے پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے۔

(۵) کتاب کی زبان آسان اور عام فہم رکھی گئی ہے۔

(۶) پوری کتاب میں حوالوں کا بقید صفحہ التزام کیا گیا ہے۔

(۷) دنیا کے موجودہ مسائل میں سیرت پاک سے کیا رہنمائی ملتی ہے؟ اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

(۸) پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان ارشادات کو یکجا کیا گیا ہے، جو انسانی نقطۂ نظر سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔

(۹) خطبہ حجۃ الوداع کا انسانی نقطۂ نظر سے تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

(۱۰) کتاب میں ایک مضمون ہندو مذہبی کتابوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق پیش گوئیوں پر شامل ہے۔

(۱۱) ایک مضمون بائبل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق پیش گوئیوں پر بھی کتاب میں شامل ہے۔

(۱۲) اسی طرح ایک مضمون مغرب اور ہندوستان کے اہم دانشوروں اور شاعروں کے کلمات اعتراف پر بھی مشتمل ہے۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم کا یہ امتیاز ہے کہ ان کو قدرت نے وہبی طور پر تبشیر فی الدعوۃ اور تیسیر فی الفقہ کا نبوی ذوق عطا فرمایا ہے، ان کی تحریر، ان کے فتاویٰ اور تقریر سب میں انسانیت کے لئے بلا تفریق مذہب وملت شفقت اور ترحم ہوتا ہے، اس کے علاوہ ان کو دقیق علمی اور فقہی مسائل اور مضامین کو انتہائی سلیس اور عام فہم زبان میں کہنے اور لکھنے کا خاص ملکہ بھی قدرت نے عطا فرمایا ہے، اس کتاب کا عنوان ہی حضرت مولانا نے ''پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کیا خوب منتخب کیا ہے، جس سے نبی رحمت کے سلسلہ میں سب سے بڑی فکری غلط فہمی دُور ہو جائے گی کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف مسلمانوں کے رسول نہیں تھے؛ بلکہ عالم کے رسول اور پیغمبر تھے۔

پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تصنیف کر کے نہ صرف حضرت فقیہ الاسلام زید مجدہم نے اُمت کے

علمائے کرام کے ذمہ عائد فرض کفایہ ادا کردیا ہے؛ بلکہ بلکتی اور پیاسی انسانیت تک سیرت رحمۃ للعالمین کو پہنچانے کی ذمہ داری ادا فرما کر خود پوری انسانیت پر بڑا احسان کیا ہے۔

سنتے آئے ہیں کہ کبھی شاہانِ عالم اپنے غلاموں اور فقیروں کو نوازنے کے لئے بہانے تلاش کیا کرتے ہیں، حضرت مولانا دامت برکاتہم نے اس کارِ خیر میں شریک کرنے کے لئے اس حقیر کو پیش لفظ یا مقدمہ کے طور پر کچھ لکھنے کا حکم فرمایا، سیرت پاک کے ایسے باعظمت موضوع پر جس پر نوعمری سے کچھ لکھنے کی حسرت کے باوجود یہ حقیر کچھ لکھنے کی ہمت نہیں کرسکا، اور وہ بھی ایسی متبحر بین الاقوامی شخصیت کی تصنیف پر اس حقیر کے لئے کچھ لکھنا کتنا مشکل تھا، بس اللہ ہی جانتے ہیں، یہ حقیر احساس کمتری اور مرعوبیت میں ہکابکا رہ گیا، مگر حضرت مولانا کا حکم در حکم ہوتا رہا، اس خیال سے مرعوبیت کے باوجود کچھ لکیریں کالی کر کے حاضر خدمت کر دی ہیں، جن کو کمخواب کے لباس پر ٹاٹ کا پیوند کہنا بھی صحیح نہیں ہوگا کہ: ’’چہ نسبت خاک را باعالمِ پاک‘‘۔

بصد عجز و نیاز رب کریم کے حضور یہ حقیر بےنوا دُعا گو ہے کہ رحمٰن و رحیم رب کریم اپنے خزانہ غیب سے اس وقیع اور ضروری تصنیف مبارک سے، جو احتیاج حضرت فقیہ الاسلام دامت برکاتہم نے پوری کر کے، ہم گداگرانِ دعوت پر خصوصاً اور عام انسانیت پر عموماً احسان عظیم کیا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی شایان شان حضرت کو اس کا اجرِ عظیم عطا فرمائیں، اور تمام انسانیت تک نبی رحمت ﷺ کی سیرت پاک اور آپ کی تعلیمات پہنچانے کا اس کو ذریعہ بنائیں۔

محمد کلیم صدیقی
(پھلت، ضلع مظفر نگر، یوپی)

۷؍ربیع الثانی ۱۴۴۲ھ
۲۳؍نومبر ۲۰۲۰ء

• • •

عرضِ مرتب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَ عَسٰی اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْـًٔا وَّ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ۔ (البقرۃ:۲۱٦)

ہوسکتا ہے کہ تم جس چیز کو تم ناپسند کرو وہی تمہارے لئے باعثِ خیر ثابت ہو۔

یہ وہ حقیقت ہے جس کا دن رات مشاہدہ ہوتا رہتا ہے، پچھلے دنوں کورونا کی وباء جس طرح عالمی مصیبت بن کرا بھری اوراس کے نتیجہ میں پوری دنیا میں لاک ڈاؤن کی نوبت آگئی، ہندوستان بھی اس سے بہت زیادہ متاثر ہوا، ایک جگہ سے دوسری جگہ کے اسفار موقوف ہوگئے، تعلیمی سرگرمیاں بند ہوگئیں، اور ایسا محسوس ہوا کہ گویا ہر شخص کو اس کے گھر میں قید کردیا گیا ہے، راقم الحروف کو اول تو ازبکستان سے واپس ہوتے ہوئے دہلی میں کورنٹائن ہونا پڑا، اور پھر لاک ڈاؤن کی وجہ سے دہلی میں طویل قیام بھی کرنا پڑا۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے راقم سطور کی اس صورت حال میں کچھ ایسے تحریری وتالیفی کاموں کو انجام دینے کی طرف توجہ ئی، جو پہلے سے پیش نظر تھے، اور خیال ہوتا تھا کہ نہ معلوم ان کاموں کے لئے کب وقت نکل پائے گا؛ چنانچہ :

(الف) کورنٹائن کے درمیان ازبکستان کا سفر نامہ مرتب ہوا، جو ''چند دن محدثین وفقہاء کی بارگاہ میں'' کے عنوان سے شائع ہوا، یہ فل اسکیپ سائز سے ۲۹ ؍صفحات پر مشتمل ہے۔

(ب) ''آسان علم کلام'' (صفحات: ۲۲۴) کی ترتیب عمل میں آئی، یہ کام دہلی کے قیام کے دوران انجام پایا۔

(ج) ''اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں''، اس کام کا تصور ایک زمانہ سے تھا، غالباً رمضان المبارک، ذوقعدہ اور ذوالحجہ (۱۴۴۱ھ) میں یہ خدمت انجام پائی، اُمید ہے کہ انشاء اللہ دو جلدوں میں اس کی اشاعت عمل میں آئے گی۔

اس کتاب میں مسلم غیر مسلم تعلقات، حیات نبوی ﷺ، قانون شریعت اور ہندوستان کے مسلم حکمرانوں سے متعلق میڈیا میں اُٹھائے جانے والے اہم سوالات کا مثبت لب ولہجہ میں تحقیقی جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے، اللہ کرے جلد اس کی طباعت عمل میں آئے۔

(د) پیغمبر عالم ﷺ: یعنی یہ کتاب، محرم تا ربیع الاول ۱۴۴۲ھ میں اس کی ترتیب عمل میں آئی؛ البتہ موضوع سے متعلق کوئی مفید یا مناسب تحریر کسی مصنف کے یہاں مل گئی تو بعض دفعہ بعینہٖ اور اکثر حذف واضافہ کے ساتھ اس کو شامل کرلیا گیا ہے، نیز ۲۰۱۶ء میں المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد میں سیرت سیمینار رکھا گیا تھا، اس میں بھی برادران وطن کو سامنے رکھ کر کچھ رسائل مرتب کرائے گئے تھے، ان میں سے بعض رسائل کو بھی مختصر کرکے اس میں شامل کیا گیا ہے اور کتاب کے اندر ان مضامین کے عنوانات پر ''علامتی اسٹار'' (☆) بنا کر ان کے نام لکھ دیئے گئے ہیں۔

اس کتاب کا محرک یہ ہے کہ یوں تو سیرت پر بے شمار کتابیں ہیں اور آپ ﷺ کی ذات ہے ہی ایسی کہ آپ ﷺ پر جتنا لکھا جائے، کم ہے؛ لیکن عرصہ سے احساس تھا کہ سیرت کی جو کتابیں ہمارے سامنے ہیں، وہ عموماً مسلمانوں کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہیں، اور یہ فطری بات ہے؛ کیوں کہ مسلمانوں کا آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان ہے اور وہ آپ ﷺ کی کتابِ زندگی کے ایک ایک حرف کو اپنے لئے نمونہ بناتے ہیں؛ لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ آپ ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں نہ کہ رحمۃ للمسلمین، آپ ﷺ کی نبوت تمام انسانیت کے لئے ہے نہ کہ صرف ان لوگوں کے لئے جو آپ ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں؛ اس لئے سیرت کا ایسا لٹریچر بھی منظر عام پر آنا چاہئے، جو برادران انسانیت کو پیغمبر عالم ﷺ سے متعارف کرائے، اسی جذبہ سے یہ حقیر سی کوشش کی گئی ہے، اس میں خاص طور پر حضور ﷺ کے بلند اخلاق کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس کتاب کے موضوع اور مقصد کے لحاظ سے راقم سطور نے محبی ومحبوبی حضرت مولانا محمد کلیم صدیقی صاحب دامت برکاتہم سے گذارش کی کہ وہ اس پر پیش لفظ لکھ دیں، پہلے تو ان کو تکلف ہوا؛ لیکن میرے اصرار پر انھوں نے یہ پیش لفظ لکھا اور خوب لکھا، جس نے اس کتاب کی قدر و قیمت میں اضافہ کیا ہے، انھوں نے از راہ حسن ظن اس حقیر کے بارے میں بھی اس کی حیثیت سے اونچے کلمات لکھ دیئے ہیں، یہ ان کا حسنِ ظن ہے، اللہ تعالیٰ واقعی اس گنہگار کو اس کا مصداق بنادے، وماذالک علی اللہ بعزیز۔

دُعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے گنہگار بندہ کی اس کوشش کو قبول فرمائے اور یہ اس کے لئے قیامت کے دن اپنے آقا کی شفاعت میں حصہ دار ہونے کا ذریعہ بن جائے۔

بعض احباب نے اس کا انگریزی، ہندی اور تلگو ترجمہ کا بھی ارادہ کیا ہے اور راقم الحروف کی خواہش ہے کہ مختلف زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو؛ تا کہ برادران انسانیت تک رسول اللہ ﷺ کی مبارک سیرت پہنچ سکے، اگر کوئی صاحب کسی اور زبان میں اس کا ترجمہ کرنا چاہیں تو اس حقیر کی طرف سے عمومی اجازت ہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمِ .

خالد سیف اللہ رحمانی
(خادم: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)

۹ ربیع الثانی ۱۴۴۲ھ
۲۵ نومبر ۲۰۲۰ء

• • •

پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

پہلا باب

حیاتِ طیبہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکی زندگی

نبوت سے پہلے

۲۰/اپریل ۵۷۱ء، پیر کے دن آپ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی، محققین کے نزدیک یہ ربیع الاول کی ۹/تاریخ تھی، دادا نے آپ کا نام محمد رکھا اور بعض روایت کے مطابق والدہ نے احمد، جب آپ ﷺ بڑے ہوئے تو صاحبزادے کی نسبت سے 'ابوالقاسم' کنیت اختیار فرمائی، والد ماجد کا نام حضرت عبداللہ، دادا کا عبدالمطلب اور پردادا کا ہاشم، نانا کا وہب، دادی کا فاطمہ اور نانی کا بَرّۃ، آپ کے والد دس بھائی تھے :

(۱) عباس	(۲) حمزہ
(۳) ابولہب	(۴) ابوطالب
(۵) زبیر	(۶) حارث
(۷) مُقَوِّم	(۸) حَجْل
(۹) ضِرار	(۱۰) حضرت عبداللہ

ان میں سے حضرت حمزہؓ اور حضرت عباسؓ مشرف بہ اسلام ہوئے، ابوطالب آپ کے نہایت ہی محسن اور محبوب چچا تھے اور ابولہب اسی قدر بدترین دشمن۔

آپ ﷺ کی پھوپھیاں چھ تھیں :

(۱) اُم حکیم	(۲) عاتِکہ	(۳) بَرّۃ
(۴) اُمَیمہ	(۵) اَروٰی	(۶) صَفِیّہ

ان میں سے حضرت صفیہؓ نے اسلام قبول کیا تھا، اور اُم حکیم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد کی جڑواں بہن تھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاندان والد کی طرف سے اس طرح ہے :

عبداللہ ← عبدالمطلب ← ہاشم ← عَبْدِ مَنَاف ← قُصَیْ ← کِلَابْ

← مُرَّۃ ← کَعْب ← لُوَیْ ← غالِب ← فِہر بن مالک (قریش)۔

والدہ کی طرف سے آپ کا خاندان، کلاب پر جا کر مل جاتا ہے :

آمنہ ← وَہْب ← عبدمناف ← زُہرَہ ← کِلَابْ۔

● آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے دو ماہ قبل ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد کی وفات ہوگئی، ولادت کے بعد پہلے خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ حضرت آمنہ اور پھر ابولہب کی باندی حضرت ثُوَیْبہؓ نے دُودھ پلایا، عرب کا دستور تھا کہ دیہات کی خواتین شہر آتیں اور معزز قبائل کے بچوں کو دُودھ پلانے کے لئے لے جاتیں، بچوں کے سرپرست ان کی مالی مدد کرتے، اور وہ بھی اس کو پسند کرتے؛ کیوں کہ ان کا خیال تھا کہ شہر کے لوگوں کی زبان مختلف قبائل کے اختلاط کی وجہ سے بگڑ جاتی ہے اور دیہات کے لوگوں کی زبان اصل حالت میں محفوظ رہتی ہے؛ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دستور کے مطابق حضرت حلیمہ سَعْدیہؓ کے حوالہ ہوئے، یہ قبیلہ بنوسعد سے تعلق رکھتی تھیں، جن کی فصاحت و بلاغت اور عربی زبان و اُسلوب میں مہارت مشہور تھی، دو سال کی عمر تک حضرت حلیمہ سَعْدیہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دُودھ پلایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے ہونے والی برکتوں کو دیکھتے ہوئے حضرت حلیمہ کی خواہش پر آپ نے مزید دو سال ان کے یہاں گزارے، آپ کے رضاعی بھائیوں بہنوں (یعنی حضرت حلیمہؓ کے بچوں) کے نام عبداللہ، حذیفہ، اُنَیْسَہ اور شَیْما ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رضاعی والد یعنی حضرت حلیمہؓ کے شوہر کا نام حارث بن عبدالعُزّیٰ تھا، حضرت ثُوَیْبہؓ اور حضرت حلیمہؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پہلے ایمان لائیں، حارث بن عبدالعزیٰ، عبداللہ اور شیما کو بھی بعد میں قبول اسلام کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت ثُوَیبہؓ کا دُودھ حضرت حَمزَہؓ، حضرت جَعفرؓ، حضرت اُم سَلمہؓ کے پہلے شوہر حضرت ابوسلمہؓ اور حضرت ثُوَیبہؓ کے صاحبزادے حضرت مَسرُوحؓ نے بھی پیا تھا، نیز حضرت حلیمہؓ کے دُودھ پینے والوں میں آپ کے چچازاد بھائی حضرت سُفیان بن حارثؓ بھی تھے، اس طرح یہ سب آپ کے رضاعی بھائی ہوئے، ان کے علاوہ بعض اور خواتین نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مختصر عرصہ کے لئے دُودھ پلایا ہے۔

حضرت آمنہ کا میکہ مدینہ میں تھا، حضرت عبداللہ کی وہیں وفات ہوگئی تھی؛ چنانچہ حضرت آمنہ اپنے صاحبزادے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اپنی وفادار باندی حضرت اُم اَیمَنؓ کے ساتھ مدینہ گئیں اور واپسی میں ''اَبوا'' کے مقام پر حضرت آمنہ کی وفات ہوگئی، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک چھ سال تھی، یہاں سے حضرت اُم اَیمَنؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ساتھ لے کر مکہ واپس آئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دادا حضرت عبدالمُطَّلِب کی پرورش میں آگئے، حضرت اُم اَیمَنؓ نے ایک ماں کی طرح بھرپور شفقت ومحبت کے ساتھ آپ کی پرورش کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہتے تھے کہ یہ میری ''ماں'' کے بعد ''ماں'' ہیں، وہ آپ اسے بے حد محبت کرتی تھیں، جب عمر مبارک آٹھ سال کی ہوئی تو دادا نے بھی داغ فراق دے دیا۔

حضرت ابوطالب آپ کے والد ماجد کے سگے بھائی تھے، یعنی دونوں کی ماں ایک تھیں، حضرت عبدالمُطَّلِب نے اپنی وفات سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت ابوطالب کے حوالہ کردیا، ان کی زوجہ حضرت فاطمہ بنت اَسَدؓ بھی آپ سے بے حد پیار کرتی تھیں، جس کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ذکر فرمایا ہے، ان چچا اور چچی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو والدین کی محبت عطا کی، عبدالمُطَّلِب نے حضرت اُم اَیمَنؓ کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش کے بارے میں خصوصی ہدایت فرمائی تھی، حضرت عبدالمُطَّلِب کے بعد آپ کے حسب وصیت آپ کے چچا 'زبیر' بنوہاشم کے سردار ہوئے اور تیرہ سال تک سردار رہے، ان کے انتقال کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر ۲۱-۲۲ سال تھی، پھر حضرت ابوطالب بنوہاشم کے سردار رہے اور ۲۸ سال تک اس ذمہ داری پر رہے، ان کی وفات کے بعد ابولہب سردار ہوئے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک تقریباً پچاس سال کی تھی۔

عرب کے عام دستور کے مطابق آپ ﷺ نے بچپن میں بھیڑ بکریاں بھی چرائی ہیں، جب آپ ﷺ کی عمر مبارک بارہ سال تھی، تو حضرت ابوطالب نے شام کے تجارتی سفر کا ارادہ کیا، حضور ﷺ کے اصرار پر آپ ﷺ کو بھی حضرت ابوطالب نے ساتھ رکھ لیا، راستہ میں ''تیماء'' نامی مقام پر قیام کا موقع ہوا، وہاں ''بُحَیرَہ'' نامی ایک راہب تھا، اس نے آپ ﷺ کے اندر ''خاتم النبیین'' (آخری نبی) ہونے کی علامتیں دیکھیں، اس کو اندیشہ ہوا کہ اگر شام کے یہود آپ ﷺ کو پہچان لیں تو کہیں آپ ﷺ کی جان کے درپے نہ ہو جائیں؛ چنانچہ بحیرہ کی خواہش پر حضرت ابوطالب نے آپ ﷺ کو واپس کر دیا، دوبارہ جب عمر مبارک ۲۵ سال کے قریب ہوئی تو حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کی خواہش پر ان کا مال لے کر آپ ﷺ نے شام کا سفر فرمایا؛ تا کہ وہاں تجارت کریں اور نفع میں دونوں شریک ہوں، حضرت خدیجہؓ نے اپنے غلام مَیْسَرَہ کو بھی آپ ﷺ کے ساتھ کر دیا تھا، اس تجارت میں بہت نفع ہوا۔

آپ ﷺ کی دیانت وامانت سن کر اور مَیْسَرَہ کے ذریعہ آپ ﷺ کے احوال جان کر حضرت خدیجہؓ بے حد متاثر ہوئیں اور انھوں نے آپ ا کو پیغام نکاح بھیجا، اس وقت آپ کی عمر مبارک ۲۵ سال تھی، حضرت خدیجہؓ کی عمر مشہور قول کے مطابق چالیس سال اور بعض حضرات کی رائے کے مطابق اٹھائیس سال تھی، آپ نے اسے قبول فرمالیا، اس زمانہ میں نکاح کے موقع پر عاقدین میں سے ہر ایک کی طرف سے خطبہ دیا جاتا تھا، جس میں اپنے اپنے خاندان کی تعریف ہوتی تھی؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے حضرت ابوطالب نے اور حضرت خدیجہؓ کی طرف سے وَرَقَہ بن نَوفِل نے نکاح کا خطبہ دیا، مہر کے بارے میں تین روایتیں ہیں: بیس اونٹ، چارسو دینار یا پانچ سو درہم، آپ ﷺ کی طرف سے حضرت حمزہؓ، حضرت ابوبکرؓ اور دوسرے سرداران قریش مجلس نکاح میں شریک تھے۔

حضرت خدیجہؓ سے نکاح کے بعد آپ ﷺ محلہ بنو ہاشم سے حضرت خدیجہؓ کے گھر 'دَارِ خُزَیمہ' منتقل ہو گئے، حضرت خدیجہؓ کو ان کے بھتیجے حکیم بن حزام نے ایک غلام ''زید بن حارثہؓ'' دیا تھا، جو اصل میں یمن کے قبیلہ بنوخُزاعہ کے سردار حارثہ بن شراحِیل کے صاحبزادے

تھے، جنھیں ڈاکوؤں نے زبردستی آٹھ سال کی عمر میں اغوا کر کے بیچ دیا تھا، حضرت خدیجہؓ نے اپنے ہونہار غلام کو حضور ﷺ کی خدمت میں دے دیا، وہ آپ ﷺ کے ایسے جان نثار ثابت ہوئے کہ والد اور چچا لینے کے لئے آئے پھر بھی آپ کے ساتھ رہنے کو ترجیح دی، نبوت کے بعد بھی وہ آپ کے جاں نثار و محبوب صحابہ میں ہوئے۔

● نبوت سے پہلے کا ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ کچھ لوگ عبداللہ بن جُدْعَان کے گھر میں اس مقصد سے جمع ہوئے کہ سب لوگ مل کر ظالم کو ظلم سے روکنے کی کوشش کریں، اور مظلوم کی مدد کریں، اس معاہدہ کو ''حِلْفُ الفُضُول'' کہتے ہیں، آپ ﷺ بھی اس میں شریک ہوئے، آپ کو یہ معاہدہ اس قدر پسند تھا کہ آپ ﷺ نبوت کے بعد بھی فرماتے تھے کہ اگر اب بھی مجھے ایسے معاہدہ کی طرف دعوت دی جائے تو میں اسے قبول کروں گا۔

● جب عمر مبارک ۲۵ سال کی ہوئی، تو خانہ کعبہ میں بارش کی وجہ سے شگاف پڑ جانے کے سبب کعبۃ اللہ کی تعمیر نَو انجام پائی، تعمیر کعبہ میں دروازے والی دیوار بنی عبد مَنَاف اور بنی زُہرَہ کے ذمہ آئی، رُکن یَمَانی اور حَجَر اسود کے درمیان کی دیوار بنو مَخزوم اور بنو تَیم نے تعمیر کی، حَطِیم والا حصہ بنو عبد الدَّار اور بنو اسد اور بنو عَدِی کے حصہ میں آیا اور پیچھے کی دیوار بنو سَہم اور بنو جُمَح نے تعمیر کی، اس میں جب حجر اسود کو اپنی جگہ پر رکھنے کا موقع آیا تو مختلف قبائل کے درمیان کشمکش شروع ہوئی، اور قتل و قتال کا اندیشہ پیدا ہو گیا، ایسے موقع پر مکہ کے ایک بزرگ ''اُمَیَّہ بن مُغِیرہ'' نے تجویز پیش کی کہ کل جو شخص سب سے پہلے کعبۃ اللہ میں آئے، وہ حجر اسود کو اپنی جگہ پر رکھے، کل سب سے پہلے کعبہ میں آنے والی شخصیت آپ ﷺ کی تھی؛ چنانچہ آپ ﷺ نے ایک چادر منگائی، اس کے وسط میں پتھر رکھا، ہر ہر قبیلہ سے ایک ایک نمائندہ طلب کیا، اور ان سب سے کہا کہ وہ چادر کے کنارے پکڑ کر حجر اسود کو اس جگہ تک لے جائیں، جہاں اسے نصب کیا جانا ہے، پھر جب وہاں پہنچے تو اپنے دستِ مبارک سے پتھر کو اپنی جگہ پر نصب فرما دیا۔

● نبی بنائے جانے سے پہلے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی بتوں کی پوجا نہیں کی، اور کوئی ایسا کام نہیں کیا جو گناہ کا ہو یا جو شرم وحیاء کے تقاضوں کے خلاف ہو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصوصی احباب حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت حکیم بن حزامؓ، اور حضرت ضماد بن ثعلبہؓ تھے، اور یہ سبھی بعد کو مشرف بہ اسلام ہوئے، خوش اخلاقی اور راست گوئی کی وجہ سے نبی بنائے جانے سے پہلے بھی لوگ آپ کو ''امین'' (امانت دار) اور ''صادق'' (سچا) کہا کرتے تھے۔

● ● ●

نبوت کے بعد

جب آپ ﷺ کی عمر مبارک چالیس سال کے قریب ہوئی، تو ایک خاص کیفیت یہ پیدا ہوئی کہ آپ ﷺ تنہائی کو پسند فرماتے، مکہ کے قریب ایک پہاڑی ''حرا'' کی بلندی پر واقع غار میں جاکر کئی دنوں کے لئے قیام پذیر ہوجاتے، مسلسل غور وفکر میں مشغول رہتے اور کعبۃ اللہ کی طرف دیکھتے رہتے، حرا کی پہاڑی مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے، جس کی اونچائی تقریباً دوہزار فٹ ہے، اس پر موجود یہ غار مستطیل شکل میں ہے اور کعبہ رُخ ہے، نیز اندر سے تقریباً چار گز لمبا پونے دو گز چوڑا اور قدآدم اونچا ہے، اور فرش قدرتی طور پر مسطح ہے۔

ایک قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ تقریباً چھ ماہ سے ایک خاص بات یہ پیش آنے لگی کہ آپ ﷺ خواب دیکھتے اور وہ دن کے اُجالوں میں حقیقت بن کر ظہور پذیر ہوتا، اس درمیان ایک شب حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے، انھوں نے آپ ﷺ کو اپنے سینہ سے لگا کر بھینچا اور کہا: پڑھئے! آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں پڑھا ہوا نہیں ہوں'' تین بار اسی طرح ہوا، پھر ''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ'' کی ابتدائی آیات آپ ﷺ پر نازل ہوئیں، اس طرح آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت کا تاج پہنایا گیا، اس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک چالیس سال چھ ماہ تھی، قرآن مجید کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ رمضان المبارک میں پیش آیا، بعض اہل علم کی تحقیق کے مطابق یہ شمسی کیلنڈر کے لحاظ سے ۱۴/اگست ۶۱۰ء کا واقعہ ہے۔

آپ ﷺ اس واقعہ سے گھبرا گئے، گھر آئے، حضرت خدیجہؓ سے ذکر فرمایا، حضرت خدیجہؓ نے تسلی دی کہ آپ ﷺ صلہ رحمی کرتے ہیں، لوگوں کی مصیبتوں میں کام آتے ہیں، مہمانوں کو پناہ دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو ضائع نہیں کرسکتے، مکہ میں توراۃ وانجیل کے ایک بڑے عالم وَرَقَہ بن نَوفل تھے، یہ حضرت خدیجہؓ کے قریبی عزیز تھے اور انجیل کا سُریانی

سے عربی زبان میں ترجمہ کیا کرتے تھے، حضرت خدیجہؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے پاس لے گئیں اوران سے پوری کیفیت سنائی، حضرت ورقہ بن نوفل نے حالات سن کر اور خود سوالات کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر آیا تھا، ورقہ نے اطمینان دلایا اور کہا کہ کاش! میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کی قوم نکال دے گی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس پر حیرت ہوئی، ورقہ نے کہا کہ جس شخص کو بھی اس منصب سے نوازا گیا ہے، اس کے ساتھ ایسا ہی واقعہ پیش آیا ہے۔

اس کے بعد ابتداءً تین سال تک آپ خاموشی سے لوگوں کو دین کی طرف بلاتے رہے، پھر جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے قریبی رشتہ داروں کو دین حق کی طرف بلائیں: ''اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ، وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ '' (۱) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو ہاشم کو کھانے پر مدعو کیا اور ان کے سامنے دین حق کا پیغام رکھا، ابولہب نے سختی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کی اور تنہا حضرت علیؓ تھے، جنھوں نے کمسنی کے باوجود تائید وتقویت کا اعلان کیا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوا: ''فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ '' (۲) پھر تمام اہل مکہ کو دعوت دینے کے لئے آپ ایک صبح صفا کی پہاڑی پر چڑھے، اور مکہ کے قدیم دستور کے مطابق ندا لگائی، سارے لوگ جمع ہو گئے، آپ نے فرمایا: تم لوگوں نے مجھے سچا پایا یا جھوٹا اور امانت دار پایا یا خیانت کرنے والا؟ سبھوں نے کہا: آپ صادق وامین ہیں! پھر آپ نے مزید اطمینان کے لئے فرمایا: اگر میں کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے دشمنوں کی فوج ہے جو حملہ کرنا چاہتی ہے، تو کیا تم اسے سچ مانو گے؟ لوگوں نے کہا: گو بظاہر یہ خبر غیر متوقع ہوگی؛ لیکن اگر آپ کہیں گے تو ہم قبول کریں گے، پھر آپ نے ان پر توحید ورسالت کو پیش فرمایا، ابوجہل اور ابولہب نے سنتے ہی مخالفت شروع کر دی، اور اس وقت کسی شخص نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت قبول نہیں کی۔

---

(۱) الشعراء: ۲۱۴، ۲۱۵۔ (۲) الحجر: ۹۴۔

● نبوت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ میں تیرہ سال گذارے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت پر عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ نے، مردوں میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے، بچوں میں حضرت علیؓ نے اور غلاموں میں زید بن حارثہؓ نے لبیک کہا، ابتدائی دور میں جن لوگوں کو قبول اسلام کا شرف حاصل ہوا، ان کو ''سابقون اولون'' بھی کہا جاتا ہے، ان کے نام یہ ہیں :

حضرت بلال حَبْشی، حضرت خَبَّاب بن اَرَتؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت زُبیر بن عَوَّامؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عَوْفؓ، حضرت سَعد بن ابی وَقَّاصؓ، حضرت طَلْحہ بن عبداللہؓ، حضرت ابوسَلْمہ عبداللہ بن عبدالاسدؓ، حضرت اَبوعُبَید ہ عامر بن عبداللہ بن الجَرَّاحؓ، حضرت اَرْقَمؓ، حضرت عثمان بن مَظْعُونؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت سعید بن زیدؓ، حضرت فاطمہ بنت الخطابؓ، حضرت اُم الفَضْل لُبابۃ الکبریٰؓ (زوجہ حضرت عباسؓ)، حضرت اَسْماء بنت ابوبکر صدیقؓ، حضرت یاسر بن عامرؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ، حضرت سُمَیَّہ بنت مسلمؓ، حضرت عُبَیْدہ بن حارثؓ، حضرت خالد بن سعید بن عاصؓ، حضرت نُعَیم بن عبداللہؓ، حضرت جَعْفَر بن ابی طالبؓ، حضرت عبداللہ بن جَحْشؓ، حضرت سائب بن مَظْعُونؓ، حضرت عبداللہ بن مظعونؓ، حضرت قُدَامَہ بن مَظْعُونؓ، حضرت سعد بن عثمانؓ، حضرت مسعود بن رَبِیْعَہؓ، حضرت خُنَیس بن حُذَافہ سہمیؓ، حضرت عَیَّاش بن ربیعہؓ اور مکہ کے باہر کے لوگوں میں حضرت ابوذر غِفَارِیؓ۔

نبوت کے بعد تیرہ سالہ مکی زندگی میں جو اہم واقعات پیش آئے، وہ اس طرح ہیں :

● چوں کہ اس دور میں کھلے طور پر اسلام کی دعوت نہیں دی جاسکتی تھی، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جان نثار صحابی حضرت ارقمؓ کے محفوظ مسکن دَارِارقم کو اپنے کام کا مرکز بنایا، جو صفا کی پہاڑی پر واقع تھا، آپ یہیں سے دعوت وتبلیغ کا کام انجام دیتے اور جو لوگ مسلمان ہوجاتے، ان کی تربیت فرماتے۔

● سنہ ۶ ؍نبوی میں حضرت حمزہؓ اور اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا، ان دونوں کے مسلمان ہونے سے اسلام کو بہت قوت پہنچی۔

● آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پوری قوت اور توجہ کے ساتھ دعوت کا کام کرتے رہے، جو صحابہ ایمان لا چکے تھے، انھوں نے بھی اپنے دوستوں کو ایمان کی دعوت دی اور اس کی وجہ سے بہت سے لوگ مسلمان ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حج کے اجتماع اور عکاظ کے میلہ میں بھی دعوت پیش فرمائی، اس طرح پورے جزیرہ العرب میں اسلام کی آواز پہنچ گئی۔

اہل مکہ نے مسلمانوں اور خاص کر اسلام قبول کرنے والے غلاموں کو بڑی تکلیفیں پہنچائیں، علامہ شبلی نعمانیؒ نے اس داستانِ کرب و بلا کا خوب نقشہ کھینچا ہے، اس کا خلاصہ نقل کیا جاتا ہے :

● حضرت خباب بن الارتؓ، یہ اس زمانہ میں اسلام لائے کہ جب صرف چھ سات شخص اسلام لا چکے تھے، قریش نے ان کو طرح طرح کی تکلیفیں دیں، ایک دن کوئلے جلا کر زمین پر بچھائے، اس پر چت لٹایا، ایک شخص چھاتی پر پاؤں رکھے رہا کہ کروٹ بدلنے نہ پائیں، یہاں تک کہ کوئلے پیٹھ کے نیچے پڑے پڑے ٹھنڈے ہوگئے، خبابؓ نے مدتوں کے بعد جب یہ واقعہ حضرت عمرؓ کے سامنے بیان کیا تو پیٹھ کھول کر دکھائی، جو برص کے داغ کی طرح بالکل سپید تھی۔(۱)

● حضرت بلالؓ، حبشی النسل اور اُمیہ بن خلف کے غلام تھے، جب ٹھیک دوپہر ہوجاتی تو اُمیہ ان کو جلتی بالو پر لٹاتا اور پتھر کی چٹان سینہ پر رکھ دیتا کہ جنبش نہ کرنے پائیں، ان سے کہتا کہ اسلام سے باز آ! ورنہ یوں ہی گھٹ گھٹ کر مرجائے گا؛ لیکن اس وقت بھی ان کی زبان سے ''اَحَد'' کا لفظ نکلتا، جب یہ کسی طرح متزلزل نہ ہوئے تو گلے میں رسی باندھی اور لونڈوں کے حوالہ کیا، وہ ان کو شہر کے اس سرے سے اس سرے تک گھسیٹتے پھرتے؛ لیکن اب بھی وہی رٹ تھی: ''اَحد، اَحد''۔(۲)

(۱) طبقات ابن سعد: ۱۱۶/۳ تا ۱۱۸، تذکرہ خبابؓ۔ (۲) طبقات ابن سعد: ۱۶۵/۳-۱۶۶۔

● حضرت عمارؓ، قریش ان کو جلتی ہوئی زمین پر لٹاتے اور اس قدر مارتے کہ بے ہوش ہوجاتے، ان کے والد حضرت عمارؓ اور والدہ حضرت سمیہؓ کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جاتا تھا۔

● حضرت سمیہؓ، ان کو ابوجہل نے اسلام لانے کے جرم میں برچھی ماری اور وہ شہید ہوگئیں۔(۱)

● حضرت صہیبؓ، قریش ان کو اس قدر اذیت دیتے تھے کہ ان کے حواس مختل ہوجاتے تھے، جب انھوں نے مدینہ کو ہجرت کرنی چاہی تو قریش نے کہا: اپنا سارا مال ومتاع چھوڑ جاؤ تو جاسکتے ہو، انھوں نے نہایت خوشی سے منظور کیا۔(۲)

● حضرت ابوفکیہہؓ، صفوان بن اُمیہ کے غلام تھے، اور حضرت بلالؓ کے ساتھ اسلام لائے، اُمیہ کو جب یہ معلوم ہوا تو ان کے پاؤں میں رسی باندھی اور آدمیوں سے کہا کہ گھسیٹتے ہوئے لے جائیں اور تپتی ہوئی زمین پر لٹائیں، ایک ''گبریلا'' راہ میں جارہا تھا، اُمیہ نے ان سے کہا ''تیرا خدا یہی تو نہیں ہے'' انھوں نے کہا ''میرا اور تیرا دونوں کا خدا اللہ تعالیٰ ہے'' اس پر اُمیہ نے اس زور سے ان کا گلا گھونٹا کہ لوگ سمجھے دَم نکل گیا، ایک دفعہ ان کے سینہ پر اتنا بھاری بوجھل پتھر رکھ دیا کہ ان کی زبان نکل پڑی۔

● حضرت لبینہؓ، یہ بے چاری ایک کنیز تھیں، حضرت عمرؓ (حضرت عمرؓ اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے) اس بے کس کو مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے تھے کہ ''میں نے تجھ کو رحم کی بنا پر نہیں؛ بلکہ اس وجہ سے چھوڑ دیا کہ تھک گیا ہوں''، وہ نہایت استقلال سے جواب دیتیں کہ ''اگر تم اسلام نہ لاؤ گے، تو خدا اس کا انتقام لے گا''۔

● حضرت زنیرہؓ، حضرت عمرؓ کے گھرانے کی کنیز تھیں اور اس وجہ سے حضرت عمرؓ (اسلام سے پہلے) ان کو جی کھول کر ستاتے تھے، ابوجہل نے ان کو اس قدر مارا کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں۔

● حضرت نہدیہؓ اور اُم عبیسؓ، یہ دونوں بھی کنیزیں تھیں، اور اسلام لانے کے جرم میں سخت سے سخت مصیبتیں جھیلی تھیں۔

---

(۱) کامل ابن اثیر: ۲/۵۰۔ (۲) طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۶۲۔

● حضرت عثمانؓ ، جب اسلام لائے تو دوسروں نے نہیں ؛ بلکہ خود ان کے چچا نے رسی سے باندھ کر مارا۔(۱)

● حضرت ابوذرؓ ، جو ساتویں مسلمان ہیں ، جب مسلمان ہوئے اور کعبہ میں اپنے اسلام کا اعلان کیا تو قریش نے مارتے مارتے ان کو لٹا دیا۔(۲)

● حضرت زبیر بن عوامؓ ، جن کا مسلمان ہونے والوں میں پانچواں نمبر تھا ، جب اسلام لائے تو ان کے چچا ان کو چٹائی میں لپیٹ کر ان کی ناک میں دھواں دیتے تھے۔(۳)

● حضرت عمرؓ کے چچا زاد بھائی سعید بن زیدؓ جب اسلام لائے تو حضرت عمرؓ نے ان کو رسیوں سے باندھ دیا ؛(۴) لیکن یہ تمام مظالم ، یہ جلادانہ بے رحمیاں ، یہ عبرت خیز سفاکیاں ، ایک مسلمان کو بھی راہ حق سے متزلزل نہ کرسکیں ، ایک نصرانی مؤرخ نے نہایت سچ لکھا ہے :

> عیسائی اس کو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمد ﷺ نے وہ درجہ نشۂ دینی کا آپ ﷺ کے پیروؤں میں پیدا کیا ، جس کو عیسیٰ کے ابتدائی پیروؤں میں تلاش کرنا بے فائدہ ہے ،...... جب عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر لے گئے ، تو ان کے پیرو بھاگ گئے ، ان کا نشۂ دینی جاتا رہا ، اور اپنے مقتدا کو موت کے پنجہ میں گرفتار چھوڑ کر چل دیئے ...... برعکس اس کے محمد ﷺ کے پیرو اپنے مظلوم پیغمبر کے گرد آئے اور آپ ﷺ کے بچاؤ میں اپنی جانیں خطرہ میں ڈال کر کل دشمنوں پر آپ کو غالب کیا۔(۵)

---

(۱) طبقات ، ترجمہ : عثمان بن عفان : ۳/۳۸۔

(۲) بخاری : ۱/۵۴۴-۵۴۵ ، باب اسلام ابی ذرؓ۔

(۳) ریاض النظر للمحب الطبری ، الباب السادس فی مناقب الزبیر ، الفصل الرابع : ۲/۲۶۳ ، آستانہ ومصر ، طبع اول۔

(۴) بخاری ، کتاب الاکراہ ، باب من اختار الضرب والقتل والھوان علی الکفر۔

(۵) اپالوجی گاڈفری ہیگنس ، ترجمہ اُردو : ۶۶ و ۶۷ مطبوعہ بریلی۔

خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی مشرکین نے مختلف طریقوں سے تکلیف پہنچائی ہے، یہ تکلیف جسمانی بھی تھی اور ذہنی بھی، آپ کو جو جسمانی تکلیف پہنچائی گئی، یا تکلیف پہنچانے کے لئے سازشیں کی گئیں، ان کے چند واقعات یہاں ذکر کئے جاتے ہیں :

● عمارہ بن ولید، قریش کا ایک خوبصورت نوجوان تھا، قریش اس کو لے کر حضرت ابوطالب کی خدمت میں آئے ، اور ان سے درخواست کی کہ وہ اس کو بیٹا بنالیں ، اور اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تبادلہ کرلیں ؛ تاکہ وہ ان کو قتل کردیں، حضرت ابوطالب نے فرمایا: تم مجھ سے کیا ہی بدترین سودا کررہے ہو کہ میں تمہاری اولاد کی پرورش کروں اور تم میری اولاد کو قتل کر ڈالو، ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔

● عقبہ بن ابی معیط ، مکہ کے سرداروں میں تھا اور آپ کا پڑوسی بھی تھا، آپ نماز ادا فرمارہے تھے کہ اس نے پیچھے سے کپڑے کا پھندا ڈال کر آپ کا گلا گھونٹنے کی کوشش کی ، اتفاق سے حضرت ابوبکرؓ تشریف لے آئے، اور اسے ہٹایا، نیز فرمایا کہ تم صرف اس بنا پر ایک شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب ایک ہے۔

● ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حرم میں نماز پڑھ رہے تھے، ابوجہل نے کہا: کاش اس وقت کوئی جاتا اور گندگی سمیت اونٹ کی اوجھ اُٹھالیتا کہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سجدے میں جاتے تو اس کی گردن پر ڈال دیتا، عقبہ بن ابی معیط نے کہا: اس کام کو میں انجام دوں گا؛ چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدہ کی حالت میں تھے تو آپ کی پشت مبارک پر اوجھ لاکر رکھ دی، قریش مارے خوشی کے ایک دوسرے پر گرے پڑ رہے تھے، کسی نے حضرت فاطمہؓ کو خبر کی، جو جوش محبت میں دوڑی آئیں، اوجھ ہٹائی ، اور پشت مبارک کو صاف کیا، اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش اور خاص ابوجہل، عقبہ، شیبہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف، عقبہ بن ابی معیط اور عمارہ بن ولید کے لئے نام لے لے کر بددُعا کی؛ چنانچہ بدبختوں کا یہ گروہ بدر کے دن مارا گیا۔

● آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ، جب کہیں کسی عام مجمع میں دعوت اسلام کا وعظ فرماتے تو ابولہب ، جو آپ کے ساتھ ساتھ رہتا تھا، کہتا جاتا کہ یہ جھوٹ کہتا ہے۔

● جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کا ارادہ فرمایا تو مکہ کی مشورہ گاہ ''دارالندوۃ'' میں قریش کے بڑے سردار جمع ہوئے، اورانھوں نے آپ کوقتل کرنے کی منصوبہ بندی کی، طئے پایا کہ ہرقبیلہ سے ایک طاقتور نوجوان لیا جائے، جوتلوار لے کرآپ کے مکان کا محاصرہ کرلیں، اورجب آپ نکلیں تو یکبارگی حملہ کرکے آپ کا کام تمام کردیا جائے، اس طرح آپ کا خون تمام قبائل پر تقسیم ہوجائے گا، اور بنو ہاشم تمام قبائل سے مقابلہ نہیں کرسکیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی اطلاع کردی گئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا حضرت علیؓ کو اپنی جگہ سلادیا، اور باہر نکل آئے۔

● جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے تو اہل مکہ نے اعلان کردیا کہ، جوآپ کو زندہ یا مردہ لے کرآئے گا، اس کوسواونٹ انعام دیا جائے گا، سراقہ بن مالکؓ انعام کی لالچ میں آپ کوتلاش کرتے ہوئے نکلا، یہاں تک کہ آپ کے قریب پہنچ گیا، مگر ہوا یہ کہ جب بھی وہ آپ کے قریب پہنچتا تو گھوڑے کے پاؤں ریت میں پھنس جاتے اور وہ گر جاتے، بالآخر اس نے قریب پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ وہ اس صورت حال سے نجات دے دیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لئے امان لکھوائی، اوراس سے کہا کہ: وہ قریش کوآپ کے بارے میں نہ بتائے، اس موقع پر آپ نے فرمایا کہ: تمہارے ہاتھوں میں کسریٰ کے سونے کے کنگن دیکھ رہا ہوں، سراقہ کواس بات پر حیرت ہوئی؛ لیکن دراصل یہ ایک پیشین گوئی تھی کہ اس وقت حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں ایران فتح ہوا اوراس میں دوسری چیزوں کے ساتھ ساتھ کسریٰ کے کنگن بھی مالِ غنیمت کے ساتھ آئے اور وہ حضرت سراقہؓ کے حصہ میں آیا، اب ابوجہل نے ایک بار اپنی قوم کا ایک اجتماع منعقد کیا، اوراس میں انھیں اُکسایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کے خداؤں کو بُرا کہتے ہیں، اوران کے مذہب پر عیب لگاتے ہیں، اس صورت حال سے نجات پانے کے لئے ضروری ہے کہ انھیں قتل کردیا جائے اوران سے عہد کیا کہ حضور کی جان لے کر چھوڑیں گے؛ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے آپ نماز پڑھ رہے تھے، دُور سے جائزہ لیتا ہوا جب آپ سجدہ میں گئے اور جبین مبارک زمین پر رکھی تو ابوجہل نے ایک پتھر اُٹھایا کہ اسے

آپ پر دے مارے؛ مگر منجانب اللہ وہ اس میں کامیاب نہیں ہوسکا، ابوجہل نے ایک بار آپ کو دھمکایا کہ جب کعبہ کے پاس سجدہ ریز ہوں گے، وہ آپ کے سر کو کچل دے گا، ایک دن آپ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے، آپ نے سورہ علق کی تلاوت کرتے ہوئے پڑھا :''كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَ اسْجُدْ وَ اقْتَرِبْ ''۔(۱)

یہ آیت سجدہ ہے آپ سجدہ میں چلے گئے، ابوجہل نے ارادہ اور وعدہ کو پورا کرنا چاہا، اور آگے بڑھ کر پھر واپس آ گیا جب آپ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا: اگر اس نے ایسا کیا ہوتا تو فرشتے اسے پکڑ لیتے:''لو فعل لأخذته الملائكة عياناً''۔(۲)

● ہجرت کے بعد بھی اہل مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قاتلانہ حملہ کی سازشیں کرتے رہتے تھے، اسی سلسلے کا ایک واقعہ یہ ہے کہ عمیر بن وہب جمحی ،صفوان بن اُمیہ کے ساتھ کعبہ میں بیٹھا ہوا تھا، دونوں کے درمیان یہ بات طے پائی کہ عمیر مدینہ جائیں گے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کردیں گے، جب کہ صفوان مکہ میں رہے گا، عمیر کے اہل وعیال کی حفاظت کرے گا، اور اگر اس کے ساتھ وہاں کوئی ناگوار معاملہ پیش آیا تو اس کے اہل وعیال کی پرورش صفوان کے ذمہ ہوگی، اسی منصوبہ کے تحت عمیر مدینہ گئے، تلوار کو چادر میں چھپا کر مسجد نبوی میں حاضر خدمت ہوا، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: آپ کی صبح بہتر ہو!''الاعين صباحاً'' آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی جگہ اس سے بہتر ملاقات کا کلمہ رکھا ہے، اور وہ ہے سلام ،جس کو اہل جنت ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت کہا کریں گے، آپ نے آنے کا سبب پوچھا، عمیر نے کہا کہ میرا ایک قیدی آپ لوگوں کے پاس ہے، میں اسی سلسلے میں آیا ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلوار کے بارے میں پوچھا، جسے وہ گردن میں لٹکائے ہوا تھا، عمیر نے کہا: بھلا یہ تلوار کیا کام آسکتی ہے؟ یہ جنگ کے لئے نہیں، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس گفتگو کے بارے میں دریافت کیا: جو اس کے اور صفوان کے درمیان ہوئی تھی، یہ سنتے ہی عمیر کے پاس آپ کا سچا ہونا واضح ہوگیا؛ کیوں کہ اس گفتگو کا علم سوائے صفوان و عمیر کے کسی کو نہیں تھا، وہ سمجھ گئے کہ آپ کو اس کی اطلاع اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ہے؛ چنانچہ کلمہ شہادت پڑھا اور اسلام میں داخل ہو گیا۔

(۱) العلق:۱۹۔ (۲) ترمذی، حدیث نمبر:۳۳۴۸۔

● آپ کو سب سے تکلیف دہ واقعہ اس وقت پیش آیا، جب آپ نے اسلام کی دعوت دینے کے لئے طائف کا سفر کیا، جب حضرت ابوطالب کا انتقال ہوگیا اور بنو ہاشم کی قیادت ابولہب کے ہاتھ آ گئی، آپ چاہتے تھے کہ کسی اور شہر کے لوگ اسلام قبول کر لے اور اسی کو اسلام کی دعوت کا مرکز بنایا جائے، اسی نیت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف تشریف لے گئے، جو مکہ کے بعد حجاز کا سب سے اہم شہر تھا، یہاں کے تین بڑے سردار تھے ''عبد یالیل، مسعود، حبیب'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تینوں کے پاس اسلام کی دعوت رکھی؛ مگر ان کا جواب نہایت حوصلہ شکن رہا، ایک نے کہا: اگر خدا نے آپ کو پیغمبر بنایا ہے تو اس نے کعبہ کا پردہ چاک کر دیا ہے، دوسرے نے کہا کیا رسول بنانے کے لئے خدا کو تمہارے سوا کوئی اور نہیں ملا تھا؟ تیسرے نے کہا: میں تم سے بات نہیں کر سکتا، اگر تم سچے ہو تو تم سے بات کرنا ادب کے خلاف ہے، اگر جھوٹے ہو تو بات کرنے کے لائق نہیں، ان سرداروں نے صرف اسی پر اکتفاء نہیں کیا؛ بلکہ طائف کے اوباشوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا، یہ ہر طرف سے اُمڈ کر آ گئے اور دورویہ صف باندھ کر کھڑے ہو گئے، جب آپ اِدھر سے گذرے تو آپ پر پتھر مارنے شروع کئے، یہاں تک کہ آپ کی جوتیاں خون سے بھر گئیں، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زخموں سے چور ہو کر بیٹھ جاتے تو بازو تھام کر کھڑا کر دیتے، جب آپ پھر چلنے لگتے تو پتھر برساتے، ساتھ ساتھ گالیاں دیتے، اور تالیاں بجاتے۔(۱)

● اجتماعی ایذاء رسانی کا دوسرا واقعہ غزوۂ اُحد میں پیش آیا، جب دشمنانِ اسلام نے آپ پر یلغار کر دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ مبارک زخمی ہوگیا اور خون کا فوارہ بہنے لگا، جاں نثاروں نے چاروں طرف سے آپ کو گھیر لیا اور حملہ آور اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے۔

● رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف دینے میں ابولہب کے ساتھ ساتھ اس کی بیوی بھی برابر کی شریک تھی، وہ آپ کے راستے میں کانٹا ڈال دیتی، دروازے پر گندگی پھینک دیتی، زبان سے بُرا بھلا کہتی، آپ کے بارے میں لوگوں سے غلط باتیں نقل کرتی، ایک بار اس نے آپ پر پتھر پھینکنے کا ارادہ بھی کیا؛ لیکن اللہ کی قدرت کہ آپ کو دیکھ نہ سکی۔

(۱) دیکھئے: سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ۱/۱۷۸۔

جسمانی تکلیف کے ساتھ ساتھ قریش نے آپ ﷺ کو ذہنی تکلیف پہنچانے میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی، جس کی چند مثالیں یہاں ذکر کی جاتی ہیں:

● رسول اللہ ﷺ کی دو صاحبزادیاں، حضرت رقیہ اور حضرت اُم کلثوم ابولہب کے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے منسوب ہو چکی تھی؛ البتہ ابھی رُخصتی کی نوبت نہیں آئی تھی، جب آپ ﷺ نے اسلام کی دعوت دینی شروع کی تو ابولہب نے اپنے دونوں بیٹوں کو حکم دیا کہ: وہ انھیں طلاق دے دیں اور ان دونوں نے صاحبزادیٔ رسول کو طلاق دے دیں۔

● اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیٹے اور بیٹیاں دونوں عطا فرمائی؛ لیکن بیٹوں کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا، یہ موقع تسلی اور دلداری کا ہوتا ہے؛ لیکن اہل مکہ نے اس موقع کو بھی ایذاء رسانی کے لئے ہی استعمال کیا، جس کی اولاد نرینہ زندہ نہیں ہوتی تھی، عرب اس کو ابتر کہتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ ایسے شخص کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے اور ان کی نسل باقی نہیں رہتی ہے؛ چنانچہ عاص بن وائل کہنے لگا کہ: آپ ابتر ہے، آپ کا تو نام و نشان ہی مٹ جائے گا، اس پس منظر میں سورۂ کوثر نازل ہوئی۔

● مشرکین مکہ آپ پر طرح طرح کے الزام لگاتے تھے، کبھی آپ کو جادوگر کہتے:
''وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ''۔(۱)

● کبھی کہتے: یہ گذشتہ قوموں کی کہانیاں ہیں، جن کو آپ نے لکھ لیا ہے۔(۲)

● کبھی نبوت کے دعوے کو افتراء پردازی قرار دیتے: ''اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ اِۨفْتَرٰىهُ''(۳) اس کے علاوہ آپ کا تمسخر کرنا تو عام بات تھی۔

● لوگوں کو قرآن مجید سننے سے منع کرتے، جب آپ ﷺ قرآن کی تلاوت کرتے تو شور شرابہ شروع کر دیتے؛ تا کہ کوئی سن نہ سکے، نضر بن حارث نے فارس کے بادشاہوں جیسے: رستم و اسفندیار کی کچھ باتیں سن رکھی تھیں، حضور ﷺ کی بات سننے سے روکنے کے لئے اسے لوگوں کے سامنے پیش کرتا، اس نے ایک گانے بجانے والی کو خرید رکھا تھا، جب کسی کے

(۱) ص:۴۔ (۲) القلم:۱۵۔ (۳) الفرقان:۴۔

بارے میں معلوم ہوتا کہ، وہ اسلام میں داخل ہوا تو اس کو اس کے پاس بھیج دیتا کہ وہ گانا بجانا کرکے اور کھلا پلا کر اس کو اسلام سے برگشتہ کردے۔

● نبوت کے ساتویں سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے خاندان کو اجتماعی تکلیف پہنچائی گئی؛ چنانچہ مشرکین نے بائیکاٹ کا فیصلہ کرکے ایک معاہدہ مرتب کیا اور اسے غلافِ کعبہ سے لٹکا دیا، اس عہد نامہ میں تھا کہ ''کوئی شخص نہ خاندان بنی ہاشم سے قرابت کرے گا، نہ ان کے ہاتھ خرید وفروخت کرے گا، نہ ان سے ملے گا، نہ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان جانے دے گا، جب تک وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کے لئے حوالہ نہ کردیں''(۱) تین سال تک یہ بائیکاٹ جاری رہا، یہاں تک کہ محصورین نے درخت کے پتے کھا کھا کر بسر کئے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رات کو سوکھا ہوا چمڑا ہاتھ آ گیا، میں نے اس کو پانی سے دھویا، پھر آگ پر بھونا اور پانی میں ملا کر کھایا، بچے جب بھوک سے روتے تھے اور باہر آواز آتی تھی تو قریش سن سن کر خوش ہوتے تھے۔

● آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعوتِ دین سے روکنے کے لئے پیش کش کی گئی کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکومت چاہتے ہیں تو اہل مکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا بادشاہ بنالیں گے، دولت چاہتے ہیں تو سب لوگ مل کر دولت وثروت اکٹھا کردیں گے، اور کسی حسین لڑکی سے نکاح کے خواہش مند ہیں تو ان سے نکاح کردیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے جواب میں قرآن کریم کی چند آیات پڑھیں اور انھیں دین کی حقیقت سمجھانے کی کوشش کی۔

● جب وہ اس سے مایوس ہو گئے تو انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محسن اور سب سے بڑے پشت پناہ حضرت ابوطالب سے کہا کہ یا تو آپ اپنے بھتیجے کو اس نئے دین کی دعوت سے روکیں یا پھر آپ بھی میدان میں آجائیں؟ حضرت ابوطالب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: بھتیجے! بوڑھے چچا پر اتنا ہی بوجھ ڈالو، جتنا وہ برداشت کرسکے، یہ سن کر آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سمجھا کہ شاید چچا کا سہارا بھی ختم ہونے والا ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر یہ

(۱) سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ۱/۱۷۴۔

لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور ایک ہاتھ میں چاند رکھ دیں، تب بھی میں اس دعوت سے باز نہیں آ سکتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عزم کو دیکھ کر ابوطالب نے کہا: تم جو کچھ کرتے ہو کرتے رہو، میرے جیتے جی کوئی تم کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

● مکہ والوں کی اذیت رسانی کو دیکھتے ہوئے نبوت کے پانچویں سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو ہجرت حبشہ کی اجازت دے دی؛ چنانچہ رجب ۵ رنبوی، مطابق ۶۱۴ء میں گیارہ مرد اور چار عورتیں شُعَیبہ کی بندرگاہ سے حبش کے لئے روانہ ہوئے، ان کے نام اور ان کے قبائل کے نام اس طرح ہیں :

(۱)	حضرت عُثمان بن عَفّانؓ	(بنی اُمَیَّہ)
(۲)	حضرت ابوحُذَیفہ بن عُتبہؓ	(بنی عَبدِ شمس)
(۳)	حضرت ابوسلمہ بن عبدالاَسَدؓ	(بنی مخزوم)
(۴)	حضرت عامر بن رَبِیعہؓ	(بنی عَدِی کے حلیف)
(۵)	حضرت ابوسَبرَہ بن ابی رہم عامرؓ	(بنی عامر)
(۶)	حضرت زُبیر بن العَوَّامؓ	(بنی اَسَد)
(۷)	حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ	(بنی زُہرَہ)
(۸)	حضرت عثمان بن مَظعُونؓ	(بنی جُمَح)
(۹)	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ	(بنی ھُذَیل)
(۱۰)	حضرت مُصعَب بن عُمَیرؓ	(بنی عَبدِ الدار)
(۱۱)	حضرت سُہَیل بن بیضاءؓ	(بنی حارث)
(۱۲)	حضرت رُقَیَّہؓ زوجہ حضرت عثمانؓ	(بنی ہاشم)
(۱۳)	حضرت سَہلَہؓ زوجہ حضرت ابوحُذَیفہؓ	(بنی عامر)
(۱۴)	حضرت اُمِّ سَلَمہؓ زوجہ حضرت ابوسلمہؓ	(بنی مخزوم)
(۱۵)	حضرت لیلیٰؓ زوجہ حضرت عامرؓ	(بنی عَدِی)

مہاجرین حبشہ کو کسی طرح یہ غلط خبر پہنچی کہ مکہ کے لوگ مسلمان ہو چکے ہیں؛ چنانچہ کچھ لوگ واپس آ گئے، لیکن مکہ میں تو مسلمانوں کے خلاف جور وستم اپنے شباب پر پہنچ چکا تھا؛ اس لئے نبوت کے چھٹے سال کے اوائل میں دوبارہ مسلمانوں کا وفد حبشہ کی طرف ہجرت کر گیا، اس طرح حبشہ میں تراسی مرد اور اٹھارہ عورتیں جمع ہو گئے، ان ہی جانے والوں میں حضرت علیؓ کے بھائی حضرت جعفر طَیَّارؓ بھی تھے، اہل مکہ نے پہلے تو ہجرت کرنے والوں کا تعاقب اور روکنے کی کوشش کی، لیکن جب اس میں کامیابی نہ ہوسکی تو حبشہ کو تحائف لے کر اپنا نمائندہ بھیجا، حضور ﷺ نے بھی حضرت جعفرؓ کے ساتھ شاہ حبش کے نام ایک خصوصی مکتوب روانہ فرمایا تھا، جس میں مہاجرین کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کی گئی تھی، اہل مکہ کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف جو نمائندے گئے تھے، وہ تھے: عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ، ان نمائندوں نے پہلے تو شاہ حبش اَصْحَمَہْ نجاشی کو تحفہ پیش کیا اور دوسرے مذہبی پیشواؤں کو تحائف دے کر ہموار کیا، پھر بادشاہ کے سامنے اپنی درخواست پیش کی؛ کہ یہ ہمارے بھاگے ہوئے غلام ہیں، انھیں واپس کر دیا جائے، بادشاہ نے مسلمانوں سے صفائی طلب کی، مسلمانوں نے حضرت جعفرؓ کو اپنا ترجمان بنایا، انھوں نے نہایت برجستہ، مؤثر اور حقیقت پسندانہ خطاب کیا اور سورۂ مریم کا ابتدائی حصہ سنایا، بادشاہ ان کے خطاب سے بہت متأثر ہوا اور مسلمانوں کو اپنے ملک میں امان دے دی۔

قریش کے نمائندوں کو یہ بات بہت گراں گذری؛ چنانچہ دوسرے دن انھوں نے ایک نیا نکتہ اُٹھایا کہ مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ایسی بات کہتے ہیں جو آپ کے لئے بالکل قابل قبول نہیں، مسلمانوں کو دوبارہ طلب کیا گیا، یہ بڑا نازک موقع تھا، تمام مسلمانوں نے طے کیا کہ اسلام کا جو عقیدہ ہے اس کو بے کم وکاست پیش کیا جائے؛ چنانچہ حضرت جعفرؓ نے فرمایا: ''ہمارا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، وہ اس کی طرف سے ایک روح اور کلمہ ہیں، جسے اللہ نے کنواری مریم پر القاء کیا تھا'' نجاشی نے کہا کہ تم نے جو کہا، وہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں صحیح عقیدہ ہے۔

● حبشہ میں اہل مکہ کی مہم ناکام ہونے کے بعد قریش کا ایک اور وفد حضرت ابوطالب کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک خوبصورت قریشی نوجوان عمارہ بن ولید بن مغیرہ کو ساتھ لایا اور پیش کش کی کہ اس خوبصورت نوجوان کو قبول کرلیں اور اس کے بدلہ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمارے حوالہ کردیں، حضرت ابوطالب نے اس کو قبول نہیں کیا اور فرمایا: یہ بات تو خوب رہی کہ میں تمہارے بچے کی پرورش کروں اور اپنے لڑکے کو قتل کے لئے حوالہ کردوں، اس طرح آپ نے اس نامعقول پیشکش کو نامنظور فرمادیا۔

● نبوت کے ساتویں سال کا ایک اہم ترین واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابوطالب کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت پناہی کے پس منظر میں بنو ہاشم، بنو مُطَّلِب اور بنو عبد مَناف کا بائیکاٹ کردیا گیا، اس بائیکاٹ میں جو دفعات لکھی گئیں، وہ یہ تھیں: ''ان لوگوں سے کوئی خرید وفروخت نہ کی جائے، نہ انھیں لڑکیاں دی جائیں اور نہ ان سے لڑکیاں لی جائیں، ان سے گفتگو نہ کی جائے، کوئی حمایتی خوراک پہنچائے تو پہنچنے نہ دی جائے، اور انھیں گلیوں اور بازاروں میں گھومنے پھرنے نہ دیا جائے، یہ بائیکاٹ اس وقت تک رکھا جائے جب تک بنو ہاشم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حوالہ نہ کردیں''—— نیز اس دستاویز کو واجب التعمیل بنانے کے لئے اس کو بیت اللہ کی چھت سے لٹکا دیا گیا، یکم محرم سن ۷ نبوی میں یہ معاہدہ لکھا گیا، حضرت ابوطالب بنو ہاشم اور بنو مطلب کو ساتھ لے کر شَعْبِ ابی طالب نامی گھاٹی میں مقیم ہوگئے، بنو ہاشم میں ابولہب حضرت ابوطالب کے ساتھ نہیں آیا اور وہ دشمنان رسول کے ہی خیمہ میں رہا، نبوت کے نویں سال کے اختتام پر یہ بائیکاٹ ختم ہوا، اس بائیکاٹ کو ختم کرنے میں ہشام بن عمرو بن حارث، زُبیر بن اَبی اُمیہ، مُطْعِم بن عَدِی بن نَوفِل، اَبوالبَخْتَری بن ہشام اور زَمْعَہ بن اَسْوَد پیش پیش تھے، جب ان سرداروں نے معاہدہ نامہ پھاڑنے کے لئے نکالا تو پورا معاہدہ نامہ دیمک خوردہ تھا، صرف اللہ تعالیٰ کا مبارک نام محفوظ تھا۔

● نبوت کے ۱۰ ارویں سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دو بڑے حادثات پیش آئے، ایک یہ کہ ۱۱ رمضان ۱۰ نبوی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غمگسار رفیق حیات اُم المومنین حضرت خدیجہؓ کا

انتقال ہوگیا، دوسرے آپ ﷺ کے چچا حضرت ابوطالب بھی داغ فراق دے گئے، اہل مکہ کی ایذاء رسانیوں کے مقابلہ میں ظاہری طور پر آپ ﷺ کو سہارا دینے والے اور دلداری کرنے والے یہی دونوں تھے؛ اس لئے اس واقعہ سے آپ ﷺ کو بڑا صدمہ ہوا اور آپ ﷺ نے اس سال کو ''عام الحزن'' (غموں کا سال) قرار دیا۔

● سنہ ۱۰ ر نبوی ہی میں آپ ﷺ نے اہل مکہ کی بے رُخی دیکھتے ہوئے طائف کا سفر فرمایا کہ شاید وہاں کے لوگ اسلام قبول کرلیں؛ لیکن اہل طائف کا سلوک اہل مکہ سے بھی بدتر ثابت ہوا، انھوں نے آپ ﷺ کے ساتھ بہت بدسلوکی کا معاملہ کیا، اس طرح آپ ﷺ پر پتھر برسائے کہ جسم لہولہان ہوگیا، اور نعلین مبارکین میں خون کی تہیں جم گئیں، اس سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ حضرت زید بن حارثہ بھی تھے، یہ سفر ۲۷ ر شوال ۱۰ نبوی میں ہوا تھا۔

● رجب سنہ ۱۰ ر نبوی میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو معراج سے سرفراز فرمایا، حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کو اپنے ساتھ لے کر مکہ سے بیت المقدس گئے، بیت المقدس میں آپ ﷺ نے انبیاء کی امامت فرمائی، پھر وہاں سے آپ ﷺ کو آسمان پر لے گئے، ساتوں آسمان کی سیر کرائی، حضرت آدم علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اِدْرِیس علیہ السلام، حضرت یوسُف علیہ السلام وغیرہ سے ملاقاتیں ہوئیں اور جنت و دوزخ کے بھی مناظر دکھائے گئے، اسی موقعہ سے پچاس نمازیں فرض کی گئیں، جو بار بار کی درخواست پر پانچ باقی رہ گئیں، اسی موقعہ پر سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر القاء فرمائیں، ابوجَہل اور اہل مکہ نے اس واقعہ پر خوب استہزاء کیا اور حضرت ابوبکر صِدِّیق ؓ نے خوب خوب تصدیق فرمائی، اور آخر ''صِدِّیق'' قرار پائے۔

● حج کے موقع سے عرب کے کونے کونے سے لوگ مکہ و منیٰ پہنچتے تھے اور آپ ہمیشہ ان پر دعوت حق پیش فرماتے تھے، اکثر قبیلوں کا جواب انکار کا ہوتا تھا، سن ۱۰ ر نبوی کے حج میں حضور ﷺ کی ملاقات مدینہ کے وفد سے ہوئی، آپ ﷺ نے ان پر دعوت اسلام پیش کی، اور چار مردوں اور دو عورتوں نے اسلام قبول کیا، آئندہ سال حج کے موقع سے دوبارہ اہل مدینہ

سے ملاقات ہوئی ، یہ بارہ آدمی تھے ، جن میں سے پانچ گذشتہ سال کے اہل ایمان تھے اور سن ۱۳ نبوی میں ۷۳ مرد اور دو عورت مسلمان ہوئے ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان مسلمانوں کے لئے بارہ نُقَبَاء (سردار) بھی منتخب فرمائے ، جن میں نو کا تعلق بنو خَزْرج سے تھا اور تین کا بنی اَوْس سے ، اس موقعہ سے اہل مدینہ سے بات طے پا گئی کہ مسلمان اگر ہجرت کرکے مدینہ جائیں گے تو مدینہ کے لوگ پناہ دیں گے ، پھر جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو ہجرت کرنے کا حکم دیا ، آہستہ آہستہ لوگ مدینہ منتقل ہونے لگے ، یہاں تک کہ صرف چند مسلمان مکہ میں باقی رہ گئے ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حکم کے انتظار میں تھے ، بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ہجرت کا حکم ملا اور طے پایا کہ حضرت ابوبکرؓ ساتھ رہیں گے ، حضرت ابوبکرؓ نے دو اونٹنیاں خاص اسی مقصد کے لئے خرید رکھی تھیں اور مدینہ کا راستہ بتانے کے لئے ایک رہنما بھی طے کرلیا تھا ، ایسے راستہ بتانے والے کو ''دلیل'' کہا جاتا تھا۔

ادھر جب اہل مکہ نے دیکھا کہ مسلمان مدینہ میں جمع ہو گئے ہیں اور شاید اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی چلے جائیں گے تو انھوں نے 'دار الندوہ' (ایک بیٹھک ، جس میں قریش مشورہ کیا کرتے تھے) میں مشورہ کیا اور مشورہ میں یہ بات طے پائی کہ ہر قبیلہ سے ایک ایک نوجوان تلوار لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دولت خانہ کا محاصرہ کرلے ، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح کو باہر آئیں تو سب لوگ ایک ساتھ مل کر حملہ کردیں ، تمام قبائل کی شرکت کی وجہ سے بنو ہاشم سبھوں سے بدلہ نہیں لے سکیں گے ، اسی رائے پر اتفاق ہوا ، اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی خبر دے دی ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کی امانتیں حضرت علیؓ کے حوالہ کیں ، اپنے بستر پر اُن کو سلا دیا اور ایک مشت خاک پھینکتے ہوئے گھر سے باہر نکل آئے ، دشمنوں کو کوئی خبر بھی نہ ہوسکی ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدھے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر تشریف لائے اور ۲۷ رصفر ۱۳ نبوی بروز جمعرات ان کو ساتھ لے کر '' ثور'' نامی پہاڑ کے اونچے غار کی پناہ لی ، تین دنوں وہیں مقیم رہے ، پھر یکم ربیع الاول ۱۳ نبوی بروز اتوار شب کو مدینہ کی طرف نکلے ، یہ قافلہ چار آدمیوں —— آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ، حضرت ابوبکرؓ ، حضرت ابوبکرؓ کے غلام اور راستہ بتانے والا شخص عبداللہ بن اُرَیْقِط —— پر مشتمل

تھا، مورخہ: ۸ ربیع الاول ۱۳ نبوی، مطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء روز پیر کو قباء پہنچے، قباء میں آپ ﷺ کا قیام چودہ دنوں تک رہا اور یہیں آپ ﷺ نے مسجد قباء کی بنیاد رکھی، قباء میں انصار کے قبائل نے آپ ﷺ کا نہایت گرم جوشی کے ساتھ استقبال کیا، آپ ﷺ نے جمعہ کے دن یہیں نماز جمعہ ادا فرمائی، یہ اسلامی تاریخ کا پہلا جمعہ تھا، پھر اسی دن قباء سے مدینہ تشریف لائے، مدینہ میں انصار نے بڑی ہی محبت کے ساتھ آپ ﷺ کا خیر مقدم کیا، ہر شخص چاہتا تھا کہ آپ ﷺ کا قیام اس کے گھر پر ہو، آخر آپ ﷺ کی اونٹنی حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مکان پر رکی اور آپ ﷺ ان ہی کے مہمان ہوئے، اس طرح اسلام کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔

● ● ●

مدنی زندگی

● مدینہ آنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیش نظر دو اہم کام تھے، ایک: مسلمانوں کی تربیت، دوسرے: پورے جزیرۃ العرب اور اس سے باہر اسلام کی دعوت پہنچانا، اس مقصد کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں امن و امان اور بھائی چارہ کا ماحول پیدا کرنے کی کوشش فرمائی اور اس سلسلہ میں دو اہم قدم اُٹھائے، ایک تو مسلمان، یہودیوں اور مدینہ کے دوسرے غیر مسلموں کے درمیان ایک تحریری معاہدہ کرایا اور اس پر تمام قبائل کے نمائندوں کے دستخط لئے، اس معاہدہ کا حاصل یہ تھا کہ ہم سب باہم امن کے ساتھ رہیں گے، اپنے اپنے مذہب پر عمل کرتے ہوئے دوسرے کے معاملہ میں دخل دینے سے گریز کریں گے، اور اگر کوئی دشمن مدینہ پر حملہ آور ہو تو ہم سب مل کر مدافعت کریں گے، یہ معاہدہ ہجرت کے پانچویں ماہ ہوا۔

دوسرے: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ سے آنے والے مہاجرین اور مدینہ کے رہنے والے انصار کے درمیان 'مواخات' یعنی بھائی چارہ قائم فرمایا، اس طرح کہ ایک انصاری اور ایک مہاجر کو بھائی بھائی بنا دیا گیا اور ان کے تمام تعلقات بھائی بھائی کی طرح رکھے گئے، اس سے جہاں بے سہارا مہاجرین کے لئے ٹھکانہ کا نظم ہوا، وہیں محبت واُخوت کا ماحول پیدا ہو گیا۔

● مدینہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آنے کے ساتھ ہی مسجد کی فکر کی اور دو یتیم بچے حضرت سَہلؓ اور حضرت سُہَیلؓ کی زمین خرید کر (جس کی قیمت دس دینار طے ہوئی) خود اپنے رفقاء کے ساتھ مسجد کی تعمیر فرمائی، اس مسجد کی لمبائی، چوڑائی مشہور محدث امام زُہریؒ کے بقول تقریباً سو ہاتھ لمبی اور سو ہاتھ چوڑی تھی اور سطحِ زمین سے مسجد کی اونچائی اٹھارہ انچ رکھی گئی تھی۔

● مدینہ میں مسلمانوں کا اس طرح سکون سے رہنا اور اپنے دین کی تبلیغ کرنا اہل مکہ کو گوارہ نہ ہوا؛ اس لئے انھوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگی مہمات شروع کر دیں؛ چنانچہ انھوں نے عبداللہ بن ابی کو جو اہل مدینہ کا سردار تھا، لکھا: تم نے ہمارے آدمی کو اپنے یہاں پناہ دی یا تو تم

لوگ انھیں قتل کردو یا اپنے شہر سے نکال دو ورنہ ہم اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ ہم سب مل کر تم پر حملہ کردیں گے اور تم کو گرفتار کر کے تمہاری عورتوں کو تصرف میں لے آئیں گے، (۱) رسول اللہ ﷺ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو عبداللہ بن اُبی کے پاس گئے اور اس کو سمجھایا کہ کیا تم اپنے ہی انصاری بھائیوں کے خلاف جنگ کروگے؟ اس طرح اہل مکہ کی یہ سازش ناکام ہوئی۔

● مشرکین مکہ کی سازشوں کی صورت حال یہ تھی کہ مدینہ میں بھی مسلمانوں کو ہر وقت خطرہ درپیش رہتا تھا کہ نہ جانے کب اہل مکہ مدینہ پر حملہ کردیں؟ آپ ﷺ بعض اوقات جاگ کر رات گزارتے تھے، حضور اقدس ﷺ پر بعض صحابہ بھی پہرہ دیا کرتے تھے، ایک دن آپ نے فرمایا: کوئی ہے جو آج کی رات پہرہ دے؟ حضرت سعد بن مالکؓ نے اس کی ذمہ داری قبول کی، تب آپ آرام کرنے اپنے حجرے میں تشریف لے گئے، (۲) صحابہ کا حال یہ تھا کہ وہ راتوں کو ہتھیار باندھ کر سویا کرتے تھے کہ کہیں رات کے اندھیرے میں حملہ نہ ہوجائے، (۳) ایک بار حضرت سعد بن اعمش عمرہ کے لئے تشریف لے گئے، یہ غزوہ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے؛ حالاں کہ قریش حج وعمرہ میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالتے تھے اور نہ حدود حرم میں کوئی زیادتی کرتے تھے، چاہے کتنا ہی بڑا دشمن ہو، ان کا سامنا ابوجہل سے ہوگیا، ابوجہل نے کہا: تم نے محمد اور اس کے ساتھیوں کو پناہ دے رکھی ہے، اگر ابوصفران تمہارے ساتھ نہ ہوتے تو تم یہاں سے زندہ بچ کر نہیں جاتے، اس پر حضرت سعدؓ نے دھمکی دی کہ اگر تم ہم پر حج وعمرہ بند کردوگے تو ہم شام جانے والے تمہارے تجارتی قافلوں کی آمد ورفت بند کردیں گے، (۴) اور جب بھی موقع ملتا تھا، چھوٹے موٹے حملے کرتے رہتے تھے؛ چنانچہ قریش کے ایک سردار قرط بن جابر فہری نے مدینہ کی ایک چراگاہ پر ہلہ بول دیا اور آپ ﷺ کے مویشی لوٹ لیئے، تعاقب بھی کیا گیا، مگر وہ بچ کر نکل گیا۔ (۵)

(۱) بخاری کتاب، الاستیذان، حدیث نمبر: ۶۲۵۴۔
(۲) سنن کبریٰ للنسائی، عن سعد بن مالک حدیث نمبر: ۸۱۰۷۔
(۳) لباب النقول فی اسباب النزول للسیوطی، تفسیر سورۃ نور، آیت نمبر: ۵۵۔
(۴) بخاری کتاب المغازی، باب ذکر النبی ﷺ من یکتب بیدہ، حدیث نمبر: ۳۹۵۰۔
(۵) اصابۃ ترجمہ قرط بن جابر فہری: ۲۹۰/۳۔

● اسی پس منظر میں ۱۲ر صفر ۲ر ہجری میں مسلمانوں کو جہاد اور ظالموں کے خلاف تلوار اُٹھانے اور اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے مسلح جدوجہد کی اجازت ملی اور جہاد کے سلسلہ میں پہلی آیت نازل ہوئی، یہ سورہ حج کی آیت نمبر: ۳۹ ہے، بعض روایات میں پہلی آیت جہاد کی حیثیت سے سورہ بقرہ کی آیت نمبر: ۱۹۰ کا ذکر آیا ہے، مشرکین مکہ کی طرف سے مسلمانوں پر پہلا باضابطہ حملہ رمضان ۲ھ میں ہوا، مسلمانوں کو اطلاع ہوئی، وہ بھی آگے بڑھے اور مدینہ سے ۸۰ میل کے فاصلہ پر بدر کے میدان میں دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا، مشرکین مکہ کی تعداد ایک ہزار تھی اور مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳ ، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح سے ہمکنار کیا ، ۱۴ مسلمان شہید ہوئے ، ۷۰ مشرکین مکہ مارے گئے اور ۷۰ قید کئے گئے ، ہلاک ہونے اور قید کئے جانے والوں میں مکہ کے بڑے بڑے سردار شامل تھے ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان قیدیوں کے ساتھ بہت ہی اچھا سلوک فرمایا، ان میں جو پڑھنا لکھنا جانتے تھے، ان کے لئے دس مسلمان بچوں کو پڑھانا لکھانا فدیہ قرار دیا گیا اور بقیہ قیدیوں سے مالی فدیہ وصول کیا گیا، نیز انھیں بہت اعزاز واکرام کے ساتھ نئے کپڑے پہنا کر رُخصت کیا گیا۔

● مدنی زندگی کے ابتدائی واقعات میں ایک یہ ہے کہ مدینہ سے مکہ اور بیت المقدس دو مخالف سمتوں میں واقع تھے؛ اس لئے نماز میں کسی ایک ہی طرف رُخ کیا جاسکتا تھا؛ چنانچہ ابتداءً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیت المقدس کو قبلہ بنایا، پھر سولہ مہینوں کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے کعبۃ اللہ قبلۂ نماز متعین ہوا، اسی سال غزوہ بدر کے بعد حضرت فاطمۃ الزہراؓ کا نکاح سیدنا حضرت علیؓ سے ہوا، یہ واقعہ ذی الحجہ، محرم یا صفر کا ہے۔

● بدر سے فارغ ہوکر آئے ہی تھے کہ آپ کو یہودیوں کے ایک قبیلہ بنی قَیْنُقَاع کی بدعہدی کا سامنا کرنا پڑا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ سے بچنا چاہ رہے تھے؛ لیکن ان کے معاندانہ رویہ سے مجبوراً جنگ کی نوبت آئی اور بنی قینقاع نے ہتھیار ڈال دیا، پھر انھیں جلاوطن کردیا گیا۔

اس جنگ کا واقعہ اس طرح پیش آیا کہ چوں کہ مسلمانوں کے مدینہ آنے سے پہلے یہودیوں کو اہل کتاب ہونے کی وجہ سے خصوصی عزت ووقار کا مقام حاصل تھا، وہ انصار کے دو

بڑے قبائل کو آپس میں لڑاتے اور ان پر حکومت کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کی برکت سے یہ دونوں قبائل شیر وشکر ہو گئے اور جب آپ نے مہاجرین وانصار کا بھائی چارہ کا رشتہ قائم فرمایا تو اب یہ تینوں گروہ مل کر ایک مضبوط طاقت بن گئے، پھر اہل مکہ جو پورے جزیرۃ العرب کے قائد تھے، غزوۂ بدر میں ان کو شکست فاش ہوئی، اس اتحاد نے مسلمانوں کا مزید رُعب قائم کر دیا، یہ ساری باتیں یہودیوں کو بہت ناگوار گزر رہی تھیں اور وہ اندر سے چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں۔

● یہ دشمنی اس وقت اُبھر کر سامنے آ گئی، جب بنو قینقاع کے بازار میں ایک مسلمان خاتون کی یہودیوں نے بے حرمتی کی اور اسے بے ستر کر دیا، آخر ایک انصاری نے غیرت میں آکر اس یہودی کو قتل کر دیا، یہودیوں نے جمع ہو کر اس مسلمان انصاری کو شہید کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس گئے اور انھیں وعدہ خلافی کے وبال سے ڈرایا، یہ سن کر وہ کہنے لگے: ہمیں قریش نہ سمجھو، ہم سے مقابلہ ہوگا تو سمجھ میں آجائے گا کہ لڑائی کس کو کہتے ہیں؟ اس پس منظر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۱۵؍شوال ۲ھ کو ان کے قلعہ کا محاصرہ کرلیا، پندرہ دن محاصرہ جاری رہا، انھوں نے پیشکش کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو فیصلہ کریں، ہم اس پر راضی ہیں؛ چوں کہ ان کا ساز باز اہل مکہ سے بھی تھا؛ اس لئے مدینہ میں ایسے بغلی دشمنوں کا رہنا خطرہ سے خالی نہیں تھا؛ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی جان بخش دی؛ البتہ انھیں جلا وطن کر دیا اور اپنے سامان واسباب ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی؛ چنانچہ یہ ''اذرعات'' نامی مقام پر آباد ہو گئے۔

● بدر کی شکست نے اہل مکہ کو جذبۂ انتقام سے لبریز کر دیا، اور آئندہ سال پھر اہل مکہ زیادہ تیاریوں کے ساتھ مدینہ پر حملہ آور ہوئے، مسلمانوں نے مدینہ سے باہر نکل کر 'اُحد' کے دامن میں دشمنوں سے مقابلہ کیا، اس جنگ میں مشرکین مکہ کی تعداد تین ہزار تھی اور مسلمان سات سو کے قریب تھے، ابتداء میں مسلمان غالب تھے؛ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک فوجی دستہ جہاں مقرر کیا تھا اور اس پر جمے رہنے کی ہدایت کی تھی، مسلمانوں کو غالب آتے ہوئے دیکھ کر وہ وہاں سے ہٹ گیا، اور حضرت خالد بن ولیدؓ نے — جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے —

اس سمت سے حملہ کر دیا، اس طرح مسلمانوں کی فوج دونوں طرف سے گھر گئی، ۷۰ صحابہ شہید ہوئے، آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ بھی ان شہیدوں میں تھے، ان کی نعش مبارک کا دشمنوں نے مُثلہ بھی کیا، حضور ﷺ کے دندانِ مبارک بھی شہید ہوئے، اور آپ ﷺ خون سے لہولہان ہو گئے؛ بلکہ آپ ﷺ کی شہادت کی خبر مشہور ہوگئی، یہ معرکہ شوال تین ہجری میں ہوا، تاریخ میں اختلاف ہے؛ لیکن زیادہ تر لوگوں کی رائے ہے کہ یہ سات شوال ہفتہ کا دن تھا اور شمسی لحاظ سے ۳؍ مارچ ۶۲۵ء تاریخ تھی۔

● ہجرت کے چوتھے سال دو اہم واقعات پیش آئے، ایک یہ کہ نجد کے قبیلہ کلاب کا سردار ابو براء عامر بن مالک مدینہ حاضر ہوا اور حضور ﷺ سے خواہش کی کہ آپ اپنے رفقاء کی ایک جماعت میرے ساتھ بھیجئے، اُمید ہے کہ نجد میں بسنے والے قبائل مسلمان ہو جائیں گے، آپ ﷺ نے اہل صُفَّہ میں سے ستر قراء یعنی قرآن مجید کے عالموں کو ان کے ساتھ روانہ کر دیا اور حضرت مُنْذِر بن عمروؓ کو ان کا امیر بنایا؛ لیکن قبیلہ کے لوگوں نے بدعہدی کی اور یہ ستر صحابہ شہید کر دیئے گئے، یہ واقعہ چوں کہ بیئرِ مَعُوْنَہ کے پاس صفر سنہ چار ہجری میں پیش آیا، اس لئے یہ اسی نام سے مشہور ہے، آپ ﷺ نے اس واقعہ کے بعد چالیس دن تک نماز فجر میں ان کے خلاف قنوت نازلہ پڑھی، آخر یہ پوری بستی طاعون کی وباء میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوگئی۔

● یہودیوں کا ایک اہم قبیلہ بنونَضیر تھا، جو مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ میں شامل تھا، ایک تو بنوقینقاع کی طرح ان کے دل بھی مسلمانوں کے خلاف بغض وعناد سے بھرے ہوئے تھے، پھر مزید یہ کہ قریش نے ان کو دھمکی بھرا خط لکھا کہ تم لوگوں کے پاس ہتھیار اور قلعے ہیں، تم ہمارے حریف (محمد ﷺ) سے لڑو، ورنہ ہم تمہارے ساتھ یہ یہ کریں گے اور کوئی چیز ہم کو تمہاری عورتوں کے گھروں تک پہنچنے سے نہیں روک سکے گی، (۱) یہ اس بات پر کوشاں تھا کہ کسی بہانے سے آپ ﷺ کو دعوت دے اور آپ ﷺ کو قتل کر دے، اِدھر ایک واقعہ پیش آیا کہ عمرو بن امیہؓ نے قبیلہ عامر کے دو افراد کو قتل کر دیا، ان مقتولین کا خون بہا ادا کرنا تھا، (مدینہ میں

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الخراج، باب فی خبر النضیر، حدیث نمبر: ۳۰۰۴۔

آپ نے جو معاہدہ کرایا تھا) اس کی رو سے نصف دیت کی ادائیگی مسلمانوں کے ذمہ تھی اور نصف یہودی کے ذمہ، انھوں نے یہ سازش کی کہ آپ ﷺ کو بلا کر ایک بالا خانہ کے نیچے کھڑے ہونے یا بیٹھنے کے لئے کہا، پہلے سے یہ بات طے کر لی گئی تھی کوئی شخص بالا خانہ پر چڑھ کر بھاری پتھر آپ ﷺ پر گرا دے، آپ کو اس سازش کی خبر ہوگئی اور آپ وہاں سے اُٹھے اور سیدھے واپس آ گئے۔(۱)

● یہ پہلے سے بھی اہل مکہ سے رابطہ میں تھے، غزوۂ بدر کے بعد ابوسفیان خفیہ طور پر مدینہ آیا تھا اور بنونضیر کے سردار سلام ابن مشکم نے اس کی ضیافت کی تھی، ابوسفیان نے جاتے جاتے مسلمانوں کی چراگاہ پر حملے کر کے ایک مسلمان کو قتل بھی کر دیا اور چراگاہ میں گھاس کا جو ذخیرہ تھا، اس میں آگ بھی لگا دی، اس پس منظر میں مسلمانوں نے اس کے قلعہ کا محاصرہ کیا اپنے جرم کے لحاظ سے وہ مستحقِ قتل تھے؛ لیکن آپ ﷺ نے ان کی اس درخواست کو قبول کر لیا کہ انھیں یہاں سے چلے جانے اور ایک اونٹ پر جتنا کچھ لاد کر لے جا سکتا ہے، لے جانے کی اجازت دی جائے،(۲) —— یہ واقعہ ربیع الاول ۴ ہجری مطابق اگست ۶۲۵ء میں پیش آیا۔

● پھر ہجرت کے پانچویں سال اہل مکہ نے بنوغطفان اور بعض دوسرے قبائل کو ساتھ لے کر دس ہزار کے لشکر کے ساتھ مدینہ کی چھوٹی سی بستی پر حملہ کر دیا، یہودی قبائل جو مسلسل مسلمانوں کے ساتھ خفیہ طور پر غداری کر رہے تھے، اور ان کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھتے تھے، وہ بھی اس مشکل میں وقت میں اہل مکہ کے ساتھ ہو گئے، اور بنوقریظہ باضابطہ اہل مکہ کے ساتھ میدان میں آ گئے، یہ مسلمانوں کے لئے بڑا نازک وقت تھا؛ چنانچہ حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ پر ''سَلَع'' نامی پہاڑ کے دامن میں طویل خندق کھدوائی گئی، اس خندق کی لمبائی پانچ ہزار گز اور چوڑائی نو گز تھی، مسلمانوں کے سامنے خندق تھی اور پیچھے پہاڑ تھے، بیس روز تک اہل مکہ کی طرف سے محاصرہ جاری رہا، بالآخر اللہ کی مدد شامل حال ہوئی، ایسا طوفان آیا کہ ان کے خیمے اکھڑ گئے اور آپس میں اختلاف بھی پیدا ہو گیا، بالآخر ناکام

(۱) سیرت ابن ہشام: ۲/۱۴۶۔ (۲) تاریخ طبری: ۳/۱۴۵۲۔

ونامراد دشمنوں کی فوج واپس ہوئی، اس جنگ میں مشرکین کی فوج دس ہزار سے بھی زیادہ تھی، اہل ایمان کی کل تعداد تین ہزار تھی، آٹھ مشرکین مارے گئے اور چھ مسلمان شہید ہوئے، مسلمانوں کا محاصرہ تقریباً ایک ماہ تک جاری رہا،مشہور قول کے مطابق شوال ۵ ہجری میں غزوۂ خندق ہوئی۔

● یہود کی اس بدعہدی کی وجہ سے جس سے مسلمان بار بار دوچار ہو چکے تھے،اوراس بار تو بدعہدی انتہا کو پہنچ گئی تھی،مسلمانوں نے جوابی کارروائی کی، یہودیوں کے قبیلہ بنوقُریظہ کے قلعہ کا محاصرہ کرلیااور پھر یہودیوں کی حکم بنائی ہوئی شخصیت حضرت سَعد بن مُعاذؓ کے فیصلہ پر یہ جنگ ختم ہوئی، اس میں چار سو سے زیادہ یہودی مارے گئے۔

● ہجرت کے چھٹے سال آپ ﷺ نے عمرہ کے لئے چودہ سو مسلمانوں کے ساتھ مکہ کا رُخ کیا، مکہ میں قدیم روایت کے مطابق عمرہ سے کسی کو روکا نہیں جاتا تھا؛ اس لئے مسلمان احرام باندھ کر مدینہ سے نکلے؛ تاکہ غلط فہمی پیدا نہ ہو، پھر بھی اہل مکہ کی طرف سے رکاوٹ پیدا کردی گئی، آپ ﷺ چوں کہ امن چاہتے تھے؛ اس لئے آپ ﷺ نے اہل مکہ کی شرطوں پر معاہدہ کرلیا،شرطیں یہ تھیں :

(۱) مسلمان اس سال واپس چلے جائیں۔

(۲) آئندہ سال صرف تین دنوں کے لئے آئیں اور عمرہ کرلیں، اس موقع پر ان کے پاس تلوار کے علاوہ کوئی اور ہتھیار نہ ہو۔

(۳) مکہ سے کوئی شخص مسلمان ہوکر مدینہ جائے تو اسے واپس کردیں،اور مدینہ سے کوئی شخص مرتد ہوکر مکہ آئے تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔

(۴) دس سال کے لئے دونوں فریق میں ناجنگ معاہدہ رہے گا،اور ایک دوسرے پر حملہ کرنے سے گریز کریں گے، نیز جو قبیلہ جس کا حلیف ہو، وہ اس معاہدہ میں شریک سمجھا جائے گا۔

چنانچہ بنوبکر اہل مکہ کے حلیف ہوئے اور بنوخُزاعہ مسلمانوں کے؛ چوں کہ یہ صلح حدیبیہ

نامی مقام پر ہوئی تھی؛ اس لئے اس کو "صلح حدیبیہ" کہا جاتا ہے، حدیبیہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کے ساتھ انیس دن قیام فرمایا، اس صلح کو قرآن مجید میں "فتح مبین" سے تعبیر کیا گیا ہے؛(۱) کیوں کہ اس صلح نے اہل مکہ اور عرب کے دوسرے قبائل میں دعوتِ اسلام کا راستہ کھول دیا، یہی وجہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چودہ سو صحابہؓ تھے اور صرف دو سال بعد فتح مکہ کے موقع سے دس ہزار صحابہؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔

● صلح حدیبیہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بادشاہوں اور مختلف قبائل کے سرداروں کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے، یہ خطوط نہ صرف عرب کے قرب و جوار کے حکمرانوں قیصر و کسریٰ، نجاشی وغیرہ تک پہنچے؛ بلکہ شاہ چین تک بھی آپ نے مکتوبِ دعوت بھیجا، اور ان کوششوں سے جزیرۃ العرب کے بہت سے قبائل نے اسلام قبول کیا، خود حبش کے بادشاہ نجاشی بھی مشرف بہ اسلام ہوئے۔

اس سلسلہ میں چھ خطوط کا عام طور پر سیرت کی کتابوں میں ذکر آیا ہے :

(۱) اَصْحَمَہ نجاشی (شاہ حبش)، سفیر: حضرت عَمرو بن اُمَیَّہ ضَمری ؓ۔

(۲) ہِرَقْل (قیصر روم)، سفیر: حضرت دِحیہ بن خلیفہ کلبی ؓ۔

(۳) خسرو پرویز (کسریٰ عجم)، سفیر: حضرت عبداللہ بن حُذافہؓ۔

(۴) جُرَیج بن مَتّیٰ مُقَوقِس (عزیز مصر)، سفیر: حضرت حاطب بن بَلْتِعَہ ؓ۔

(۵) حارث بن ابی شمر غسانی (شاہ دمشق)، سفیر: حضرت شجاع بن وہب اسدی ؓ۔

(۶) ھَوْذَۃُ بن علی حنفی (والیٔ یمامہ)، سفیر: حضرت سَلِیط بن عمرو عامری ؓ۔

یہ خطوط آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنہ چھ اور سات ہجری میں روانہ کئے۔

● مدینہ منورہ سے تقریباً چھیانوے میل کے فاصلے پر خیبر واقع تھا، اس شہر میں بہت سے قلعے قدیم زمانہ سے بنے ہوئے تھے، جن میں یہودیوں کے مختلف خاندان آباد تھے، جو یہودی مدینہ سے جلاوطن کئے گئے، ان میں سے بھی بہت سارے لوگ یہیں آکر مقیم ہو گئے،

(۱) سورۂ فتح: ۱۔

وہ مدینہ کے شمال مشرق میں واقع مشہور جنگجو قبیلہ 'بنو غطفان' کے ساتھ مل کر مدینہ پر حملہ کے لئے کوشاں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو دوبار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صورتِ حال کی تحقیق کے لئے نمائندے بھیجے، معلوم ہوا کہ خیبر کے یہود بنو غطفان اور دوسرے قبائل کے ساتھ مل کر بڑے حملہ کی تیاری کر رہے ہیں؛ چنانچہ حدیبیہ سے واپسی پر محرم سنہ سات ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چودہ سو صحابہؓ کے ساتھ خیبر کی طرف کوچ کیا، یہودی قلعہ بند ہو گئے، ایک ماہ ان کا محاصرہ جاری رہا، اس جنگ میں ترانوے یہودی ہلاک ہوئے اور پندرہ مسلمانوں کی شہادت ہوئی، آخر اس بات پر صلح ہوئی کہ خیبر یہودیوں کے قبضے میں چھوڑ دیا جائے گا اور وہ بطور خراج خیبر کی پیداوار کا نصف حصہ مدینہ کو ادا کیا کریں گے۔

● حدیبیہ میں طے پائے معاہدہ کے مطابق ذوقعدہ سنہ سات ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو ہزار صحابہؓ کے ساتھ عمرہ کے لئے روانہ ہوئے اور معاہدہ کی پوری پوری پاسداری کرتے ہوئے تین شب و روز کے بعد واپس ہوئے، اسی موقع سے اُم المؤمنین حضرت میمونہؓ بنت حارث سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح ہوا۔

● ہجرت کے آٹھویں سال ایک اہم واقعہ غزوہ مُؤتہ کا پیش آیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفیر حضرت حارث بن عُمَیر اَزدیؓ روم کے سرحدی علاقہ 'بَلْقاء' سے گذر رہے تھے کہ قیصر روم کے گورنر شُرَحْبیل عَمرو غَسّانی نے انھیں گرفتار کر کے شہید کر دیا، یہ بات واضح طور پر سفارتی آداب کے خلاف تھی؛ اس لئے آپ نے مسلمانوں کو شام کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا، بادشاہ روم ہرقل نے ایک لاکھ کی فوج مقابلہ کے لئے بھیجی، ان کے علاوہ مختلف عرب قبائل کے مزید ایک لاکھ لڑنے والے اُن کے ساتھ ہو گئے، مسلمانوں کی فوج صرف تین ہزار نفوس پر مشتمل تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بالترتیب حضرت زید بن حارثہؓ، حضرت جعفر بن ابی طالبؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو کمانڈر مقرر کیا کہ ان میں سے ایک شہید ہو جائے تو دوسرا اپنے ہاتھ میں کمان لے لے، اگر یہ تینوں شہید ہو جائیں تو جس پر لوگ متفق ہو جائیں، وہ مسلمانوں کا سپہ سالار ہوگا؛ چنانچہ یہ تینوں شہید ہو گئے، حضرت خالد بن ولیدؓ نے کمان سنبھالی اور وہ بڑی

حکمت کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے مسلمانوں کو باہر نکالنے میں کامیاب ہوگئے، اسی موقع سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں ''سیف اللہ'' کا خطاب دیا— اس جنگ میں بارہ مسلمان شہید ہوئے اور محض تین ہزار لشکر کے ذریعہ دو لاکھ کی فوج کا مقابلہ کرنے کی وجہ سے رومیوں پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی۔

● ادھر ایسا ہوا کہ بنوبَکرْ اور بنوخُزَاعَہْ کی پرانی خصومت جاگ اُٹھی اور دونوں کے درمیان جم کر لڑائی ہوئی، اس لڑائی میں اہل مکہ معاہدہ کے مطابق غیر جانب دار نہیں رہے؛ بلکہ انھوں نے کھل کر بنوبکر کے ساتھ مل کر اور عین حرم میں بنوخزاعہ کے لوگوں پر حملے کئے اور بعض کو قتل کردیا، بنوخزاعہ آپ اسے رُجوع ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ سے بچنا چاہتے تھے؛ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ اپنا سفیر بھیجا اور تین باتوں کی پیش کش کی: اہل مکہ یا تو بنوخزاعہ کے مقتولین کی دیت ادا کردیں، یا بنوبکر سے اپنا تعلق توڑلیں، یا پھر صلح حدیبیہ کی تنسیخ کا اعلان کریں، اہل مکہ نے کہا: ہمیں پہلی دو باتیں منظور نہیں، صرف تیسری صورت منظور ہے، اس طرح بنوخزاعہ کی حمایت میں مسلمانوں کو مکہ پر فوج کشی کرنی پڑی؛ چنانچہ ۸ھ میں دس ہزار صحابہؓ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ کی طرف بڑھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ سے بچنا چاہتے تھے؛ اس لئے ہر طرح کوشش کی کہ قتل وقتال کی نوبت نہ آئے، بالآخر پُرامن طریقہ پر مکہ فتح ہوگیا، کہیں کہیں اہل مکہ نے مزاحمت کی اور اس میں چند مشرکین مارے گئے، جن کی تعداد اکثر مؤرخین کے بقول تیرہ ہے، نیز دو مسلمان بھی شہید ہوئے، اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے تو اپنے تمام دشمنوں سے انتقام لے سکتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انتقام لینے میں حق بہ جانب بھی ہوتے؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یک قلم انھیں معاف کردیا، اور فرمایا کہ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو معاف کیا تھا، اسی طرح میں بھی تمہیں معاف کرتا ہوں، اب پھر کعبۃ اللہ میں ایک خدا کی عبادت ہونے لگی، جس کے لئے اس گھر کی تعمیر ہوئی تھی، مؤرخہ: ۱۰ رمضان ۸ھ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ کے لئے نکلے تھے، ۲۰ رمضان المبارک آٹھ ہجری مطابق ۱۱ جنوری ۶۳۰ء روز جمعہ کو مکہ میں داخل ہوئے، اور حنین و بنوثقیف کی مہم سے فارغ ہوکر ذوقعدہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ واپس ہوگئے۔

● فتح مکہ کے بعد غزوۂ حُنَین کا واقعہ پیش آیا، حُنَین مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام کا نام ہے، اور یہاں قبیلہ بنوہَوَازِن کے لوگ آباد تھے؛ اس لئے اس کو'غزوۂ ہَوَازِن' بھی کہا جاتا ہے، جب مکہ فتح ہوگیا تو بیشتر عرب قبائل نے خدمت اقدس میں حاضر ہوکر بیعت کر لی اور مسلمان ہو گئے؛ چوں کہ ان کا خیال تھا کہ حرم مقدس پر اسی کا قبضہ ہوسکتا ہے، جو حق پر ہو؛ لیکن بعض قبائل دائرۂ ایمان میں نہیں آئے، (ان میں بنو ہوازِن بھی تھے)، یہ قبیلہ تیر اندازی اور جنگ جوئی میں مشہور تھا، جب مکہ فتح ہوگیا تو ان کو خیال ہوا کہ چوں کہ ہم نے اسلام قبول نہیں کیا ہے؛ اس لئے مکہ کے بعد مسلمان ہم پر حملہ کریں گے؛ اس لئے انھوں نے اپنے طور پر جنگ کی تیاری شروع کردی، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ایک ساتھی عبداللہ ابن ابی خزرج کو حالات کا جائزہ لینے کے لئے بھیجا، وہ وہاں گئے اور چند دن بنو ہوازن کے لشکر میں رہ کر گھوم پھر کر جائزہ لیا اور تصدیق کی کہ وہ جنگ کی تیاری کررہے ہیں، اس پس منظر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش قدمی کرنی پڑی اور فتح مکہ کے انیس دن بعد چھ شوال سنہ آٹھ ہجری روز ہفتہ کو مسلمانوں کی فوج نے حنین کی طرف کوچ کیا، اس جنگ میں ابتداءً مسلمانوں کو ہزیمت ہوئی؛ لیکن پھر وہ سنبھل گئے اور بالآخر مسلمان فتح یاب ہوئے، جنگ میں دشمن کے ستر آدمی مارے گئے اور مسلمانوں میں چار شخص شہید ہوئے، بعض مؤرخین نے شہداء کی تعداد اس سے زیادہ بھی لکھی ہے۔

● رجب سنہ ۹ رہجری میں غزوہ تبوک کا واقعہ پیش آیا، اس غزوہ کا سبب یہ ہوا کہ شام کی رومی حکومت اور بعض عرب قبائل خاص کر عیسائیوں کی طرف سے مدینہ کے خلاف فوجی تیاری اور جنگی عزائم کی مسلسل اطلاع آرہی تھی، قیصر روم نے مسلمانوں کے خلاف جنگی مہم کے لئے اس غسانی قبیلہ کو متعین کیا، (جو شام کی سرحدی علاقہ میں حکومت کررہا تھا)، رومیوں کی تیاری اس قدر مشہور ہوگئی تھی کہ مدینہ میں جب مسلمان سوتے تھے تو تلوار ساتھ رکھتے تھے،(۱) شام کے قبطی تجار مدینہ آکر زیتون کا تیل فروخت کرتے تھے، انھوں نے بھی خبر دی کہ رومیوں نے بڑا

(۱) بخاری، کتاب التفسیر، باب تبتغی مرضات ازواج، حدیث نمبر: ۳۹۱۳۔

لشکر جمع کرلیا ہے اور فوج کا اگلا دستہ بلقاء (ایک مقام کا نام) تک پہنچ گیا ہے،(۱) ان حالات کے تحت یہ بات ضروری محسوس ہوئی کہ مسلمان خود آگے بڑھ کر اس صورت حال کو دیکھیں اور ضرورت ہو تو آگے بڑھ کر دشمن کی تیاری کو تباہ کردیں؛ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مہم کی تیاری کا اعلان فرمادیا، رجب سنہ ۹ ہجری کی ایک جمعرات کو ایک بڑی فوج لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نکلے، جس کی تعداد تیس سے ستر ہزار بتلائی گئی ہے، فوج میں دس ہزار گھوڑ سوار اور بارہ ہزار اونٹ سوار بھی تھے، بالآخر مدینہ سے چل کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبُوک میں مقیم ہوئے جو مدینہ سے کم و بیش سات سو کیلومیٹر پر واقع ہے، یہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیام کم سے کم بیس دن رہا، کئی قبائل کے لوگوں نے خود آ آ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت قبول کی اور بادشاہِ روم ہرقل اپنے پایۂ تخت حمص میں ہی مقیم رہا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رومیوں اور روم کے قریب آباد عرب نصرانیوں پر بھی مسلمانوں کی طاقت کا رعب بیٹھ گیا اور پھر انھیں مدینہ کی طرف غلط نظر سے دیکھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

● سنہ ۹ ہجری میں حج فرض ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو امیر اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنا نمائندہ بنا کر تین سو صحابہؓ کے ساتھ حج کے لئے روانہ فرمایا، جس میں حضرت علیؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اعلان کیا کہ آئندہ حج میں کسی مشرک کو شامل ہونے اور بے لباس بیت اللہ کا طواف کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔

● ہجرت کے نویں سال کو ''عام الوفود'' کہا جاتا ہے، یعنی اسلام کی دعوت اب عرب اور جزیرۃ العرب سے باہر جاچکی تھی اور مختلف قبائل کے وفود رضا کارانہ طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام قبول کرتے تھے، اور ان کی تربیت کی جاتی تھی؛ اسی لئے اس کو وفود کا سال کہا جاتا ہے، سیرت کی کتابوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سو سے زیادہ وفود کی حاضری کا ذکر ملتا ہے۔

● ہجرت کے دسویں سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کیا اور تمام مسلمانوں سے خواہش فرمائی کہ وہ بھی حج میں آپ کے ساتھ رہیں، یہی چوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری حج تھا اور عام صحابہؓ سے

(۱) شرح مواہب لدنیہ للزرقانی: ۳/۷۲۔

آخری ملاقات تھی، اس لئے اس کو "حجۃ الوداع" کہتے ہیں، حج کے موقع سے آپ نے مکہ، منیٰ اور عرفات میں کئی خطبات دیئے، یہ گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اُمت کے لئے وداعی خطاب تھا، خود عرفات کا خطبہ وہ یادگار خطبہ ہے جسے بنیادی انسانی حقوق کا چارٹ قرار دیا جاسکتا ہے، اس حج میں آپ کے ساتھ ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ کرامؓ تھے، اکثر مؤرخین نے ایک لاکھ ۲۴ ہزار کی تعداد لکھی ہے، بعض حضرات نے ایک لاکھ چوالیس ہزار تک بھی لکھی ہے۔

● ہجرت کے گیارہویں سال ۲۹ صفر، پیر سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علالت کا سلسلہ شروع ہوا، اس علالت میں کئی دنوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جماعت سے نماز ادا نہیں کر سکے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے امامت فرمائی، ۱۲/ ربیع الاول، پیر کے دن، دن چڑھتے ۶۳ سال کی عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی، آخری فقرہ جو آپ کی زبان مبارک سے نکلا، وہ تھا: "أنت الرفيق الأعلى" (اے اللہ! تو ہی بہترین ساتھی ہے) — تجہیز وتکفین منگل کے دن ہوئی، حضرت علیؓ کی تلقین پر لوگوں نے تنہا تنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نماز جنازہ پڑھی، چہار شنبہ کو نصف شب میں تدفین عمل میں آئی۔

● ● ●

پاک بیویاں اور اولاد

پیغمبر کی زندگی عام انسانوں کی زندگی سے مختلف ہوتی ہے، ان کا عمل نمونہ ہوتا ہے اور یہ بات ضروری ہوتی ہے کہ اس کی زندگی کا پورا ریکارڈ اُمت کے لئے محفوظ ہوجائے؛ اسی لئے انبیاء کو عام لوگوں کے مقابلہ میں زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت دی جاتی ہے، رسول اللہ نے بھی اس خصوصی حکم کے تحت گیارہ نکاح فرمائے، ان میں بعض نکاح ان لوگوں کی قربانی کا حق ادا کرنے کے لئے تھا، جنھوں نے اپنا سب کچھ اسلام کے لئے قربان کردیا تھا، جیسے: حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی حضرت عائشہؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ، بعض نکاح آپ ﷺ نے ان خواتین کی دل داری کے لئے فرمایا، جنھوں نے اسلام کے لئے اپنا سب کچھ قربان کردیا تھا، اور وہ بے سہارا ہوگئی تھیں، جیسے: حضرت اُم حَبیبہ بنت اَبی سُفیانؓ، جن کے والد مشرکین مکہ کے سردار تھے، بعض نکاح کا مقصد اس قبیلہ کے لوگوں کو اسلام سے مانوس کرنا اور دعوتِ حق کے قریب کرنا تھا، جیسے: حضرت جویریہؓ اور حضرت صفیہؓ، اسی طرح حضرت زَینب بنت جَحشؓ سے نکاح لے پالک کی قدیم رسم کو ختم کرنے کے لئے ہوا؛ کیوں کہ ان کے شوہر حضرت زید بن حارثہؓ آپ ﷺ کے لے پالک تصور کئے جاتے تھے، اور زمانہ جاہلیت میں لوگ لے پالک کو صلبی بیٹے کا درجہ دیتے ہوئے اس کی طلاق یافتہ بیوی سے نکاح کو حرام سمجھتے تھے، اسلام نے اس تصور کو ختم کیا اور کہا کہ گود لینے سے والد اور اولاد کا رشتہ قائم نہیں ہوجاتا؛ لیکن عرب میں یہ تصور جڑ پکڑے ہوا تھا کہ منھ بولا بیٹا بھی اپنا بیٹا ہے؛ اس لئے اللہ کی طرف سے آپ ﷺ کو حکم ہوا کہ آپ حضرت زیدؓ کی مطلَّقہ حضرت زینب سے نکاح فرمائیں؛ تاکہ آپ کے عملی نمونہ کے ذریعہ یہ جاہلانہ تصور ختم ہوجائے۔

بحیثیتِ مجموعی ان ازواج مطہرات کے ذریعہ دین کی نشر واشاعت میں بے حد مدد ملی،

تفسیر قرآن، روایتِ حدیث، احکام فقہیہ اور بالخصوص خواتین سے متعلق مسائل بیان کرنے میں حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت اُم سَلَمہؓ اور حضرت میمونہؓ وغیرہ سے اُمت کو جو نفع پہنچا، وہ کسی اور سے نہیں پہنچ سکتا تھا، ازواجِ مطہرات سے نکاح کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عمر کو دیکھنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ۵۴ سال کی عمر تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نکاح میں ایک ہی بیوی رہیں، حضرت خدیجہؓ اور حضرت سودہؓ، جو عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بڑی یا آپ کے برابر تھیں، باقی نکاح ۵۴ سے ۵۹ سال کے درمیان ہوئے، دوسرے: ان تمام ازواج میں صرف حضرت عائشہؓ کنواری تھیں، بقیہ خواتین بیوہ یا مُطلّقہ تھیں، اگر کوئی شخص اپنی نفسانی آسودگی کے لئے زیادہ شادیاں کرے تو عام طور پر ۳۰ سال کے اندر ایسی شادیاں کی جاتی ہیں اور خصوصیت سے کنواری لڑکیوں سے شادی کرنے کو ترجیح دی جاتی ہے، اس سے ان بدقماش مغربی مصنفین کی تردید ہوتی ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تعدد ازدواج کو — نعوذ باللہ — غلط معنی پہناتے ہیں۔

ذیل میں ازواجِ مُطہّرات کے نام، ان کی ولادت، وفات، سنہ نکاح اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ رفاقت کی مدت تحریر کی جاتی ہے:

نمبر شمار	اسمائے گرامی	ولادت	سنہ نکاح	اُم المومنین کی عمر بوقت نکاح/رخصتی	سنہ فات	حضورؐ کی خدمت میں رہنے کی مدت	حضورؐ کی عمر مبارک بوقت نکاح
۱-	حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ	۵۵۵ء	۱۵ سال قبل نبوۃ	۴۰ سال	۱۰ نبوی	۲۵ سال	۲۵ سال
۲-	حضرت سَوْدَہؓ	۵۷۰ء	۱۰ نبوی	۵۰ سال	۱۹ھ	۱۴ سال	۵۰ سال
۳-	حضرت عائشہ صدیقہؓ	۶۱۴ء	شوال ۱۰ نبوی	۹ سال	۵۷ھ	۹ سال	۵۴ سال
۴-	حضرت حفصہؓ	۶۰۵ء	شعبان ۴ھ	۲۲ سال	۵۱ھ	ساڑھے ۷ سال	۵۵ سال
۵-	حضرت زینب بنت خزیمہؓ	۵۹۵ء	صفر ۴ھ	۳۰ سال	۴ھ	۳ ماہ	۵۵ سال
۶-	حضرت اُم سلمہؓ	۶۰۲ء	۴ھ	۲۶ سال	۵۹ھ	۷ سال	۵۶ سال
۷-	حضرت زینب بنت جحشؓ	۵۹۲ء	۵ھ	۲۶ سال	۲۰ھ	۶ سال	۵۷ سال
۸-	حضرت جُوَیرِیہؓ	۶۰۸ء	شعبان ۵ھ	۲۰ سال	۵۶ھ	۶ سال	۵۷ سال
۹-	حضرت اُم حبیبہؓ	۶۰۳ء	۶ھ	۲۶ سال	۴۴ھ	۶ سال	۵۷ سال
۱۰-	حضرت صفیہؓ	۶۱۳ء	۷ھ	۱۷ سال	۵۰ھ	تقریباً ۴ سال	۵۹ سال
۱۱-	حضرت مَیمونہؓ	۵۹۴ء	۷ھ	۳۶ سال	۵۱ھ	سوا ۳ سال	۵۹ سال

آپ ﷺ کو چار صاحبزادیاں اور تین صاحبزادے ہوئے، صاحبزادوں کے نام یہ ہیں :

(۱) حضرت قاسمؓ۔
(۲) حضرت عبداللہؓ۔
(۳) حضرت ابراہیمؓ۔

صاحبزادیوں کے نام یہ ہیں :

(۱) حضرت زَینبؓ: ان کا نکاح حضرت ابوالعاصؓ سے ہوا۔
(۲) حضرت رُقیّہؓ: ان کا نکاح حضرت عثمان غنیؓ سے ہوا۔
(۳) حضرت اُمِ کُلثومؓ: حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد آپ ﷺ نے ان کو حضرت عثمانؓ کے نکاح میں دیا، اسی لئے حضرت عثمانؓ ’ذوالنورین‘ (دونور والے) سے ملقب ہوئے۔
(۴) حضرت فاطمۃ الزَہرَاءؓ: آپ کا نکاح حضرت علی مرتضیٰ کَرَّمَ اللہ تعالیٰ وجہہ سے ہوا اور آپ ہی سے حضور ﷺ کی نسل چلی۔

تینوں صاحبزادے بچپن ہی میں فوت ہو گئے، حضرت ابراہیمؓ کے سوا آپ ﷺ کی تمام اولاد حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بطن سے ہیں، حضرت ابراہیمؓ آپ ﷺ کی باندی حضرت مارِیَہ قِبطِیَّہؓ کے بطن سے پیدا ہوئے۔

• • •

دوسرا باب

پوری انسانیت کیلئے رہنما شخصیت

نبوت کی ضرورت

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی جو بستی بسائی ہے، وہ بڑی وسیع، خوبصورت اور متنوع ہے، ہزاروں مخلوقات ہیں اور ہر ایک دوسرے سے مختلف؛ بلکہ اپنی صلاحیتوں اور عادتوں کے اعتبار سے بالکل متضاد کیفیتوں کی حامل؛ لیکن وہ سب ایک مقررہ دستور کے مطابق اپنی ڈیوٹی انجام دیتے ہیں، سورج کو معلوم ہے کہ اسے مشرق سے نکلنا ہے اور مغرب کی سمت میں ڈوبنا ہے، سمندر ہزاروں سال سے اپنے دائرہ میں مسلسل بہہ رہا ہے اور اپنی تلاطم خیز موجوں کے ساتھ کروٹیں لیتا رہتا ہے، وہ فضا کو بادل کی سوغات دیتا ہے اور دن رات زمین کی آلائشوں کو تحلیل کرنے میں لگا ہوا ہے، جمادات و نباتات ہی نہیں، حیوانات کا بھی یہی حال ہے، ان کا کھانا پینا، لڑنا جھگڑنا، اپنی غذاؤں کو تلاش کرنا، حملہ کرنا اور مدافعت کرنا ہم اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں؛ لیکن قدرت نے ان کو بھی ان کی زندگی کا دستور پڑھا اور سمجھا دیا ہے، گائے اور بکری گھاس اور درخت کے پتے کھاتی ہے، شیر اور باز زندہ جانوروں کا شکار کرتا ہے، چیل مردار کی تلاش میں چپہ چپہ چھانتا پھرتا ہے، بعض جانور ہیں جو چارہ بھی کھاتے ہیں اور اپنے سے چھوٹے جانوروں کو بھی ہضم کر جاتے ہیں، پرندوں کو اپنا گھونسلہ بنانا اور چوہوں کو اپنا سرنگ نما مکان بنانا معلوم ہے، مکڑے جالے بنتے ہیں اور شہد کھیاں اپنا چھتہ تیار کرتی ہیں، جس میں اتنے کمرے ہوتے ہیں کہ شاید بادشاہوں کے محلات میں بھی نہ رہتے ہوں، یہ سب اللہ کی رہنمائی اور ہدایت کا نتیجہ ہے، اسی کو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ''رَبُّنَا الَّذِیۡۤ اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَهٗ ثُمَّ هَدٰی'' (۱) یعنی یہ رب کائنات کا کمال ہے کہ اس نے ہر چیز کو صورت بھی بخشی اور اسے زندگی گذارنے کے بارے میں راہ بھی سجھائی اور سلیقہ بھی سکھایا۔

(۱) سورۂ طٰہٰ: ۵۰۔

اور یہ کچھ جانوروں ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، حضرت انسان کے وجود میں بھی ہدایت ربانی کے اس تکوینی نظام کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے، بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے اور ماں کی چھاتی کی طرف لپکتا اور اس سے دُودھ پیتا ہے، آخر اس شیر خوار بچے کو کس نے بتایا کہ تمہاری غذا ماں کے سینہ میں ہے؟ اور پھر اس غذا کو ماں کے سینہ سے کشید کرنے کا سلیقہ کس نے سکھایا؟ ماں باپ کی ذرا سی بے توجہی ہوتو بچہ کا رونا اور لاڈ و پیار پر مسکرانا بھی اسی ہدایت ربانی کا مظہر ہے، اس بے زبان اور بے شعور بچہ کو کس نے سکھایا کہ دُکھ اور درد کا اظہار روکر اور خوشی کا اظہار ہنس کر اور مسکرا کر کیا جاتا ہے؟

تو جب خدا نے ہر چیز کو ایک مقصد کے لئے پیدا کیا ہے اور اسے دنیا میں رہنے سہنے کا طریقہ بتادیا ہے، تو کیا انسان کو اپنی زندگی بسر کرنے کے لئے کسی طریقہ اور نظام کی ضرورت نہ ہوگی؟ یقیناً ہوگی، بلکہ زیادہ ہوگی؛ کیوں کہ انسان ایک حد تک بااختیار مخلوق ہے اور عقل وفہم کی نعمت نے اس کی نیکی اور بدی کے دائرہ کو بہت وسیع کردیا ہے، شیر ایک وقت میں ایک ہی انسان یا حیوان کو شکار بناتا ہے، سانپ ایک بار ڈس کر ایک وجود کو فنا کرسکتا ہے؛ لیکن انسان کا حال یہ ہے کہ وہ ایک ایٹم بم کے ذریعہ بیک وقت ایک پورے خطہ کو تباہ و برباد کرسکتا ہے اور بیک جنبش پلک لاکھوں انسانوں کی جان لے سکتا ہے، اس لئے ظاہر ہے کہ وہ سب سے زیادہ اس بات کا محتاج ہے کہ جینے اور مرنے کا سلیقہ سیکھے اور زندگی گذارنے کا طور وطریق جانے؛ لیکن سوال یہ ہے کہ انسان کو زندگی گذارنے کا طریقہ کون بتائے؟ غور کیا جائے تو ایک سیدھی سادھی اور دیکھی جانی حقیقت یہ ہے کہ جو شخص کسی مشین کو بناتا اور کسی شئے کو ایجاد کرتا ہے، وہی اس کی ضروریات سے آگاہ بھی ہوتا ہے اور اس کے لئے مناسب وغیر مناسب اور درست و نادرست طریقۂ استعمال کے صحیح فیصلے بھی کرسکتا ہے؛ اس لئے جب اللہ تعالیٰ انسان کے خالق ورب ہیں، اسی نے ہمیں پیدا کیا ہے اور اسی کے اشارۂ وحکم سے ہم اس کائنات میں زندہ ہیں تو ضرور ہے کہ وہی ہمیں زندگی کے طور وطریق بھی سمجھائے اور یقیناً اسی کا دیا ہوا نظام حیات ہمارے لئے مفید ہوسکتا ہے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ''۔(۱)

---

(۱) الاعراف: ۵۴۔

دنیا میں بھی آپ جب کسی کمپنی سے کوئی بڑی مشین حاصل کرتے ہیں تو وہ ایک طرف اس مشین کی تفصیلات پر مشتمل کتابچہ آپ کے حوالہ کرتی ہے اور ساتھ ساتھ اپنے ایک انجینئر کو بھی آپ کی مدد کے لئے بھیجتی ہے کہ کتاب میں جو نظریہ بیان کیا گیا ہے، یہ انجینئر اور ماہر کاریگر اس کو عملی طور پر برت کر دکھائے اور محسوس طریقہ پر سمجھائے، کسی تمثیل کے بغیر یہی صورت آسمانی کتاب اور انبیاء کی ہے، اللہ تعالیٰ کی کتابیں نظام حیات کی رہنمائی کرتی ہیں کہ انسان کو اس دنیا میں اپنی صلاحیتیں کس طرح استعمال کرنی چاہئیں؟ اور پیغمبر کی زندگی اس کی عملی صورت گری ہے، گویا پیغمبر کتابِ الٰہی کی شرح اور اس کا بیان ہوتا ہے، ایک ایک حرف جو اس کی زبان سے نکلے، ایک ایک عمل جو اس کے اعضاء و جوارح سے صادر ہو اور ایک ایک اختیاری کیفیت جو اس پر طاری ہو، منشاءِ ربانی کا اظہار اور انسانیت کے لئے اُسوہ و نمونہ ہے؛ اسی لئے فرمایا گیا کہ جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی: ''مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ''۔(۱)

گویا نبوت محض قلب و ذہن کی تسلی کا سامان اور آخرت کی فلاح و نجات ہی کا ذریعہ نہیں ہے؛ بلکہ یہ سب سے بڑی انسانی ضرورت ہے، جیسے وہ اپنے پیٹ کے لئے غذا کا، تن ڈھکنے کے لئے لباس و پوشاک کا، علاج کے لئے دوا کا اور اپنی مدافعت اور حفاظت کے لئے اسلحہ اور ہتھیار کا محتاج ہے، اس سے بڑھ کر وہ انبیاء اور انبیاء کی تعلیمات کا محتاج ہے؛ کیوں کہ انبیاء کی تعلیمات اس کے پورے وجود کے لئے غذا ہیں، وہ ذہن و دماغ کو بتاتی ہیں کہ انھیں کیا سوچنا چاہئے؟ وہ آنکھوں کی رہنمائی کرتی ہیں کہ انھیں کیا دیکھنا اور کیا نہ دیکھنا چاہئے؟ وہ زبان کو ہدایت دیتی ہیں کہ اللہ کی اس عظیم نعمت کا استعمال کن مقاصد کے لئے کیا جائے اور کن مفاسد سے بچا جائے؟ وہ ہاتھوں سے کہتی ہیں کہ یہ ظلم اور ظالموں کے خلاف اُٹھے نہ کہ مظلوموں اور کمزوروں کے خلاف، وہ پاؤں کو بتاتی ہیں کہ اسے نیکی اور حق کی راہ میں چلنا چاہئے نہ کہ باطل اور برائی کے راستہ میں، اور اس کی چال تواضع و انکسار اور عجز و فروتنی کی ہونی چاہئے نہ کہ کبر و افتخار اور غرور و استکبار کی۔

(۱) النساء:۸۰۔

پیشوایانِ مذاہب کے درمیان حیاتِ محمدی ﷺ کے امتیازات

اب سوال یہ ہے کہ کونسی شخصیت انسانیت کے لئے نمونہ اور آئیڈیل بن سکتی ہے؟ تو مذاہب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیا میں شروع ہی سے اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں اور کتابوں کو بھیجتے رہے ہیں، قرآن مجید کے بیان کے مطابق کوئی قوم ایسی نہیں گذری، جس میں اللہ تعالیٰ کے رسول نہیں آئے ہوں: ''وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ''(۱) اور خود ان کی زبان میں اللہ کی کتاب نہ اُتاری گئی ہو: ''وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ ''(۲) نبوت کا یہ سلسلہ محمد ﷺ پر پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا، دین وعقیدہ تو ہمیشہ ایک ہی رہا ہے، جس کی بنیاد توحید، رسالت اور آخرت کا تصور ہے؛ لیکن انسانی ضرورتوں اور تمدنی ترقیوں کے لحاظ سے زندگی گذارنے کے قانون میں خالق کائنات کی طرف سے تھوڑی بہت تبدیلی کی جاتی رہی ہے، اسی قانون کو 'شریعت' کہتے ہیں۔

اس لئے اب پیغمبر اسلام ﷺ کی شخصیت ہی قیامت تک کے لئے اور پوری انسانیت کے لئے کامل نمونہ اور مکمل رہنما ہے، یہ محض خوش گمانی نہیں ہے؛ بلکہ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس پر تاریخ کی شہادت موجود ہے؛ کیوں کہ پوری انسانیت کے لئے وہی شخصیت نمونہ بن سکتی ہے، جس میں کم سے کم چار باتیں پائی جائیں، اول: یہ کہ اس کی سیرت تاریخی طور پر محفوظ ہو اور ایسے مستند اور معتبر ذریعوں سے ہم تک پہنچی ہو، جن پر ہم اعتماد کرسکیں، دوسرے: اس کا پیغام اور اس کا عطا کیا ہوا دستورِ زندگی تمام انسانیت کے لئے ہو، کسی مخصوص علاقہ یا نسل کے لوگوں کے لئے نہ ہو، تیسرے: اس کی سیرت زندگی کے ہر گوشہ کے لئے رہنمائی کرتی ہو اور اس کو اپنا رہنما تسلیم کرنے کے بعد انسان اپنی زندگی میں کہیں کوئی خلا نہیں پائے، چوتھے: اس کی زندگی انسانیت کے لئے قابل اتباع بن سکتی ہو اور اس کی پیروی انسانی طاقت سے باہر نہیں ہو۔

تاریخی تحفظ

اب تاریخی تحفظ کے اعتبار سے پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت دیکھئے کہ آپ ﷺ کی

(۱) فاطر:۲۴۔ (۲) ابراہیم:۴۔

سیرت کے دو بنیادی ماٰخذ ہیں: کتاب اللہ اور سنت رسول، قرآن مجید کا حال یہ ہے کہ وہ نہ صرف اپنے الفاظ؛ بلکہ اپنے رسم الخط اور لب ولہجہ کے ساتھ آج تک محفوظ ہے، آپ نے اپنی زندگی ہی میں خود اپنی نگرانی میں اس کی کتابت کرائی، (۱) سورتوں اور آیتوں کی ترتیب قائم کی، (۲) پھر آپ ﷺ کی وفات کے بعد ایک سال بھی نہ گذر پایا تھا کہ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے صحابہ سے نوشتے حاصل کر کے اس کو یکجا کیا اور لب ولہجہ کا جو ہلکا سا اختلاف تھا، اسے حضرت عثمان غنیؓ نے ختم کر کے اپنے عہدِ خلافت میں تمام لوگوں کو ایک ہی لہجہ پر متفق کر دیا، (۳) —— وہ اس وقت سے آج تک ہر دور میں ہزاروں لاکھوں سینوں میں من وعن محفوظ ہے اور قرأت میں کہیں کوئی ایسا اختلاف نہیں ہے، جس کو معنی میں تغیر کی حد تک اختلاف کہا جا سکے۔

دوسرا ماخذ ''حدیث'' ہے، احادیث تمام کی تمام آپ ﷺ کے صحابہ سے مروی ہیں، اس کے ایک قابل لحاظ حصہ کی کتابت خود آپ کے عہد میں ہو چکی تھی، آپ ﷺ کی وفات کے صرف سو سال بعد ہی احادیث کے بڑے بڑے مجموعے مرتب ہو گئے، ہر حدیث کی سند محفوظ ہے اور کتابوں میں درج ہے، سند میں آنے والے تمام راویوں کے حالات بھی محفوظ ہیں، انھیں دیکھ کر آج بھی فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ کس حد تک مستند یا غیر مستند ہیں؟

تاریخی طور پر ایسا تحفظ کسی اور مذہبی پیشوا کے حصہ میں نہ آ سکا، اب ظاہر ہے کہ تاریخی استناد اور تحفظ کے لحاظ سے ہمارے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ آپ ہی کی ذات گرامی کی طرف رُجوع کریں۔

پوری انسانیت سے خطاب

دوسرے: کسی مذہب کے عالمگیر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ پوری انسانیت کو

(۱) الاتقان فی علوم القرآن: ۱/ ۶۴۔

(۲) روح المعانی: ۱/ ۲۶۔

(۳) مباحث فی علوم القرآن لمناع القطان: ۱۳۳۔

مخاطب کرتا ہو اور وہ ان کو ایک نظر سے دیکھتا ہو، اس نقطۂ نظر سے پیغمبر اسلام کو دیکھئے کہ قرآن نے صاف اعلان کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام انسانیت کی طرف بھیجا گیا ہے: ''وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ''(۱) نیز قرآن مجید کو تمام انسانوں کے لئے ہدایت کا پیغام قرار دیا گیا ہے، (۲) بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پورے عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے: ''وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ''۔(۳)

اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ نبوت میں حبش کے بلال بھی ہیں، روم کے صہیب بھی، فارس کے سلمان بھی ہیں، بنی اسرائیل کے عبداللہ بن سلام بھی اور یمن کے ابو ہریرہ بھی، (رضی اللہ عنہم) اس دربار میں نہ رنگ کی بنیاد پر کوئی تفریق ہے نہ نسل کی بنیاد پر، نہ علاقہ کی بنیاد پر کوئی امتیاز ہے، نہ زبان کی بنیاد پر، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تصور ہی کو رد فرمایا کہ انسان پیدائشی طور پر اونچا اور نیچا ہوتا ہے۔

پوری زندگی میں رہنمائی

پوری انسانیت کے لئے اُسوہ ہونے کی تیسری بنیادی شرط یہ ہے کہ اس کی سیرت میں زندگی کے تمام گوشوں کے لئے رہنمائی موجود ہو، اس کا بہترین نمونہ اگر کہیں مل سکتا ہے تو وہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت ہے، انسان خلوت میں ہو یا جلوت میں، بزرگوں کے ساتھ ہو یا عزیزوں کے ساتھ، بزم میں ہو یا رزم میں، دشمنوں کا سامنا ہو یا دوستوں کا، عدالت کی کرسی پر ہو یا خود مقدمہ کا فریق ہو، تخت اقتدار پر ہو یا کسی کے اقتدار کے تحت، استاذ ہو یا طالب علم، تجارت و کاروبار میں ہو یا اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز میں، رنج و اَلم کی شام ہو یا مسرت و شادمانی کی صبح، فتح سے ہمکنار ہو یا شکست سے دوچار، اولاد ہو یا ماں باپ، شوہر و بیوی ہو یا بھائی بہن، مریض ہو یا معالج، تیمار دار ہو یا خود تیمار داری کا محتاج، سرمایہ دار اور آجر ہو یا مزدور و اجیر، قرض دہندہ ہو یا مقروض، دولت مند ہو یا غریب، جوان ہو یا بوڑھا، سفر میں ہو یا حضر میں،

(۱) سبا:۲۸۔ (۳) البقرۃ:۱۸۵۔ (۳) الانبیاء:۱۰۷۔

عالم ہو یا جاہل، خدا کی توفیق سے نیک عمل اس نے کئے ہوں یا اس کا دامن عمل گناہ سے آلودہ ہو، غرض ہر موقعہ پر اور ہر حالت وکیفیت میں اس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عملی نمونہ یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات اس کی رہنمائی کرتے ہیں۔

بشری نمونہ

اب چوتھے نکتہ پر غور کیجئے، یہ بات اہم ہے کہ نبی فرشتہ یا دیوتا یا کسی دیوتا کا اُوتار نہیں ہوتا؛ بلکہ وہ ایک انسان ہوتا ہے؛ کیوں کہ انسان مافوق العادت ہستی کو اپنے لئے اُسوہ نہیں بنا سکتا، انسان کے لئے وہی شخصیت نمونہ بن سکتی ہے، جس کو انسانی ضرورتیں پیش آتی ہوں اور جو انسان کو پیش آنے والے عوارض سے دوچار ہوتا ہو؛ تاکہ زندگی میں پیش آنے والے تمام رسائل کے لئے وہ اس کی شخصیت کو آئینہ بنائے، بعض مذاہب میں اَوتار کا تصور ہے، یعنی خدا خود کسی شکل میں دنیا میں آجاتا ہے، وہ فضا میں اُڑتا ہے، اپنی قدرت سے مردہ کو زندہ کردیتا ہے، اپنے ایک ہاتھ پر پورے پہاڑ کو اُٹھالیتا ہے، انسانی جسم کے ساتھ جانور کے اعضاء کو جوڑ دیتا ہے وغیرہ وغیرہ، ظاہر ہے کہ انسان کے لئے ایسی شخصیتیں نمونہ نہیں ہوسکتیں۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت میں ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کو بھوک بھی لگتی ہے، آپ بیمار بھی ہوتے ہیں، فتح پانے کے ساتھ ساتھ شکست سے دوچار بھی ہوتے ہیں، بیویاں ہیں، بال بچے ہیں، بھول چوک بھی ہوتی ہے، غرض کہ انسان کو جو کچھ پیش آتا ہے، وہ سب آپ کو بھی پیش آیا ہے، اہل مکہ کو یہی اعتراض تھا کہ آپ تو ہمارے ہی طرح چلتے پھرتے ہیں، کھاتے پیتے ہیں، آپ نبی کیسے ہوسکتے ہیں؟(۱) قرآن مجید نے آپ کی زبان سے ان کو جواب دلوایا کہ میں نے تو کسی اور مخلوق ہونے کا دعویٰ نہیں کیا ہے، میں تو خود اعتراف کرتا ہوں کہ میں تمہاری ہی طرح ایک انسان ہوں، فرق یہ ہے کہ مجھ پر اللہ کی وحی نازل ہوتی ہے: ''اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَيَّ''(۲) اس لئے آپ ہی کی شخصیت انسانیت کے لئے نمونہ عمل ہوسکتی ہے۔

• • •

(۱) الفرقان:۷۔ (۲) حم السجدۃ:۶۔

انقلابی تعلیمات

قرآن مجید نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام عالم کے لئے رحمت قرار دیا ہے: ''وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ''(۱) اس میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انقلاب انگیز تعلیمات پوری انسانیت کے لئے نفع اور خیر وفلاح کی ضامن ہیں، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انقلابی شخصیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن نے کہا ہے کہ آپ کے ذریعہ آئے ہوئے دین کو اللہ تعالیٰ غلبہ عطا کریں گے: ''لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ''(۲) یہ صرف دعویٰ نہیں ہے؛ بلکہ ایک تاریخی حقیقت ہے، آپ کے ذریعہ دنیا میں جو فکری انقلاب آیا اور اس کے نتیجہ میں ترقی اور انصاف کے راستے کھلے، وہ پیغام محمدی کے غلبہ کی واضح مثال ہیں، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس صالح انقلاب سے دنیا کو بہرہ ور کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت بافیض نے ذرہ کو آفتاب بنادیا، اکبر الٰہ آبادی نے اس کا خوب نقشہ کھینچا ہے :

دُرفشانی نے تری، قطروں کو دریا کردیا　　دل کو روشن کردیا، آنکھوں کو بینا کردیا
خود نہ تھے جو راہ پر، اوروں کے ہادی بن گئے　　کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کردیا!

وحدتِ اِلٰہ

یوں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ زندگی کے ہر شعبہ میں دُوررس تبدیلیاں آئیں؛ لیکن ان میں سے چند پہلوؤں کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے، ان میں پہلی بات یہ ہے کہ آپ نے انسانیت کو 'وحدتِ اِلٰہ' کا تصور دیا، خدا کو ایک ماننا بظاہر ایک سادہ سی بات معلوم ہوتی ہے؛ لیکن بمقابلہ الحاد وانکار اور شرک ومخلوق پرستی کے یہ ایک انقلابی عقیدہ ہے، خدا کا انکار انسان کو غیر ذمہ دار، گناہوں کے بارے میں جری اور مادہ پرست بنادیتا ہے؛ کیوں کہ اسے جواب دہی کا کوئی خوف نہیں ہوتا، دنیا اس کے لئے محض عشرت کدۂ حیات ہوتی ہے، اور وہ خدا کی

(۱) الانبیاء:۱۰۷۔　　(۲) التوبۃ:۳۳۔

بندگی سے آزاد اور لذت وعیش کا غلام بن جاتا ہے، اللہ کے ایک ہونے کے تصور سے انسانیت کی تکریم اور اس کا اعزاز متعلق ہے، یہ اس بات کا اعلان ہے کہ اس کی پیشانی غیر اللہ کے سامنے جھکنے سے ماوراء ہے اور خدا نے اس کو پوری کائنات پر فضیلت بخشی ہے، عقیدۂ توحید نے انسانیت کو اوہام پرستی سے نجات دلایا؛ کیوں کہ توحید پر ایمان رکھنے والا اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ مخلوق اسے نفع ونقصان پہنچانے سے عاجز ہے، توحید کا عقیدہ انسان کے اندر خدا کی محبت اور خدا کا خوف پیدا کرتا ہے اور یہی خشیت اور خدا کو راضی کرنے کا جذبہ، فرائض کی ادائے گی کا احساس پیدا کرتی ہے اور وہ دنیا کو عشرت کدہ سمجھنے کے بجائے امتحان گاہ سمجھ کر پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہے؛ اس لئے توحید کا عقیدہ انسانیت کے لئے بہت بڑی نعمت اور سامان رحمت ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ انسانیت کو حاصل ہوا ہے۔

گو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے بھی انبیاء نے توحید کی تعلیم دی اور بہت سے مصلحین نے بھی شرک کی تردید وانکار کا فریضہ انجام دیا؛ لیکن حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت تک ہمیشہ انسانیت پر مشرکانہ فکر کا غلبہ رہا، یہاں تک کہ جو مذاہب توحید کا علم لے کر اُٹھے تھے، وہ خود بھی شرک کے رنگ میں رنگ گئے، عیسائیوں نے حضرت مسیح کی اُلوہیت کو اپنے عقیدہ کا بنیادی جزو بنالیا، ہندو مذہب میں بھی توحید کا عنصر موجود ہے، مگر انھوں نے لاتعداد خدا تخلیق کر لئے، بودھ مذہب کی بنیاد مذہب کے شارحین کے خیال کے مطابق خدا کے انکار پر ہے؛ لیکن بودھ مذہب کے متبعین نے خود بودھ جی کی پرستش شروع کر دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توحید کی فکر کو اس طرح غالب فرمایا کہ وہ قیامت تک کے لئے ایک غالب فکر بن گئی، یہاں تک کہ جن مذاہب کی اساس شرک پر تھی، ان میں بھی ایسی تحریکات اُٹھیں، جو توحید کی داعی تھیں، جیسے ہندو بھائیوں کے یہاں آریہ سماجی، برہمو سماجی وغیرہ اور عیسائیوں کے یہاں پروٹسٹنٹ اور بعض دیگر فرقے جو حضرت عیسیٰ کے اللہ یا ابن اللہ ہونے کا انکار کرتے ہیں۔

انسانی وحدت

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوسری اہم تعلیم ''انسانی وحدت'' کا تصور ہے، آپ کی بعثت سے پہلے

قریب قریب دنیا کی تمام تہذیبوں اور مذاہب میں انسان اور انسان کے درمیان فرق کرنے اور کچھ لوگوں کے پیدائشی طور پر معزز اور کچھ لوگوں کے حقیر ہونے کا تصور موجود تھا، یہودی اسرائیلی اور غیر اسرائیلی میں امتیاز کرتے تھے اور جو لوگ حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل سے ہوں، ان کو پیدائشی طور پر افضل و برتر جانتے تھے اور آج بھی ان کا یہی تصور ہے، ایران کے لوگوں کا خیال تھا کہ جو لوگ بادشاہ کی نسل سے ہوں، وہ خدا کے خاص اور مقرب بندے ہیں؛ بلکہ خدا کا کنبہ ہیں، ہندوستان کا حال تو شاید سب سے خراب تھا کہ انسانیت کو مستقل طور پر چار طبقوں میں تقسیم کردیا گیا تھا، کچھ لوگوں کے بارے میں تصور تھا کہ وہ خدا کے سر سے پیدا کئے گئے ہیں، کچھ لوگ خدا کے بازو سے، کچھ کی پیدائش خدا کے ران سے ہوئی ہے اور کچھ کی پاؤں سے، یہ برہمن، ویش، کھتری اور شودر کہلاتے تھے، شودر اتنا بدقسمت گروہ تھا کہ تاریخ عالم میں شاید ہی ایسی اجتماعی اور قومی مظلومیت کی مثال مل سکے، ان پر تعلیم کا دروازہ بند تھا، ان کے لئے کچھ ذلیل سمجھے جانے والے پیشے مخصوص تھے اور وہ اونچی ذاتوں کے پیدائشی غلام سمجھے جاتے تھے، کم و بیش یہی حال دنیا کے مختلف علاقوں اور مختلف قوموں میں تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان حالات میں انسانی وحدت کا تصور پیش کیا اور پیدائشی طور پر افضل و برتر اور حقیر و کہتر ہونے کے تصور کو رد فرمادیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صاف اعلان کیا کہ کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی گورے کو کسی کالے پر محض رنگ و نسل کی وجہ سے کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے؛ بلکہ فضیلت کا معیار انسان کا تقویٰ اور اس کا عمل ہے، اس اعلان نے عرب کے معزز قبائل اور حبش و روم کے بلالؓ و صہیبؓ کو ایک صف میں کھڑا کردیا؛ بلکہ یہ عجمی نژاد غلام جو کبھی حقارت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، زعماء عرب کے لئے وجہ رشک بن گئے اور حضرت عمر فاروقؓ جیسے فرمانروا بھی انھیں ''سردار'' کے لفظ سے مخاطب کیا کرتے تھے، یہ آپ ہی کی تعلیمات کا نتیجہ ہے کہ اسلام کے پھیلنے کے ساتھ ہی تفریق و امتیاز کی زنجیریں کٹنے لگیں، انسانی مساوات کے نعرے ہر سو بلند ہوئے اور دنیا کی مظلوم و مقہور قوموں کو پیدائشی غلامی سے آزادی نصیب ہوئی، اگر کہیں کسی انسانی گروہ نے اپنی شقاوت اور جور و جفا سے اس ظلم کے

سلسلہ کو جاری بھی رکھا، تو ان کو ہر طرف سے طعن و تشنیع کے الزام سننے پڑے اور مظلوموں کو ان کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کا موقع فراہم ہوا، یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت عامہ کا ایسا پہلو ہے کہ کوئی صاحب بصیرت اُسے نظر انداز نہیں کرسکتا۔

اس وحدت انسانی کے تصور نے زندگی کے تمام شعبوں پر اپنا اثر ڈالا، تمام لوگوں کے لئے ہر طرح کے پیشہ کا دروازہ کھل گیا اور پیشوں کی تحقیر و تذلیل کا تصور ختم ہوا، علم کی روشنی عام ہوئی اور ہر ایک کے لئے تعلیم کا دروازہ کھلا، سماجی زندگی میں ہر ایک کے لئے باعزت طریقہ پر زندگی بسر کرنے کا موقع فراہم ہوا، جرم و سزا کے باب میں انصاف کا قائم کرنا ممکن ہوا، اور ہر ایک کے لئے اپنی تہذیب اور اپنی روایات کا تحفظ ممکن ہوسکا۔

اس انسانی وحدت کے تصور نے ایک نمایاں اثر سیاسی نظام پر بھی ڈالا، اسلام سے پہلے پوری دنیا کے سیاسی اُفق پر ملوکیت کا تصور چھایا ہوا تھا اور اس کے مقابلہ میں کوئی اور نظام سیاست عملاً موجود نہیں تھا، ظہور اسلام کے وقت جتنی معلوم طاقتیں تھیں، وہ سب ملوکیت کی نمائندہ تھیں، روم میں بادشاہت تھی، ایران میں بادشاہت تھی، حبش میں بادشاہت تھی، یمن میں بادشاہت تھی، ہندو چین کے علاقوں میں بھی چھوٹے بڑے راجا تھے، غرض پوری دنیا بادشاہت کے آمرانہ نظام اور پنجۂ استبداد کے تحت تھی، یہاں تک کہ یونان کے فلاسفہ نے جس جمہوریت کا نقشہ پیش کیا تھا، اس میں بھی ''اَشراف'' کی حکومت کا تصور تھا اور اقتدار میں عام لوگوں کی شرکت کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

اسلام نے انسانی وحدت اور مساوات کا جو تصور پیش کیا، اس نے خاندانی بنیاد پر حکومت و اقتدار کے ارتکاز اور فرمانروائی کے تصور کو پاش پاش کردیا اور جمہوریت کے تصور نے غلبہ حاصل کرلیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عملی طور پر بھی اس کی مثال قائم فرمائی، متعدد بار جب آپ مدینہ سے باہر تشریف لے گئے تو حضرت عبداللہ بن اُم مکتومؓ کو یہاں کا عارضی گورنر بنایا، جس فوج میں قریش کے معزز سردار تھے، ان پر آپ نے ایک آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہؓ کو سپہ سالار بنایا؛ چنانچہ آج صورت حال یہ ہے کہ پوری دنیا میں جمہوری نظام قائم ہے، جو اسلام کے تصور خلافت سے مستعار اور اپنی بعض خامیوں کے باوجود انسانی وحدت و مساوات کا

علمبردار ہے، یہاں تک کہ آج یا تو بادشاہت کا وجود ہی نہیں ہے، یا ہے تو محض دستوری اور علامتی بادشاہت ہے، اور اگر کہیں جبراً آمرانہ ملوکیت باقی ہے تو وہ پوری دنیا کی نگاہ میں قابل تحقیر اور لائق ملامت ہے۔

علم کی حوصلہ افزائی

تعلیماتِ محمدی کا تیسرا اہم پہلو علم کی حوصلہ افزائی ہے، آپ جس سماج میں تشریف لائے، وہاں لوگ اس بات کو سرمایۂ افتخار سمجھتے تھے کہ وہ پڑھنا لکھنا نہیں جانتے، وہ بہت ہی فخر کے ساتھ اپنے ''اُمّی'' ہونے کی بات کہتے تھے، آپ ﷺ نے تعلیم و تعلم کی حوصلہ افزائی کی اور علم کو بلا امتیاز و تفریق ہر طبقہ کے لئے عام فرمایا، پھر آپ نے علم کے معاملہ میں دین و دنیا کی کوئی تقسیم نہیں کی ؛ بلکہ ہر وہ علم جو انسانیت کے لئے نفع بخش ہو، خدا سے اس کی دُعاء کی اور فرمایا کہ علم وحکمت کی جو بات جہاں سے مل جائے، اس کی طرف اسی طرح لپکنا چاہئے، جیسے انسان اپنی گم شدہ چیز کے لئے لپکتا ہے: ''الحکمة ضالة المؤمن'' (۱) آپ ﷺ نے مسلمان بچوں کو بدر کے غیر مسلم قیدیوں سے تعلیم دلائی اور مدینہ میں یہودیوں کی درس گاہ ''بیت المدراس'' میں تشریف لے گئے، جس سے علم کے معاملہ میں آپ کی فراخ قلبی اور کشادہ چشمی کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس سے نہ صرف یہ کہ علم کا دور دورہ ہوا؛ بلکہ غیر سائنٹفک فکر کی جگہ سائنٹفک فکر کا غلبہ ہوا، اور توہمات کی زنجیریں کٹ گئیں، شرک میں چوں کہ مخلوقات کو معبود کا درجہ دیا جاتا ہے اور جو معبود ہو، اس کی عظمت اور اس کا احترام تحقیق و تجسس میں مانع بن جاتا ہے؛ اس لئے وہ علمی ترقی اور تحقیق و سائنس کے ارتقاء میں رکاوٹ بن جاتی ہے، توحید چوں کہ مخلوقات کے معبود ہونے کی نفی کرتی ہے؛ اس لئے کائنات کی تمام اشیاء پر غور وفکر، بحث و تحقیق اور تفحص و تجسس کا راستہ کھلتا ہے، انسان علم میں جتنا آگے بڑھتا جائے اور کائنات کے حقائق پر جو پردے پڑے ہوئے ہیں، ان کو جس قدر اُٹھاتا جائے، وہ اسی قدر توہمات سے آزاد ہوتا جائے گا۔

(۱) ترمذی، ابواب العلم، حدیث نمبر: ۲۶۸۔

دین و دنیا کی وحدت

چوتھے: اسلام سے پہلے اہل مذاہب نے دین اور دنیا کا بٹوارہ کر رکھا تھا اور دین و دنیا کی اس تقسیم کی وجہ سے بعض انسانی گروہ قانون فطرت کے خلاف بغاوت پر آمادہ تھے، نکاح کو بری بات سمجھا جاتا تھا، قربِ خداوندی کے لئے تجرد کی زندگی ضروری سمجھی جاتی تھی اور مرد وعورت کے فطری تعلق کو بہرصورت گناہ باور کیا جاتا تھا، کسبِ معاش کی محنتوں کو دین داری کے مغائر اور رضائے خداوندی میں رکاوٹ گمان کیا جاتا تھا، یہاں تک کہ رہبانیت کے غلبہ کا یورپ میں ایک ایسا دور بھی گذرا ہے کہ لوگ نہانے، دھونے، صاف ستھرے کپڑے پہننے اور خوشبو استعمال کرنے کو بھی للّٰہیت کے خلاف سمجھتے تھے اور دسیوں سال غسل سے مجتنب رہتے تھے، مذہب کے متبعین میں بھی اس طرح کا تصور عام تھا، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کا ایک اہم باب رہبانیت کے اس تصور کا خاتمہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی حدود میں رہتے ہوئے دنیا سے نفع اُٹھانا بھی دین کا ایک حصہ ہے —— 'دین' دنیا سے نفع اُٹھانے میں حلال وحرام کی تمیز کا نام ہے نہ کہ دنیا کو ترک کر دینے کا؛ چنانچہ آپ نے نکاح کرنے کا حکم دیا، اس کو اپنی اور انبیاء کی سنت قرار دیا اور تجرد کی زندگی کو ناپسند فرمایا، کسب معاش کو ایک اہم فریضہ قرار دیا اور اس کی حوصلہ افزائی فرمائی، صفائی ستھرائی کی تعلیم دی اور کوئی ایسا حکم نہیں دیا، جو انسانی فطرت سے متصادم ہو؛ بلکہ انسانی فطرت میں جو تقاضے اور داعیے رکھے گئے ہیں، ان سب کو جائز رکھا گیا اور ان کے لئے مناسب حدود مقرر کر دی گئیں۔

عورتوں کی توقیر

پانچویں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اہم کارنامہ ہے عورتوں کو عزت و احترام کا مقام حاصل ہونا، اور انسانی سماج میں ان کی قدردانی، اسلام دنیا میں اس وقت آیا جب عورت کو گناہ کا دروازہ اور نحس کا سبب سمجھا جاتا تھا، ان کے بارے میں تصور تھا کہ وہ شادی سے پہلے باپ کی اور شادی کے بعد اپنے شوہر کی ملکیت ہوتی ہے، وہ چوں کہ خود ایک مملوکہ شئے ہے؛ اس لئے

اس کو مالک ہونے کا حق نہیں تھا؛ اسی لئے انھیں حصۂ میراث نہیں ملتا تھا، عرب کے بعض قبائل میں تو لڑکیاں زندہ دفن کر دی جاتی تھیں، اس بات میں بھی اختلاف تھا کہ کیا عورت کا شمار انسانوں میں ہے؟ یہاں تک کہ یونان کے فلاسفہ بھی کہتے تھے کہ عورت کے اندر انسان سے کمتر اور حیوان سے برتر روح پائی جاتی ہے، یعنی وہ انسان اور حیوان کے درمیان کی ایک مخلوق ہے۔

ان حالات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں تشریف لائے اور بتایا کہ مرد و عورت ایک ہی ماں باپ سے پیدا ہونے والی دو صنفیں ہیں، (۱) پہلے حضرت حواء علیہا السلام کی طرف گناہ کی نسبت کی جاتی تھی، قرآن نے اس داغ کو صاف کیا: ''عَصٰٓی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی'' (۲) اور اس کا اصل محرک شیطان کو قرار دیا: ''فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ'' (۳) عورت کو بیٹی، بیوی اور ماں کی حیثیت سے مردوں سے بڑھ کر درجہ دیا، ان کو نکاح کرنے، اپنے مال میں تصرف کرنے، تعلیم حاصل کرنے، اپنے خیالات کا اظہار کرنے، شرعی حدود کی رعایت کے ساتھ کسبِ معاش کرنے وغیرہ کی اجازت دی اور انھیں معاشرہ میں عزت کا مقام دیا، انیسویں صدی کے وسط تک مغربی ملکوں میں عورت کو حق میراث نہیں ملتا تھا، برادرانِ وطن کے یہاں ۱۹۵۰ء تک عورت کو حق میراث حاصل نہیں تھا؛ لیکن اسلام نے اول دن سے بیٹی کو اپنے والدین کے، ماں کو اپنی اولاد کے، بیوی کو اپنے شوہر کے ترکہ میں سے لازمی وارث بنایا اور بعض حالات میں دوسری خاتون رشتہ داروں کو بھی میراث میں حق دیا، آج بھی غیر مسلم سماج میں شریک حیات کے انتخاب میں زیادہ تر لڑکیوں سے مشورہ نہیں لیا جاتا؛ لیکن اسلام نے صدیوں پہلے نکاح کے لئے عورت کی رضامندی کو شرط قرار دیا اور بالغ لڑکی کو حق دیا کہ وہ خود اپنا نکاح کر سکتی ہے، مشرق سے لے کر مغرب تک آج عورتوں کو جو حقوق دیئے گئے ہیں، یا ان کی آزادی کا جو نعرہ لگایا جا رہا ہے، یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انقلاب انگیز تعلیمات کا نتیجہ ہے۔

اس لئے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات صرف مسلمانوں کے لئے نہیں؛ بلکہ پوری انسانیت اور تمام عالم کے لئے رحمت بیکراں ہے۔

● ● ●

(۱) النساء:۱۔ (۲) طٰہٰ:۱۲۱۔ (۳) البقرۃ:۳۶۔

تیسرا باب

کچھ اہم تعلیمات، آپ ہی کے الفاظ میں

چند ارشادات

کسی شخصیت کا عکس اس کی باتوں میں دیکھا جاسکتا ہے، اس کی دانائی یا نادانی، شعور یا بے شعوری، نرمی یا سختی، رحم دلی یا سنگ دلی، محبت یا نفرت اور دوستی یا دشمنی کا اصل مظہر اس کے الفاظ ہوتے ہیں، پیغمبر اسلام ﷺ کے ارشادات کا اگر اس پہلو سے مطالعہ کیا جائے تو آپ ﷺ کی ہر بات گوہر موتی نظر آتی ہے، جو خوشگوار زندگی اور محبت و بھائی چارہ سے معمور سماج کی تعمیر کے لئے بہترین رہنما ہے۔

آپ ﷺ کے یہ ارشادات حدیث کی شکل میں موجود و محفوظ ہیں، جو ہزاروں صفحات پر مشتمل ہیں، ان سب کو یہاں جمع کرنا دشوار ہے؛ لیکن ان ہی میں سے انتخاب کرکے آپ ﷺ کے چند فرمودات یہاں ذکر کئے جاتے ہیں :

ایمان کا معیار

(۱) عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : ''لاَ يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ ، حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ'' . (۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک صاحب ایمان نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے وہی چیز پسند نہ کرے، جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

تشریح : یعنی دوسرا انسان، اس وقت جس صورت حال سے دوچار ہے، اگر تم خود اِس صورت حال سے دوچار ہوتے تو اپنے لئے جو پسند کرتے، وہی اس کے لئے پسند کرو، مثلاً

(۱) صحيح البخاري، كِتَابُ الإِيمَانِ، بَابٌ: مِنَ الإِيمَانِ أَنْ يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ، حدیث نمبر: ۱۳۔

دوسرا شخص قصوروار ہے، اگر تم خود قصوروار ہوتے تو چاہتے کہ معاف کر دیا جائے، اس دوسرے شخص کے ساتھ بھی تمہارا یہی عمل ہونا چاہئے۔

اسلام کا بہترین عمل

(۲) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ، أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَيُّ الإِسْلاَمِ خَيْرٌ ؟ قَالَ : ''تُطْعِمُ الطَّعَامَ ، وَتَقْرَأُ السَّلاَمَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ'' . (۱)

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ اسلام کا کونسا عمل سب سے بہتر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ بات کہ تم (لوگوں کو) کھانا کھلاؤ اور چاہے کوئی شخص جان پہچان کا ہو یا نہ ہو، اسے سلام کرو۔

کامل ایمان والا

(۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ''أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا ، وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ'' . (۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سب سے کامل ایمان والا شخص وہ ہے، جس کے اخلاق سب سے بہتر ہوں اور تم میں سے بہتر اخلاق والے وہ ہیں، جو اپنی عورتوں کے ساتھ بہتر برتاؤ کریں۔

سب سے بڑا جہاد

(۴) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

(۱) صحيح البخاري، كِتَابُ الإِيمَانِ، بَابٌ: إِطْعَامُ الطَّعَامِ مِنَ الإِسْلاَمِ، حدیث نمبر: ۱۲۔
(۲) صحيح ابن حبان، باب معاشرة الزوجين، حدیث نمبر: ۴۱۷۶۔

وَسَلَّمَ قَالَ : ''إِنَّ مِنْ أَعْظَمِ الجِهَادِ كَلِمَةَ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ''. (۱)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ ظالم حکمراں کے سامنے انصاف کی بات کہی جائے۔

بے فائدہ باتوں سے پرہیز

(۵) عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ''إِنَّ مِنْ حُسْنِ إِسْلاَمِ المَرْءِ تَرْكَهُ مَا لَا يَعْنِيهِ''. (۲)

انسان کے بہتر مسلمان ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ لایعنی اور بے فائدہ باتوں سے بچا رہے۔

سارے انسان برابر ہیں

(۶) عن جابر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَلاَ إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ أَلاَ لاَ فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى أَعْجَمِيٍّ وَلاَ لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ وَلاَ لأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ وَلاَ أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلاَّ بِالتَّقْوَى . (۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! یاد رکھو کہ تمہارا پروردگار ایک ہی ہے اور تم سب ایک ہی باپ کی اولاد ہو، کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، گورے کو کالے اور کالے کو گورے پر کوئی

(۱) سنن الترمذی، أَبْوَابُ الْفِتَنِ، بَابُ مَا جَاءَ أَفْضَلُ الجِهادِ، حدیث نمبر: ۲۱۷۴۔

(۲) سنن الترمذي، أَبْوَابُ الزُّهْدِ، حدیث نمبر: ۲۳۱۸۔

(۳) شعب الایمان: ۴/ ۲۸۹، حدیث نمبر: ۵۱۳۷۔

فضیلت حاصل نہیں ہے ،فضیلت صرف تقویٰ یعنی اللہ کی بات ماننے کی وجہ سے ہے۔

تمام انسان بھائی بھائی

(۷) عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ ، قَالَ : سَمِعْتُ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ : أَنَّ الْعِبَادَ كُلَّهُمْ إِخْوَةٌ ، الخ . (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے تمام بندے بھائی بھائی ہیں۔

تشریح : یعنی تمام انسان خواہ وہ کسی علاقہ کا ہو، کسی نسل و خاندان سے تعلق ہو اور کسی مذہب کا ماننے والا ہو، ان کے درمیان بھائی بھائی کا رشتہ ہے۔

زمین والوں پر رحم

(۸) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ''الرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ ، اَرْحَمُوْا مَنْ فِي الاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ'' . (۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: رحم کرنے والوں پر خدائے رحمٰن رحم کریں گے،تم زمین والوں پر رحم کرو،تو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔

(۹) عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ''مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ ، لَا يَرْحَمْهُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ'' . (۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو انسان پر رحم نہیں کرتا، اللہ اس پر رحم نہیں فرماتے ہیں۔

---

(۱) أبوداود،كتاب الوتر، باب مايقول الرجل إذاسلم،حدیث نمبر:۱۵۱۰۔

(۲) الترمذي،كتاب البر والصلة ، باب ماجاء في رحمة المسلمين،حدیث نمبر: ۱۹۲۴۔

(۳) مسلم،كتاب الْفَضَائِلِ، بَابُ رَحْمَتِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصِّبْيَانَ وَالْعِيَالَ،حدیث نمبر:۲۳۱۹۔

جنگ میں بھی انسانیت کا لحاظ

(۱۰) عَنْ خَالِدِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ : خَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُشَيِّعًا لِأَهْلِ مُؤْتَةَ حَتّٰى بَلَغَ ثَنِيَّةَ الْوَدَاعِ فَوَقَفَ وَوَقَفُوْا حَوْلَهُ فَقَالَ : اُغْزُوْا بِسْمِ اللهِ ، فَقَاتِلُوْا عَدُوَّ اللهِ وَعَدُوَّكُمْ بِالشَّامِ ، وَسَتَجِدُوْنَ فِيْهِمْ رِجَالًا فِي الصَّوَامِعِ مُعْتَزِلِيْنَ مِنَ النَّاسِ فَلَا تَعَرَّضُوْا لَهُمْ ... وَلَا تَقْتُلُوْا امْرَأَةً وَلَا صَغِيراً ضَرَعًا وَلَا كَبِيْراً فَانِيًا ، وَلَا تَقْطَعُنَّ شَجَرَةً ، وَلَا تَعْقِرُنَّ نَخْلًا ، وَلَا تَهْدِمُوْا بَيْتًا . (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک فوج کو روانہ کرتے ہوئے حکم دیا: اللہ کے نام سے جہاد کروگے اور (ملک) شام میں ان ہی لوگوں سے لڑو گے، جو اللہ کے دشمن اور تمہارے دشمن ہیں، اور تم وہاں کچھ ایسے لوگوں کو پاؤگے، جو لوگوں سے الگ تھلگ (عیسائی) خانقاہوں میں ہیں، تو ان کو کچھ نہ کہوگے اور عورتوں کو، دُودھ پیتے بچوں کو اور بوڑھوں کو قتل نہ کروگے، نہ درخت کو کاٹوگے، نہ کھجور کی جڑیں اُکھاڑ دوگے اور نہ کسی گھر کو منہدم کردوگے۔

ایک اور حدیث میں یہ اضافہ ہے :

نہ کسی آدمی اور جانور کا مثلہ کرنا، نہ پانی کے چشمے کو بیکار کرنا، نہ دھوکہ دینا اور نہ خیانت کرنا۔

جانوروں کے ساتھ رحم دلی

(۱۱) عَن أَبِي هُرَيْرَة : أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

(۱) السنن الكبري، كتاب السير، باب ترك قتل من لا قتال فيه من الرهبان والكبير وغيرهما، حدیث نمبر: ۱۷۹۳۴۔

وَسَلَّمَ قَالَ : ''بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي بِطَرِيقٍ اشْتَدَّ عَلَيْهِ الْعَطَشُ ، فَوَجدَ بِئْرا فَنزل فِيهَا ، فَشَرِبَ ثُمَّ خَرَجَ ، فَإِذَا كَلْبٌ يَلْهَثُ يَأْكُلُ الثَّرىَ مِنَ الْعَطَشِ ، فَقَالَ : لَقَدْ بَلَغَ هَذَا الْكَلْبَ مِنَ الْعَطَشِ مِثْلُ الَّذِيْ كَانَ بَلَغَ بِيْ ، فَنَزِلَ الْبِئْرَ ، فَمَلَأَ خُفَّهُ مَاءً ، ثُمَّ أَمْسَكَهُ بِفِيهِ حَتّٰى رَقِيَ ، فَسَقَى الْكَلْبَ ، فَشَكَرَ اللهُ لَهُ ؛ فَغَفَرَ لَهُ ، قَالُوْا : يَا رَسُوْلَ اللهِ ، وَإِنْ لَنَا فِيْ الْبَهَائِمِ لَاَجْراً ؟ فَقَالَ : فِيْ كُلِّ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ'' . (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایک شخص راستہ پر چل رہا تھا، اس کو سخت پیاس لگی، ایک کنواں ملا، وہ اس میں اُتر گیا، اس نے پانی پیا اور وہاں سے نکل آیا، دیکھتا کیا ہے کہ ایک کتا ہانپ رہا ہے اور پیاس کی وجہ سے تری کو چاٹ رہا ہے، اس نے سوچا: یہ کتا ویسے ہی پیاس سے دو چار ہے جیسی پیاس مجھ کو لگی تھی؛ چنانچہ کنویں میں اُترا، پانی سے اپنے موزے کو بھرا اور اس موزے کو اپنے منھ سے پکڑ لیا، یہاں تک کہ چڑھ کے اوپر آ گیا اور اس کتے کو پانی پلایا، اللہ تعالیٰ نے اس کی قدردانی کی اور اسے معاف کر دیا، صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا جانوروں کی خدمت میں بھی ہمیں اجر حاصل ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر جاندار کی خدمت میں اجر ہے۔

(۱۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ''أَنَّ امْرَأَةً بَغِيًّا رَأَتْ كَلْبًا فِي يَوْمٍ حَارٍّ يُطِيفُ بِبِئْرٍ قَدْ أَدْلَعَ لِسَانَهُ مِنَ الْعَطَشِ فَنَزَعَتْ لَهُ بِمُوقِهَا فَغُفِرَ لَهَا'' . (۲)

---

(۱) مسلم، کتاب السلام، باب فضل ساقي البهائم المحترمة وإطعامها، حدیث نمبر: ۲۲۴۴۔

(۲) صحیح مسلم، کتاب السلام، باب فَضْلِ سَاقِی الْبَهَائِمِ الْمُحْتَرَمَةِ وَإِطْعَامِهَا، حدیث نمبر: ۵۹۹۷۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایک فاحشہ عورت نے ایک گرم دن میں کتے کو دیکھا کہ کنویں کا چکر لگا رہا ہے اور مارے پیاس کے اپنی زبان نکالے ہوا ہے، اس نے اس کے لئے اپنے موزے کے ذریعہ پانی نکالا؛ چنانچہ اللہ کی طرف سے اس کے گناہ بخش دیئے گئے۔

(۱۳) عَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ جَدِّ اَنَسْ بِنْ مَالِكٍ دَارَ الْحَكَمِ بْنِ أَيُّوْبَ فَإِذَا قَوْمٌ قَدْ نَصَبُوْا دَجَاجَةً يَرْمُونَهَا قَالَ : فَقَالَ اَنَسٌ : نَهَى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تُصْبَرَ الْبَهَائِمُ''. (۱)

حضرت انسؓ حکم ابن ایوب کے گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ کچھ لوگوں نے ایک مرغی کو باندھ رکھا ہے اور وہ اس پر تیر سے نشانہ لگا رہے ہیں، حضرت انسؓ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ جانوروں کو باندھ کر رکھا جائے؛ (تا کہ اس کو نشانہ بنایا جائے)۔

(۱۴) عَنِ ابْنَ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ : مَنْ مَثَّلَ بِذِى رُوحٍ ثُمَّ لَمْ يَتُبْ مَثَّلَ اللهُ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ . (۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی جاندار کا مثلہ کیا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا مُثلہ کردیں گے۔

تشریح : مُثلہ سے مراد ہے کسی جاندار کے اعضاء کو کاٹ دینا۔

(۱) مسلم، کتاب الصید، باب النَّهْیِ عَنْ صَبْرِ الْبَهَائِمِ، حدیث نمبر: ۱۹۵۶۔

(۲) مسند أحمد: ۲/۹۲، حدیث نمبر: ۵۶۶۱۔

(١٥) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ : نَهَى رَسُولُ اللهِ ، صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، عَنِ التَّحْرِيشِ بَيْنَ البَهَائِمِ . (١)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جانوروں کو باہم لڑانے سے منع فرمایا۔

مریض کی مزاج پرسی، بھوکے کو کھانا کھلانے اور پیاسے کو پانی پلانے کا اجرِ عظیم

(١٦) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ''إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُولُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ : يَا ابْنَ آدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِي ، قَالَ : يَارَبِّ كَيْفَ أَعُودُكَ ؟ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ ، قَالَ : أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ عَبْدِي فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ ، أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ عُدْتَهُ لَوَجَدْتَنِي عِنْدَهُ ؟ يَاابْنَ آدَمَ اسْتَطْعَمْتُكَ فَلَمْ تُطْعِمْنِي ، قَالَ : يَارَبِّ وَكَيْفَ أُطْعِمُكَ ؟ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ ، قَالَ : أَمَا عَلِمْتَ أَنَّهُ اسْتَطْعَمَكَ عَبْدِي فُلَانٌ ، فَلَمْ تُطْعِمْهُ ؟ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ أَطْعَمْتَهُ لَوَجَدْتَ ذَلِكَ عِنْدِي ، يَاابْنَ آدَمَ اسْتَسْقَيْتُكَ ، فَلَمْ تَسْقِنِي ، قَالَ : يَارَبِّ كَيْفَ أَسْقِيكَ ؟ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ ، قَالَ : اسْتَسْقَاكَ عَبْدِي فُلَانٌ فَلَمْ تَسْقِهِ ، أَمَا إِنَّكَ لَوْ سَقَيْتَهُ وَجَدْتَ ذَلِكَ عِنْدِي'' . (٢)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے دن (ایک شخص) سے فرمائیں گے: اے ابن آدم! میں بیمار ہوا اور تو نے مزاج پرسی (عیادت) نہیں کی، وہ شخص عرض کرے گا: اے میرے رب! میں کیسے آپ کی عیادت

---

(١) أبو داود، کتاب الجهاد، باب في التحريش بين البهائم، حدیث نمبر: ۲۵٦۲۔

(٢) مسلم، کتاب الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالْآدَابِ، بَابُ فَضْلِ عِيَادَةِ الْمَرِيضِ، حدیث نمبر: ۲۵٦۹۔

کرتا؟ آپ تو سارے جہاں کے پروردگار ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے: کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہے؟ اگر تم اس کی مزاج پرسی کرتے تو مجھ کو اس کے پاس پاتے۔

اے ابن آدم! میں نے تم سے کھانا مانگا اور تم نے مجھے نہیں کھلایا، (وہ عرض کرے گا:) اے میرے رب! میں آپ کو کیسے کھلاتا؟ آپ تو سارے جہاں کے پرورش کرنے والے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے: کیا تمہیں نہیں معلوم کہ تم سے میرے فلاں بندہ نے کھانا مانگا تھا اور تم نے اس کو نہیں کھلایا؟ اگر تم اس کو کھانا کھلاتے تو تم اس کا (ثواب اور بدلہ) میرے پاس پاتے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے: اے ابن آدم! میں نے تم سے پانی مانگا تھا؛ لیکن تم نے مجھے سیراب نہیں کیا، بندہ عرض کرے گا: اے میرے رب! میں کیسے آپ کو سیراب کرتا؟ آپ تو رب العالمین ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے: میرے فلاں بندہ نے تم سے پانی مانگا تھا؛ لیکن تم نے اس کو پانی نہیں پلایا، اگر تم اس کو پانی پلاتے تو اس کا (ثواب) میرے پاس پاتے۔

مصیبت زدہ کی دلداری

(۱۷) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : ''مَنْ عَزَّى مُصَابًا فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ'' . (۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی مصیبت زدہ کو پُرسہ دیا تو اس کے لئے اس مصیبت زدہ کے (صبر کرنے کے) برابر اجر ہوگا۔

(۱) سنن الترمذي، أَبْوَابُ الْجَنَائِزِ، بَابُ مَا جَاءَ فِي أَجْرِ مَنْ عَزَّى مُصَابًا، حدیث نمبر: ۱۰۷۳۔

خادموں سے بہتر سلوک

(۱۸) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : ''إِذَا اَتَى اَحَدَكُمْ خَادِمُهُ بِطَعَامِهِ ، فَإِنْ لَمْ يُجْلِسْهُ مَعَهُ ، فَلْيُنَاوِلْهُ اُكْلَةً اَوْ اُكْلَتَيْنِ ، أَوْ لُقْمَةً أَوْ لُقْمَتَيْنِ ، فَإِنَّهُ وَلِيَ حَرَّهُ وَعِلاَجَهُ'' . (۱)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کے پاس اس کا خادم کھانا لے کر آئے تو اس کو (کم سے کم) لقمہ دولقمہ ہی کھلا دے؛ کیوں کہ اس نے اس کی تپش برداشت کی ہے اور اس کے (پکانے کی) تدبیر کی ہے۔

احسان مندی

(۱۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : ''لَا يَشْكُرُ اللهَ مَنْ لا يَشْكُرُ النَّاسَ'' . (۲)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جو انسان کا شکریہ ادا نہیں کرتا، وہ اللہ کا شکر گذار بندہ نہیں۔

تشریح : مقصد یہ ہے کہ انسان کے اندر احسان مندی کا جذبہ ہونا چاہئے اور اپنے محسن کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔

بڑوں کا احترام اور چھوٹوں پر شفقت

(۲۰) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ جَدِّهِ قَالَ :

(۱) صحيح البخاري، كِتَابُ الاَطْعِمَةِ، بَابُ الاَكْلِ مَعَ الخَادِمِ، حدیث نمبر: ۵۴۶۰۔

(۲) سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في شكر المعروف، حدیث نمبر: ۴۸۱۱۔

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ''لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَيَعْرِفْ شَرَفَ كَبِيرِنَا'' . (۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کے مقام ومرتبہ کو نہ پہچانے، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

بہترین اخلاق

(۲۱) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : يَا عُقْبَةَ ! أَلَا أَدُلُّكَ بِأَفْضَلِ أَخْلَاقِ أَهْلِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ : أَنْ تَصِلَ مَنْ قَطَعَكَ ، وَتُعْطِيْ مَنْ حَرَمَكَ ، وَتَعْفُوْ عَمَّنْ ظَلَمَكَ . (۲)

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عقبہ بن عامرؓ سے فرمایا: اے عقبہ! کیا میں تم کو دنیا وآخرت والوں میں سے سب سے بہتر اخلاق کے بارے میں نہ بتاؤں؟ وہ یہ ہے کہ جو تمہارے ساتھ رشتہ کا لحاظ نہ کرے، تم اس کے ساتھ رشتہ کا لحاظ کرو، اور جو تم کو محروم کرے، تم اس کو عطا کرو، اور جو تم پر ظلم کرے، تم اس کو معاف کردو۔

نرم خوئی

(۲۲) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : ''يَا عَائِشَةَ ، إِنَّ اللّٰهَ رَفِيْقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ ، وَيُعْطِي عَلَى الرِّفْقِ مَالَا يُعْطِيْ عَلَى الْعُنْفِ ، وَمَا لَا يُعْطِيْ عَلٰى مَا سِوَاهُ'' . (۳)

---

(۱) سنن الترمذي، أَبْوَابُ البِرِّ وَالصِّلَةِ، بَابُ مَا جَاءَ فِي رَحْمَةِ الصِّبْيَانِ، حدیث نمبر: ۱۹۲۰۔

(۲) المعجم الكبير، حدیث نمبر: ۵۵۶۷۔

(۳) مسلم، كتاب البر والصلة والآداب، باب فضل الرفق، حدیث نمبر: ۲۵۹۳۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یقیناً اللہ تعالیٰ نرم خو ہیں، نرم خوئی کو پسند کرتے ہیں اور جو چیز سختی پر اور کسی اور طریقہ پر عطا نہیں فرماتے، نرمی کی بنا پر عطا فرماتے ہیں۔

(۲۳) عَنْ جَابِرٍ ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی الله علیه وسلم : ثَلاَثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ نَشَرَ اللهُ عَلَيْهِ كَنَفَهُ ، وَأَدْخَلَهُ جَنَّتَهُ : رِفْقٌ بِالضَّعِيفِ ، وَشَفَقَةٌ عَلَى الْوَالِدَيْنِ ، وَإِحْسَانٌ إِلَى الْمَمْلُوكِ . (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس میں تین باتیں ہوں، اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمت کی باہیں پھیلا دیں گے اور اس کو جنت میں داخل کریں گے: کمزور کے ساتھ نرمی، والدین کے ساتھ شفقت، خادم کے ساتھ اچھا سلوک۔

اصل بہادر

(۲۴) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرَعَةِ إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِیْ يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ . (۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بہادر وہ نہیں ہے جو کُشتی میں بہادر ہو، بہادر وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے۔

عقلمند کون؟

(۲۵) عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : ''اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ ، وَعَمِلَ لِمَا

(۱) الترمذي، كتاب صفة القيامة والرقائق والورع عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، حدیث نمبر: ۲۴۹۴۔

(۲) صحيح بخاری، كتاب الأدب، باب الحذر من الغضب، حدیث نمبر: ۵۷۶۳۔

بَعْدَ الْمَوْتِ ، وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا ، وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ''. (۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عقل مند وہ ہے جو اپنے آپ کا محاسبہ کرے اور موت کے بعد کی دنیا کے لئے عمل کرے، اور کمزور وہ شخص ہے جو پیروی تو اپنی خواہشات کی کرے اور اللہ تعالیٰ سے اُمیدیں باندھتا رہے۔

صفائی ستھرائی

(۲۶) عَنْ سَعْدِ بْنِ وَقَّاصٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : إِنَّ اللّٰه طَيِّبٌ يُحِبُّ الطِّيبَ ، نَظِيفٌ يُحِبُّ النَّظَافَةَ ، كَرِيمٌ يُحِبُّ الْكَرَمَ ، جَوَّادٌ يُحِبُّ الْجُودَ ، فَنَظِّفُوا بُيُوتَكُمْ . (۲)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ پاک ہیں اور پاکی کو پسند کرتے ہیں، صاف ستھرے ہیں، صفائی ستھرائی کو پسند فرماتے ہیں، مہربان ہیں، مہربانی کو پسند کرتے ہیں، سخی ہیں، سخاوت کو پسند کرتے ہیں، تو تم اپنے گھروں کو صاف ستھرا رکھو۔

باتوں کو بے تحقیق نقل کرنا

(۲۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ: ''كَفَى بِالْمَرْءِ إِثْمًا اَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ''. (۳)

(۱) الترمذي،كتاب صفة القيامة والرقائق والورع عن رسول الله صلى الله عليه وسلم حدیث نمبر: ۲۴۵۹۔

(۲) مسند ابی یعلی، حدیث نمبر: ۷۹۹ ۲۔

(۳) سنن أبي داود،كتاب الأدب، بَابٌ فِي التَّشْدِيدِ فِي الْكَذِبِ، حدیث نمبر: ۴۹۹۲۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انسان کے جھوٹے ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو نقل کر دے۔

تشریح: بہت سی باتیں جو سنی جاتی ہیں، درست نہیں ہوتیں؛ اس لئے ہر سنی سنائی ہوئی بات کو بلا تحقیق نقل کر دینا درست نہیں ہے، اس سے آپس میں اختلاف پیدا ہوتا ہے اور بے قصور شخص کی بے آبروئی اور بدنامی ہوتی ہے۔

عیب نہ نکالا جائے

(۲۸) عَنْ جَابِرٍ ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ''كَفَى بِالْمَرْءِ شَرًّا أَنْ يَتَسَخَّطَ مَا قُرِّبَ إِلَيْهِ''. (۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدمی کے بُرے ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ کوئی چیز اس کے سامنے پیش کی جائے اور وہ اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کرے۔

تشریح: یعنی انسان کے سامنے کھانے پینے، یا پہننے اوڑھنے کی چیز پیش کی جائے تو اسے خوشی سے قبول کرنا چاہئے اور اگر پسند نہ ہوں تو خاموش رہنا چاہئے، کوئی عیب نہ نکالنا چاہئے، رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک یہی تھا کہ جب بھی آپ کے سامنے کوئی کھانا پیش کیا جاتا تو اگر آپ کو وہ کھانا پسند ہوتا تو کھا لیتے اور پسند نہ آتا تو نہ کھاتے، مگر اس کی برائی نہ کرتے۔

تکبر نہ کرو!

(۲۹) عَنْ عَيَاضِ بْنِ حِمَارٍ الْمُجَاشِعِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : وَإِنَّ اللهَ أَوْحَى إِلَيَّ أَنْ تَوَاضَعُوا حَتَّى لَا يَفْخَرَ أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ ، وَلَا يَبْغِي أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ''. (۲)

---

(۱) مسند أبي يعلى، حدیث نمبر: ۲۲۰۱۔

(۲) صحيح لمسلم، كتاب الْجَنَّةِ وَصِفَةِ نَعِيمِهَا وَأَهْلِهَا، حدیث نمبر: ۲۸۶۵۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حکم بھیجا ہے کہ تواضع اختیار کرو، ایک دوسرے پر تکبر نہ کرو اور نہ کوئی کسی پر زیادتی کرے۔

کینہ سے بچنا چاہئے!

(۳۰) عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الأَنْصَارِيِّ : أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : ''لاَ يَحِلُّ لِرَجُلٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلاَثِ لَيَالٍ ، يَلْتَقِيَانِ : فَيُعْرِضُ هَذَا وَيُعْرِضُ هَذَا ، وَخَيْرُهُمَا الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلاَمِ''. (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ تین دنوں سے زیادہ اپنے بھائی سے بے تعلقی برتے کہ جب ایک دوسرے کا سامنا ہو تو ایک اِدھر منھ پھیر لے اور دوسرا اُدھر، اور دونوں میں بہتر وہ شخص ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔

تشریح : یعنی بعض دفع رنجش پیدا ہو جانا فطری بات ہے؛ لیکن اس کا اثر تین دن سے زیادہ نہیں ہونا چاہئے اور دل میں کینہ نہیں پالنا چاہئے، نیز جوٹوٹے ہوئے تعلق کو بحال کرنے میں پہل کرے اور سلام کر کے دوبارہ بات چیت شروع کر دے، وہ شخص زیادہ بہتر ہے؛ اس لئے اس کو اَنا کا مسئلہ نہیں بنانا چاہئے۔

نا اہل کا انتخاب

(۳۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَنِ اسْتَعْمِلَ رَجُلاً مِنْ عِصَابَةٍ وَفِيْ تِلْكَ الْعِصَابَةِ مَنْ هُوَ أَرْضَى لِلّٰهِ مِنْهُ ، فَقَدْ خَانَ اللهَ وَخَانَ رَسُوْلَهُ وَخَانَ الْمُؤْمِنِيْنَ . (۲)

---

(۱) صحيح البخاري، كِتَابُ الأَدَبِ، بَابُ الهِجْرَةِ، حدیث نمبر: ۶۰۷۷۔

(۲) المستدرك، كتاب الأحكام، حدیث نمبر: ۷۰۲۳۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے گروہ میں سے کسی شخص کو ذمہ دار بنادیا؛ حالاں کہ اس گروہ میں پسندیدہ شخص موجود تھا تو اس نے اللہ کے ساتھ، اللہ کے رسول کے ساتھ اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت کی۔

آپسی اخلاق

(۳۲) عَن أَبِي هُرَيْرَة قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لاَ تَحَاسَدُوا ، وَلاَ تَبَاغَضُوا ، وَلاَ تَجَسَّسُوا ، وَلاَ تَحَسَّسُوا ، وَلاَ تَنَاجَشُوا ، وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا . (۱)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، نہ ایک دوسرے سے بغض رکھو، نہ ایک دوسرے کی ٹوہ میں رہو اور نہ ہی ایک دوسرے کے ظاہری وباطنی عیب تلاش کرو اور نہ ایک دوسرے کو دھوکہ دو، اور اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن کے رہو۔

(۳۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَة أَن رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : ''إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذِبُ الْحَدِيْثِ . (۲)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بدگمانی سے بچو؛ کیوں کہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے۔

علم وحکمت کی بات — گمشدہ مال!

(۳۴) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ

(۱) مسلم، کتاب البر والصلة، حدیث نمبر: ۲۵۶۳۔

(۲) بخاري، کتاب الأدب، باب ماينهى عن التحاسد والتدابر، حدیث نمبر: ۵۷۱۷۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اَلْكَلِمَةُ الْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا . (۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عقل وحکمت کی بات مومن کا گمشدہ مال ہے، جہاں بھی ایسی بات مل جائے تو وہ اس کو حاصل کرنے کا زیادہ حق دار ہے۔

تشریح : یعنی گمشدہ چیز مل جائے تو انسان اسے بڑی چاہ کے ساتھ حاصل کرتا ہے، علم وحکمت کی بات کو بھی اسی طرح حاصل کرنی چاہئے، چاہے جس کے پاس سے حاصل ہو جائے۔

صدقۂ جاریہ

(۳۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : ''إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةِ أَشْيَاءَ : مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ'' . (۲)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے، مگر تین کام ایسے ہیں جن کی وجہ سے اعمال کا سلسلہ جاری رہتا ہے: صدقہ جاریہ جس سے اس کے مرنے کے بعد بھی لوگ فائدہ اُٹھائیں، یا ایسا علم چھوڑ کر جائے، جس سے لوگ فائدہ اُٹھاتے رہیں، (یعنی شاگرد، کتاب، یا تعلیمی ادارہ چھوڑ کر جائے)، یا نیک اولاد جو اس کے لئے دُعا کرے۔

(۱) ابن ماجة ،كتاب الزهد، باب الحكمة، حدیث نمبر: ۴۱۶۹۔

(۲) سنن أبي داود ،كِتَاب الْوَصَايَا، بَابُ مَاجَاءَ فِي الصَّدَقَةِ عَنِ الْمَيِّتِ، حدیث نمبر: ۲۸۸۰۔

علم کی عبادت پر فضیلت

(۳۶) عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: ''فَضْلُ الْعِلْمِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ فَضْلِ الْعِبَادَةِ''. (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: علم میں ترقی مجھے عبادت میں ترقی سے زیادہ پسند اور محبوب ہے۔

ماں باپ کا مقام

(۳۷) عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلْجَنَّةُ تَحْتَ أَقْدامِ الأُمَّهاتِ. (۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔

(۳۸) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: ''الْوَالِدُ أَوْسَطُ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ، فَأَضِعْ ذَلِكَ الْبَابَ أَوِ احْفَظْهُ''. (۳)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: باپ جنت کا درمیانی دروازہ (یعنی مین گیٹ) ہے، اب تم چاہے اس کو ضائع کر دو، یا پھر اس کی حفاظت کرو۔

ہم نشینوں کا لحاظ

(۳۹) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: ''نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَجْلِسَ الرَّجُلُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ إِلَّا بِإِذْنِهِمَا''. (۴)

---

(۱) المستدرك على الصحيحين، كِتَابُ الْعِلْمِ، حدیث نمبر: ۳۱۴۔

(۲) مسند الشهاب: ۱/ ۱۰۲، حدیث نمبر: ۱۱۹۔

(۳) سنن ابن ماجه، كِتَابُ الْأَدَبِ، بَابُ بِرِّ الْوَالِدَيْنِ، حدیث نمبر: ۳۶۶۳۔

(۴) المعجم الأوسط، حدیث نمبر: ۳۶۵۲۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ دو شخص ایک جگہ ایک ساتھ بیٹھے ہوئے ہوں، ان کے ساتھ کوئی اور شخص ان کی اجازت کے بغیر بیٹھ جائے؛ (تاکہ اس کی تنہائی میں خلل پیدا نہ ہو)۔

(۴۰) عَنْ عَبْدِ اللهِ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ''إِذَا كُنْتُمْ ثَلَاثَةً ، فَلَا يَتَنَاجَى اثْنَانِ دُونَ صَاحِبِهِمَا ، فَإِنَّ ذَلِكَ يُحْزِنُهُ''. (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم تین ساتھی رہو، تو ایک ساتھی کو چھوڑ کر کانا پھوسی نہ کرو کہ یہ بات اس کے لئے ملال کا باعث ہوگی۔

مشورہ — ایک امانت!

(۴۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ''الْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ''. (۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص سے مشورہ لیا جائے، وہ امین ہے۔

تشریح : یعنی جیسے امانت کا صحیح طریقہ پر واپس لوٹانا ضروری ہے، اسی طرح دھوکہ اور کسی کی رعایت کئے بغیر درست مشورہ دینا بھی ضروری ہے، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ جیسے امانت کی حفاظت کی جاتی ہے، اسی طرح اگر مشورہ کرنے والا چاہتا ہو کہ اس کی بات کسی اور کے سامنے نہ ذکر کی جائے تو اس کی بات دوسروں کے سامنے ذکر نہ کی جائے۔

دوسروں کے ساتھ رویہ

(۴۲) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ''عَلِّمُوا ، وَيَسِّرُوا ، وَلَا تُعَسِّرُوا ،

(۱) صحيح مسلم، كتاب السَّلَامِ، بَابُ تَحْرِيمِ مُنَاجَاةِ الِاثْنَيْنِ دُونَ الثَّالِثِ بِغَيْرِ رِضَاهُ، حدیث نمبر: ۲۱۸۴۔

(۲) سنن أبي داود، كتاب الأدب، بَابٌ فِي الْمَشُورَةِ، حدیث نمبر: ۵۱۲۸۔

وَ إِذَا غَضِبْتَ فَاسْكُتْ ، وَ إِذَا غَضِبْتَ فَاسْكُتْ ، وَ إِذَا غَضِبْتَ فَاسْكُتْ''. (۱)

آپ ﷺ نے فرمایا: تعلیم دو، آسانی برتو، دشواری پیدا نہ کرو، جب تم کو غصہ آجائے تو خاموش ہوجاؤ، جب تم کو غصہ آجائے تو خاموش ہوجاؤ، جب تم کو غصہ آجائے تو خاموش ہوجاؤ۔

تشریح : غصہ کی حالت میں جب آدمی کسی کی بات کا جواب دینے لگتا ہے تو زبان تیز ہوجاتی ہے اور اس کی وجہ سے اختلاف بڑھ جاتا ہے؛ اس لئے آپ ﷺ نے تاکید کے ساتھ تین مرتبہ فرمایا کہ جب غصہ آئے تو خاموشی اختیار کرلو۔

پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک

(۴۳) عَن أَبِي شُرَيْح ، أَن النَّبِي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : ''وَاللهِ لَا يُؤْمِن ، وَاللهِ لَا يُؤْمِنُ ، وَاللهِ لَا يُؤْمِنُ ، قِيْلَ : وَمَنْ ؟ يَا رَسُوْلَ اللهِ ، قَالَ : الَّذِي لَا يَأْمَن جَاره بوائقه''. (۲)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خدا کی قسم! وہ مسلمان نہیں ہوسکتا، خدا کی قسم! وہ مسلمان نہیں ہوسکتا، خدا کی قسم! وہ مسلمان نہیں ہوسکتا، دریافت کیا گیا: کون اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا: جس کا پڑوسی اس کے شر سے مامون نہ ہو۔

تشریح : یعنی مسلمان کی شان یہ ہے کہ اس کے پڑوسی کو اس کی طرف سے تکلیف پہنچانے کا اندیشہ نہ ہوتا ہو؛ بلکہ وہ اس کی طرف سے مطمئن رہتا ہو۔

---

(۱) مسند الإمام أحمد، حدیث نمبر: ۲۵۵٦۔

(۲) بخاري، کتاب الأدب، باب إثم من لا یأمن جاره بوائقه، حدیث نمبر: ٥٦٧٠۔

(۴۴) عَن أبي هُرَيْرَة قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ''من كَانَ يُؤمن بِالله وَالْيَوْم الآخر فَلَا يؤذِيْ جَارَهٗ ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِن بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ ، وَمن كَانَ يُؤْمِنُ بِالله وَالْيَوْم الآخر فَلْيَقُلْ خَيْراً أَوْ لِيَسْكُتْ''. (۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے اور جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو، وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے، اور جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو، وہ یا تو اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔

راستہ کا حق

(۴۵) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيّ ، عَنِ النَّبِيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : ''إِيَّاكُمْ وَالْجُلُوسَ فِي الطُّرُقَاتِ'' قَالُوا : يَا رَسُولَ اللهِ مَا لَنَا بُدٌّ مِنْ مَجَالِسِنَا نَتَحَدَّثُ فِيهَا ، قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ''فَإِذَا أَبَيْتُمْ إِلَّا الْمَجْلِسَ فَأَعْطُوا الطَّرِيقَ حَقَّهُ'' قَالُوا : وَمَا حَقُّهُ ؟ قَالَ : ''غَضُّ الْبَصَرِ ، وَكَفُّ الْأَذَى ، وَرَدُّ السَّلَامِ وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ ، وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ''. (۲)

آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ راستوں میں بیٹھنے سے بچو، لوگوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہمیں بات چیت کرنے کے لئے بیٹھنا پڑتا ہے، آپ نے فرمایا: اگر تم کو بیٹھنا ہی ہے تو پھر راستے کا حق ادا

(۱) مسلم، کتاب الإیمان، باب الحث علی إکرام الجار والضیف الخ، حدیث نمبر: ۴۷۔

(۲) صحیح مسلم، کتاب اللِّبَاسِ وَالزِّينَةِ، بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْجُلُوسِ فِي الطُّرُقَاتِ، حدیث نمبر: ۲۱۲۱۔

کرو، لوگوں نے دریافت کیا: راستے کا حق کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نگاہوں کو پست رکھنا، یعنی غیر محرم عورتوں کی طرف نظر نہ اُٹھانا، تکلیف دہ چیزوں کو راستے سے ہٹا دینا، سلام کا جواب دینا، راستہ چلنے والوں کو اچھی بات کی ترغیب دینا اور بُری بات سے روکنا۔

(۴۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : ''بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي فِي طَرِيقٍ إِذْ وَجَدَ غُصْنَ شَوْكٍ فَأَخَّرَهُ فَشَكَرَ اللّٰهُ لَهُ فَغَفَرَ لَهُ''. (۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک شخص راستہ میں چل رہا تھا کہ اسے ایک کانٹے دار ٹہنی ملی، اس نے کانٹے دار ٹہنی کو راستہ سے ہٹا دیا تو اللہ نے اس کے اس عمل کی بڑی قدردانی فرمائی اور اس کی بخشش کردی۔

عام ضرورت کی چیزوں میں فراخ دلی کی ترغیب

(۴۷) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلاَثٌ لاَ يُمْنَعْنَ : الْمَاءُ ، وَالْكَلأُ ، وَالنَّارُ . (۲)

آپ ﷺ نے فرمایا: تین چیزیں روکی نہ جائیں: پانی، گھاس اور آگ۔

تشریح: یعنی یہ چیزیں عام لین دین کی ہیں، اگر کسی کے پاس اپنی ضرورت سے زیادہ پانی ہو اور دوسرا شخص پانی طلب کرے، یا اپنی ضرورت سے زیادہ گھاس ہو اور دوسرا شخص گھاس مانگے، یا تمہارے پاس آگ سلگی ہوئی ہو اور دوسرے شخص کو چولہا جلانے کے لئے آگ کی ضرورت ہو تو اس شخص کی ضرورت کو پورا کرو، اس کو روکو نہیں کہ یہ عام لین دین کی چیز ہے،

(۱) سنن الترمذي، أَبْوَابُ البِرِّ وَالصِّلَةِ، بَابُ مَا جَاءَ فِي إِمَاطَةِ الأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ، حدیث نمبر: ۱۹۵۸۔

(۲) ابن ماجة، كتاب الرهون، باب المسلمون شركاء في ثلاث، حدیث نمبر: ۲۴۷۲۔

حضرت عائشہؓ کی ایک حدیث میں گھاس کے بجائے نمک کا ذکر ہے، یعنی اگر کسی شخص کو اتفاق سے نمک کی ضرورت پڑ جائے اور تمہارے پاس نمک موجود ہو تو نمک دے دیا کرو۔

گھر والے کا لحاظ

(۴۸) عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ : ''إِذَا اسْتَأْذَنَ أَحَدُكُمْ ثَلَاثًا فَلَمْ يُؤْذَنْ لَهُ فَلْيَرْجِعْ''. (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص تین دفعہ اجازت چاہے، مگر اس کو اجازت نہ ملے تو اسے واپس ہو جانا چاہئے۔

تشریح : یعنی اگر کسی سے ملاقات کے لئے جایا جائے، دستک دی جائے، یا آواز دی جائے اور کوئی جواب نہ ملے تو ملاقات پر اصرار نہیں کرنا چاہئے اور برا بھی نہ ماننا چاہئے؛ بلکہ واپس ہو جانا چاہئے کہ شاید اہل خانہ کسی ضرورت کی وجہ سے ملاقات کرنے کے موقف میں نہیں ہوں۔

(۴۹) عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ أَنَّهُ اسْتَأْذَنَ مُسْتَقْبِلَ الْبَابِ ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ''لَا تَسْتَأْذِنْ مُسْتَقْبِلَ الْبَابِ'' . (۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس طرح گھر میں داخل ہونے کی اجازت طلب نہ کرو کہ تم دروازے کے عین سامنے ہو۔

تشریح : یعنی گھر اسی لئے ہوتا ہے کہ انسان دوسروں کی نظر سے بچ سکے، تو اس طرح کسی کے گھر کے سامنے کھڑا نہ ہونا چاہئے کہ گھر کے لوگوں پر نظر پڑ جائے۔

---

(۱) المعجم الأوسط، حدیث نمبر: ۷۵۹۷۔

(۲) المعجم الكبير، حدیث نمبر: ۵۳۹۳۔

بھلائی کی ترغیب

(۵۰) عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ''مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ''. (۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کسی اچھے کام کے لئے دوسرے کو ترغیب دے، تو ترغیب دینے والے کو بھی اس نیک کام کرنے والے کے برابر ثواب حاصل ہوگا۔

شجرکاری اور کھیتی

(۵۱) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ''مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا أَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَأْكُلُ مِنْهُ طَيْرٌ أَوْ إِنْسَانٌ أَوْ بَهِيمَةٌ إِلاَّ كَانَ لَهُ بِهِ صَدَقَةٌ''. (۲)

آپ ﷺ نے فرمایا: مسلمان جو بھی درخت لگاتا ہے، یا کھیتی کرتا ہے، پھر اس میں سے کوئی پرندہ یا انسان یا جانور کھالیتا ہے تو وہ اس کے لئے صدقہ ہوتا ہے۔

ناشکری سے بچنے کا نسخہ

(۵۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ''انْظُرُوا إِلَى مَنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ ، وَلَا تَنْظُرُوا إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقَكُمْ ، فَهُوَ أَجْدَرُ أَنْ لَا تَزْدَرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ قَالَ أَبُو مُعَاوِيَةَ عَلَيْكُمْ''. (۳)

(۱) المعجم الأوسط، حدیث نمبر: ۴۷۹۱۔

(۲) مسلم، کتاب المساقاة، باب فَضْلِ الْغَرْسِ وَالزَّرْعِ، حدیث نمبر: ۴۰۵۵۔

(۳) صحیح المسلم، کتَابُ الزُّهْدِ وَالرَّقَائِقِ، حدیث نمبر: ۲۹۶۳۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اس شخص کو دیکھو جو تم سے کمتر حالت پر ہو، اس شخص کو نہ دیکھو جو تم سے بہتر حالت میں ہے، اس کا فائدہ یہ ہے کہ تم پر اللہ کی جو نعمت ہے، تم اس کو حقیر نہیں سمجھو گے۔

تشریح : انسان اکثر اپنے سے زیادہ دولت مند یا صحت مند، یا زیادہ باعزت شخص کو دیکھتا ہے تو اس میں لالچ پیدا ہو جاتی ہے، اللہ نے اس کو جو نعمتیں دی ہیں، وہ اس کو کمتر محسوس ہونے لگتی ہیں؛ اس لئے انسان کو اپنے سے کمتر شخص کو دیکھنا چاہئے؛ تاکہ اس کے اندر شکر کا جذبہ پیدا ہو۔

بہترین خطاکار

(۵۳) عَنْ أَنَسٍ ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : ''كُلُّ ابْنِ آدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ'' . (۱)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر انسان غلطی کرتا ہے؛ لیکن بہترین غلطی کرنے والا وہ ہے، جو اپنی غلطی سے رُجوع کرلے۔

کوشش، پھر اللہ پر بھروسہ

(۵۴) عن المُغِيرَةُ بْنُ أَبِي قُرَّةَ السَّدُوسِيُّ ، قَالَ : سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ ، يَقُولُ : قَالَ رَجُلٌ : يَا رَسُولَ اللهِ أَعْقِلُهَا وَأَتَوَكَّلُ ، أَوْ أُطْلِقُهَا وَأَتَوَكَّلُ ؟ قَالَ : ''اعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ'' . (۲)

ایک شخص نے عرض کیا: میں اونٹنی کو باندھ دوں اور اللہ پر بھروسہ کروں یا اسے کھلا چھوڑ دوں اور بھروسہ کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسے باندھ دو اور اللہ پر بھروسہ کرو۔

---

(۱) سنن الترمذي، أَبْوَابُ صِفَةِ الْقِيَامَةِ وَالرَّقَائِقِ وَالْوَرَعِ، حدیث نمبر: ۲۴۹۹۔

(۲) سنن الترمذي، أَبْوَابُ الزُّهْدِ، بَابٌ فِي التَّوَكُّلِ عَلَى اللَّهِ، حدیث نمبر: ۲۵۱۷۔

تشریح : یعنی اللہ پر بھروسہ کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان اسباب کو اختیار نہ کرے ؛ بلکہ اللہ پر بھروسہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اسباب اختیار کئے جائیں ، محنت کی جائے اور اس کے بعد اللہ کی طرف سے جو نتیجہ مرتب ہو، انسان اس پر راضی رہے۔

● ● ●

وداعی خطاب!

جب مکہ فتح ہوگیا ، پورا جزیرہ دامن اسلام میں آ گیا ، اسلام کی دعوت عرب کی سرحدوں سے نکل کر عجمی نژاد حکومتوں اور اس عہد کی بڑی طاقتوں تک پہنچ گئی ، اور آپ ﷺ کو یہ اشارۂ غیبی مل گیا کہ مقصد بعثت کی تکمیل ہوچکی ہے ، اور اب نبوت کے آفتاب جہاں تاب کو روپوش ہونا ہے ، تو ہجرت کے دسویں سال آپ ﷺ نے حج کا ارادہ فرمایا ، یہ حج فرض ہونے کے بعد آپ ﷺ کا پہلا اور آخری حج تھا ، اور اس سال کا انتخاب اس لئے کیا گیا تھا کہ اس سال حج اپنے صحیح وقت پر ہورہا تھا ، ورنہ تو اس سے پہلے زمانۂ جاہلیت کے طریقہ کے مطابق سال میں دنوں کے اضافہ اور کمی کی وجہ سے حج اپنے وقت سے پہلے ہورہا تھا ، یہ پورے جزیرۃ العرب میں پھیلے ہوئے مسلمانوں سے آپ ﷺ کی آخری ملاقات تھی ، اسی لئے آپ ﷺ نے اس حج کے موقع سے کئی خطبے ارشاد فرمائے ۔

ان خطبات میں سب سے تفصیلی خطبہ وہ ہے ، جو ۹ ؍ ذوالحجہ (یوم عرفہ) کو اپنی اونٹنی ''قصویٰ'' پر کھڑے ہوکر جبل رحمت کے قریب آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا ، اس حج میں تقریباً سوا لاکھ اہل ایمان آپ ﷺ کے ساتھ شریک تھے ، اور ربیعہؓ بن امیہ بن خلف کو اس بات پر آپ ﷺ نے مامور فرمایا تھا کہ وہ بلند آواز میں آپ ﷺ کے خطبہ کو لوگوں تک پہنچائیں ، یہ خطبہ اسلامی زندگی کا پورا نقشہ پیش کرتا ہے ، مسلمانوں کے باہمی روابط ، قصاص کے سلسلہ میں جاہلی نظام کی تردید ، مالیات سے متعلق بنیادی احکام ، توحید ، انسانی وحدت ، غلاموں اور عورتوں کے ساتھ حسن سلوک ، اور بنیادی انسانی حقوق ، گویا اسلامی نظام حیات کا ایک اُصولی اور دستوری منشور ہے ، جسے دریا بکوزہ کے مصداق آپ نے چند خوبصورت ، اثر انگیز اور معنویت سے بھرپور فقروں میں سمیٹ دیا ہے ، مختلف اہل علم نے اس خطبہ کو جمع کرنے

کی کوشش کی ہے، اور جناب صبار دانش نے ''خطبہ حجۃ الوداع'' کے عنوان سے مختلف احادیث اور کتبِ سیرت سے اس خطبہ کے فقروں کو جمع کیا ہے، جو شاید اس سلسلہ کی سب سے نتیجہ خیز کاوش ہے، اس فکر انگیز خطبہ کا ترجمہ اس حقیر کے قلم سے پیش خدمت ہے :

● تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، ہم اسی کی ستائش کرتے ہیں، اسی سے مدد کے خواستگار ہیں، مغفرت کے طالب ہیں اور اسی کی طرف توبہ کرتے ہیں، ہم اپنے نفسوں کی برائیوں اور برے اعمال سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں، اللہ تعالیٰ جسے ہدایت عطا فرمائے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا، اور جسے محروم کردے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا، میں گواہی دیتا ہوں کہ تنہا اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، نہ اس کا کوئی شریک ہے، اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

● اللہ کے بندو! میں تم لوگوں کو اللہ کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں، اس کی فرمانبرداری کی تلقین کرتا ہوں، اور بہتر بات سے اپنی گفتگو کا آغاز کرتا ہوں۔

● حمد و ستائش کے بعد، لوگو! میری بات سنو تو تمہیں زندگی ملے گی، میں تم پر اچھی طرح واضح کردیتا ہوں؛ کیوں کہ مجھے نہیں معلوم کہ اس سال کے بعد اس جگہ میری تم لوگوں سے ملاقات ہوسکے گی یا نہیں؟ — پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسیح دجال کا ذکر کیا، اور تفصیل سے اس کا ذکر فرمایا، پھر ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی بھیجا اس نے اپنی اُمت کو دجال سے ڈرایا ہے، حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی اُمت کو ڈرایا، اسی طرح آپ کے بعد دوسرے پیغمبروں نے بھی اپنی اُمتوں کو ڈرایا ہے، اور وہ تم لوگوں کے بیچ نکلے گا، تم پر اس

کی حالت پوشیدہ نہیں رہے گی، تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ وہ دائیں آنکھ سے کانا ہوگا، آنکھ ایسی ہوگی گویا گردش کرتا ہوا دانۂ انگور، خبردار! تم پر اس کی حالت مخفی نہ رہے، تم اس بات سے خوب واقف ہو کہ تمہارا پروردگار کانا نہیں ہے، آپ ﷺ نے اس بات کو مکرر ارشاد فرمایا۔

● اے لوگو! یہ کون سا دن ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: حرمت والا دن ہے، ارشاد ہوا: یہ کون سا شہر ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: حرمت والا شہر، پھر ارشاد ہوا: یہ کون سا مہینہ ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: حرمت والا مہینہ ـــ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہارا خون، تمہارا مال، تمہاری عزت وآبرو، تمہارے جسم اور تمہاری اولاد تم میں سے ایک دوسرے پر حرام ہیں، اس وقت تک جب تک کہ تم اپنے رب سے جاملو، ٹھیک اسی طرح جیسا کہ تمہارے اس دن کی، تمہارے اس مہینہ کی اور تمہارے اس شہر کی حرمت ہے، اور بے شک تم عنقریب اپنے پروردگار سے ملوگے، وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں سوال کرے گا، سنو! کیا میں نے خدا کا پیغام پہنچا دیا؟ لوگوں نے عرض کیا: ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! گواہ رہنا!!

● جس کے پاس کوئی امانت ہو، وہ اسے صاحب امانت کو واپس کردے، قرض ادا کیا جائے، عاریت پر لی ہوئی چیز لوٹائی جائے، دُودھ کے لئے ہدیہ کیا ہوا جانور دُودھ سے استفادہ کے بعد مالک کو لوٹا دیا جائے، ضمانت قبول کرنے والا اپنی ضمانت کا ذمہ دار ہے، آگاہ ہوجاؤ! جاہلیت کی تمام باتیں میرے قدموں کے نیچے

دفن کی جاتی ہیں، تمام سودی معاملات کالعدم قرار دیئے جاتے ہیں؛ البتہ تم کو اپنا اصل مال لینے کی اجازت ہے، نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے، اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ سود کی اجازت نہیں، اور پہلا سودی معاملہ جسے میں کالعدم قرار دیتا ہوں، میرے چچا عباسؓ بن عبد المطلب کا وصول طلب سود ہے، عہد جاہلیت کے خون ساقط کئے جاتے ہیں، پہلا خون جسے میں ختم کرتا ہوں (میرے خاندان کے ایک شخص) عامر بن ربیعہ کا خون ہے، جو قبیلۂ بنولیث میں زیر پرورش تھا، اور اسے قبیلۂ ہذیل کے لوگوں نے قتل کردیا تھا۔

● خبردار! زمانۂ جاہلیت کے تمام طریقے، تمام خون، پانی اور مال کے دعوے میرے ان دونوں قدموں کے نیچے پامال ہیں، سوائے بیت اللہ شریف کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت کے، جان بوجھ کر قتل کرنے میں قصاص ہے، شبہ عمد وہ ہے، جس میں لاٹھی اور پتھر سے قتل کا ارتکاب ہو، اور اس میں ایک سو اونٹ بطور دیت واجب ہیں، جس نے اس میں زیادتی کی، وہ اہل جاہلیت میں سے ہے، سنو! کیا میں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا؟ اے اللہ! آپ گواہ رہیں۔

● اے گروہ قریش! ایسا نہ ہو کہ تم قیامت کے دن اپنی گردنوں پر دنیا اُٹھا کر لاؤ، اور لوگ اپنے ساتھ آخرت لے کر آئیں، میں اللہ کے مقابلہ تمہارے کام نہیں آسکتا — اے گروہ قریش! بے شک اللہ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور آباء واجداد پر فخر وغرور کو ختم کردیا ہے۔

● اے لوگو! تم سب کا رب ایک ہے، اور تم سب کے باپ

بھی ایک ہیں، تم سب آدم کی اولاد ہو، اور آدم کی تخلیق مٹی سے ہوئی تھی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۔ (۱)

اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد وعورت سے پیدا کیا ہے، اور تمھیں، خاندانوں اور قبیلوں میں تقسیم کیا ہے؛ تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے باعزت شخص وہ ہے، جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہو، بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والے، خبر رکھنے والے ہیں۔

● کسی عربی کو کسی عجمی پر، اور کسی عجمی کو کسی عربی پر فضیلت حاصل نہیں، نہ کسی گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر فضیلت حاصل ہے، مگر تقویٰ ہی کی بنیاد پر، سنو! کیا میں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا؟ اے اللہ! آپ گواہ رہئے، لوگوں نے عرض کیا: ہاں۔

● اے لوگو! شیطان اس بات سے مایوس ہو گیا ہے، کہ تمہاری اس زمین میں کبھی بھی اس کی پرستش ہوگی؛ لیکن وہ اس بات پر راضی ہے کہ عبادت کے سوا تمہارے ان اعمال میں شیطان کی اطاعت کی جائے، جنھیں تم معمولی خیال کرتے ہو؛ لہٰذا اپنے دین کے معاملہ میں شیطان سے بچ کر رہو۔

● اے لوگو! ''نسیٔ'' (مہینہ کو ہٹا کر آگے پیچھے کر دینا) کفر میں زیادتی ہے، اس سے وہ لوگ گمراہ ہوتے ہیں، جنھوں نے کفر

(۱) الحجرات: ۱۳۔

کیا ہے، وہ ایک سال تو اسے حلال کر لیتے ہیں، اور دوسرے سال حرام؛ تاکہ حرمت کے مہینوں کی جو تعداد مقرر ہے، اسے پورا کر لیں؛ چنانچہ اسی طرح وہ اللہ کے حرام کئے ہوئے کو حلال اور اللہ کے حلال کئے ہوئے کو حرام کر لیتے ہیں، کسی سال صفر کو حلال کر لیتے ہیں، (اور دوسرے سال حرام) اور ایک سال محرم کو حرام قرار دیتے ہیں، (اور دوسرے سال حلال) — یہی ''نَسِیٔ'' ہے، اب زمانہ گھوم کر اسی ہیئت پر آ گیا ہے، جس پر وہ آسمان و زمین کی تخلیق کے دن سے تھا، مہینوں کی تعداد اللہ کے نزدیک آسمان و زمین کی پیدائش ہی کے دن سے بارہ ہے، جس کا ذکر اللہ کی کتاب میں ہے، ان میں سے چار مہینے حرام ہیں، تین مہینے مسلسل اور ایک مہینہ الگ سے، ذوقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب جو جمادی الثانیہ اور شعبان کے درمیان ہے، یہی درست دین ہے؛ لہٰذا ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو، — سنو! کیا میں نے تم کو اللہ کا پیغام پہنچا دیا؟ بارِالٰہا! آپ گواہ رہئے!!

● اے لوگو! بے شک تمہاری عورتوں کے تم پر حقوق ہیں، اور تمہارا بھی ان پر حق ہے، کہ وہ تمہارے بستر کو تمہارے سوا کسی اور کو روندنے کا موقع نہ دیں، (بالخصوص جن کو تم ناپسند کرتے ہو) اور کسی ایسے شخص کو تمہاری اجازت کے بغیر تمہارے گھر میں داخل نہ ہونے دیں، جن کا داخل ہونا تمہیں ناگوار ہو، وہ کھلی ہوئی بے حیائی کا ارتکاب نہ کریں، اور اچھی بات میں تمہاری نافرمانی کا ارتکاب نہ کریں، پھر اگر تمہیں ان کی طرف سے سرکشی کا اندیشہ ہو، تو اللہ تعالیٰ نے تم کو اجازت دی ہے کہ انھیں سمجھاؤ، اس سے باز آنے پر مجبور کرو، ان سے بستر الگ کر لو، اور ان کی ایسی سرزنش کرو جو

تکلیف دہ نہ ہو، پس اگر وہ باز آ جائیں اور معروف یعنی اچھی باتوں میں تمہاری اطاعت کرنے لگیں تو تم پر واجب ہے کہ بہتر طریقہ پر ان کی خوراک و پوشاک کا نظم کرو، عورتیں گویا تمہاری قید میں ہیں، کہ وہ اپنے آپ کے لئے کسی چیز پر قادر نہیں ہیں، تم نے انھیں اللہ کی امانت کے طور پر حاصل کیا ہے، اور اللہ کے احکام کے واسطے سے ان کی عصمتوں کو اپنے اوپر حلال کیا ہے؛ لہٰذا عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو، اور ان کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کی نصیحت کو قبول کرو۔

● اپنے غلاموں کا خیال رکھو، جو خود کھاؤ وہ انھیں کھلاؤ، جو خود پہنو وہ انھیں پہناؤ، اگر وہ کوئی ایسا گناہ کر گذریں جنھیں تم معاف نہیں کرنا چاہتے تو انھیں فروخت کر دو، اللہ کے بندو! انھیں عذاب نہ دو، سنو! کیا میں نے تم کو اللہ کے پیغام پہنچا دیئے؟ خداوندا! آپ گواہ رہئے!!

● اے لوگو! اپنے امیر کی بات سنو، اور اس کی اطاعت کرو، اگر چہ تم پر کوئی ناک کٹا حبشی غلام ہی کیوں نہ امیر بنایا گیا ہو، جو تمہارے معاملات میں اللہ کی کتاب کو نافذ کرتا ہو —— اے لوگو! اچھی طرح سمجھ لو، اور میری بات کو سن لو، کہ میں نے خدا کا پیغام تم تک پہنچا دیا ہے، اور میں تمہارے درمیان ایک واضح چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں، اگر تم انھیں تھامے رہو گے، تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے، "اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت" لہٰذا اس پر عمل کرو۔

● اے لوگو! میری بات سنو، کہ میں اللہ کا پیغام تم کو پہنچا چکا ہوں، اور اسے اچھی طرح سمجھ لو؛ تا کہ تم جان لو کہ ہر مسلمان

مسلمان کا بھائی ہے، اور تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں، کسی شخص کے لئے اس کے بھائی کا مال حلال نہیں ہے سوائے اس کے جو اس نے اپنی خوشی سے عطا کیا ہو، پس تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو ـــ آگاہ ہوجاؤ، کسی عورت کے لئے شوہر کی اجازت کے بغیر اس کے مال میں سے کچھ دے دینا جائز نہیں، سنو! کیا میں نے تمہیں خدا کا پیغام نہیں پہنچادیا؟ اے اللہ! آپ گواہ رہیں!!

● خبر دار! میرے بعد کفر کی طرف نہ پلٹ جانا کہ تم ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو، آگاہ رہو، کیا میں نے تم کو اللہ کا پیغام پہنچا نہیں دیا؟ بارِالٰہا! گواہ رہئے!!

● اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کا حق متعین کر دیا ہے اور ہر وارث کا حصۂ میراث مقرر فرما دیا ہے؛ لہٰذا کسی وارث کے لئے وصیت جائز نہیں، اور تہائی سے زیادہ وصیت (کسی اور کے لئے بھی) جائز نہیں۔

● خبردار! اولاد اس شخص کی ہے جس کے بستر پر پیدا ہوئی ہو، اور زانی کے لئے پتھر (محرومی) ہے، اور اس کا حساب اللہ کے حوالہ ہے ـــ آگاہ رہو! جس نے اپنے باپ سے بے رغبتی کی وجہ سے دوسرے کی طرف اپنے آپ کو منسوب کیا، یا کسی غلام نے دوسرے کو اپنا مالک قرار دیا، تو اس پر اللہ کی، فرشتوں کی، اور تمام انسانوں کی لعنت ہے، اللہ تعالیٰ اس سے نہ فرض قبول کریں گے اور نہ نفل ـــ خبردار! مجرم اپنے آپ ہی ہر جرم کرتا ہے، کسی کے جرم کی ذمہ داری اس کی اولاد پر یا اولاد کے جرم کی ذمہ داری اس کے والد پر نہیں ہے۔

● اے لوگو! میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، اور نہ تمہارے بعد کوئی اُمت آنے والی ہے، خبر دار! ہر نبی کی دعوت سوائے میرے ختم ہوچکی ہے، میں نے اس کو قیامت تک کے لئے اپنے پرودگار کے پاس جمع کر دیا ہے؛ (لہٰذا اب قیامت تک کسی کو نبوت عطا نہیں ہوگی) بے شک انبیاء کثرت تعداد پر فخر کریں گے، پس تم مجھ کو رُسوا نہ کرنا، میں ''حوض کوثر'' کے دروازہ پر تم لوگوں کا انتظار کروں گا۔

● سنو! اپنے پروردگار کی بندگی کرو، پنج وقتہ نماز ادا کرو، رمضان المبارک کا روزہ رکھو، خوش دلی کے ساتھ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرو، اپنے پروردگار کے گھر کا حج کرو، اپنے امیروں کی اطاعت کرو، اور اس طرح اپنے پروردگار کی جنت میں داخل ہو جاؤ ـــــ راوی کہتے ہیں کہ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں صدقہ کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: خوب صدقہ کرو، نہیں معلوم کہ تم اس سال کے بعد پھر مجھے دیکھ پاؤ گے یا نہیں؟ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل یمن کے لئے ''یلملم'' اور اہل عراق یا اہل مشرق کے لئے ''ذات عرق'' کو میقات (احرام باندھنے کی آخری جگہ) قرار دیا۔

● میں تمہیں بتاتا ہوں کہ مسلمان کون ہیں؟ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے تمام مسلمان محفوظ ہوں، میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ مومن کون ہے؟ مومن وہ ہے جس سے مسلمان اپنی جان و مال کے معاملہ میں مامون ہوں، میں بتاتا ہوں کہ مہاجر کون ہے؟ مہاجر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی برائیوں سے بچے، اور مجاہد وہ ہے جو اللہ کی اطاعت وفرماں برداری

میں اپنے نفس سے جہاد کرے، ایک مومن دوسرے مومن پر اسی طرح حرام ہے، جیسا کہ آج کے دن کی حرمت ہے، ایک مسلمان کا گوشت دوسرے مسلمان پر حرام ہے، اور یہ جائز نہیں کہ وہ اس کی غیبت کی صورت میں اسے کھائے، کسی مومن کو تکلیف پہنچانا حرام ہے، مومن پر حرام ہے کہ دوسرے مسلمانوں کو از راہ تحقیر دھکا دے، ایک مومن پر دوسرے مومن کی عزت ریزی حرام ہے، اور ایک مومن کے چہرے پر طمانچہ مارنا دوسرے مومن کے لئے حرام ہے، اللہ پر قسمیں نہ کھایا کرو، (یعنی یہ نہ کہو کہ خدا کی قسم! فلاں شخص فلاں کام ضرور ہی کرے گا) جس نے اللہ کے ذمہ لگا کر قسمیں کھائیں، اللہ تعالیٰ اس کو جھوٹا ظاہر کر دے گا۔

● میں بھی جواب دہ ہوں اور تم لوگ بھی جوابدہ ہو، تم لوگوں سے میرے بارے میں سوال ہوگا تو تم کیا کہو گے؟ صحابہ نے عرض کیا: ہم گواہی دیں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا، پیغام رسانی کا حق ادا کر دیا، اور ہم لوگوں کے ساتھ خیر خواہی فرمائی، پس اللہ تعالیٰ آپ کو بہترین اجر عطاء فرمائے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم لوگ اس بات کی گواہی نہیں دیتے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، جنت حق ہے، دوزخ حق ہے، قیامت آ کر رہے گی، جس میں کوئی شبہ نہیں اور اللہ تعالیٰ قبر والوں کو پھر زندہ فرمائیں گے؟؟ سامعین نے عرض کیا: ہم لوگ اس کی گواہی دیتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی انگشت شہادت آسمان کی طرف اُٹھاتے اور پھر لوگوں کی طرف جھکاتے ہوئے تین بار فرمایا: بارِ الٰہا! آپ گواہ رہئے!!

● پھر فرمایا: اے لوگو! میں حوض کوثر پر تم لوگوں سے پہلے پہنچنے والا ہوں، پھر تم بھی اس حوض پر آؤ گے، اس حوض کی وسعت بصریٰ سے مقام صنعاء کی مسافت کے برابر ہے، اس حوض میں ستاروں کی تعداد کے برابر چاندی کے پیالے ہیں، جب تم میرے پاس آؤ گے تو میں تم سے کتاب وسنت (ثقلین) کے بارے میں دریافت کروں گا، تو تم اچھی طرح نظر رکھنا کہ میرے بعد ان دونوں کے ساتھ تمہارے کیا معاملہ رہتا ہے؟ "ثقل اکبر" اللہ کی کتاب ہے، جس کا ایک کنارہ اللہ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا کنارہ تمہارے ہاتھ میں ہے، پس اس کو مضبوطی سے تھامے رہو، نہ راہ راست سے ہٹو، نہ اس میں کوئی تبدیلی کرو، اور میری عترت، میرے اہل بیت، میں مجھے خدائے لطیف وخبیر نے بتایا ہے کہ یہ دونوں (کتاب اللہ، اور عترت رسول) ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ حوض کوثر پر آ جائیں۔

● بے شک صدقہ میرے لئے اور میرے اہل بیت کے لئے حلال نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اونٹنی کی گردن کا ایک بال پکڑا اور فرمایا: خدا کی قسم! اس کے برابر اور اس کے ہم وزن زکوٰۃ بھی ان کے لئے جائز نہیں۔

● پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو اس وقت موجود ہے، وہ اس کو پیغام پہنچا دے جو موجود نہیں ہے، ممکن ہے کہ جسے پیغام پہنچایا جائے، وہ سننے والے سے زیادہ اس کو محفوظ کرنے والا ہو، سنو! کیا میں نے تمہیں خدا کا پیغام پہنچا نہیں دیا؟؟

تم پر سلامتی اور اللہ کی رحمتیں ہوں

یہ وہ عظیم الشان، معنویت سے بھرپور اور مضامین کے اعتبار سے جامع ترین خطبہ ہے، جو آپ ﷺ نے ۹؍ذی الحجہ ۱۰ھ کو عرفات کے میدان میں دیا تھا، جناب صبار دانش نے حدیث وسیرت اور عربی زبان وادب سے متعلق ۱۹؍کتابوں سے اس خطبے کے اقتباسات کو جمع کیا ہے، یہ خطبہ ایک طرف مسلمانوں کے لئے انفرادی اور اجتماعی زندگی اور حقوق اللہ اور حقوق الناس کے سلسلہ میں روشن چراغ اور مینارۂ نور ہے، اور دوسری طرف انسانی حقوق کا ایک جامع چارٹ اور راہنما دستور ہے، جس میں جان و مال اور عزت وآبرو کی حفاظت، عورتوں اور غلاموں کے حقوق، اور ان تمام اُمور پر روشنی ڈالی گئی ہے، جو ایک امن وسلامتی کے متلاشی سماج کے لئے ضروری ہے، آیئے اس خطبہ کو بار بار پڑھئے، اس آئینہ میں اپنی تصویر دیکھنے کی کوشش کیجئے، اور اپنی زندگی کے خط وخال کو درست کیجئے :

بہ مصطفیٰ بہ رساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
وگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی ست

●●●

چوتھا باب

اخلاق وعادات

اخلاقِ نبوی کی چند جھلکیاں

اللہ کی طرف سے جو نبی و رسول آتے ہیں، وہ انسانیت کے لئے نمونہ اور آئیڈیل ہوتے ہیں، ان کا ہر عمل لوگوں کے لئے دلیل کی حیثیت رکھتا ہے؛ اسی لئے وہ زندگی کے تمام شعبوں میں اعلیٰ ترین معیار پر قائم رہتے ہیں، ان کی عبادتیں خشوع وخضوع کا نمونہ ہوتی ہیں، ان کے معاملات راست گوئی اور پاکیزگی پر مبنی ہوتے ہیں، ان کی معاشرت حسن سلوک اور سماج کے مختلف طبقہ کے ساتھ اچھے برتاؤ اور حقوق کی ادائیگی کی بہترین مثال ہوتی ہے، وہ اخلاق کی اعلیٰ ترین سطح پر ہوتے ہیں، یہ بات اس لئے بھی ضروری ہے کہ نبی کا بنیادی فریضہ دعوت وتبلیغ ہے اور دعوت کے مؤثر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ مدعو پر اس کے اخلاق وسلوک کے بہترین نقوش ثبت ہوں؛ کیوں کہ محبت اور خوش اخلاقی سخت سے سخت دل کو بھی پگھلانے کی طاقت رکھتی ہے، قرآن مجید میں مختلف انبیاء کرام اور ان کی اقوام کے واقعات ذکر کئے گئے ہیں، ان واقعات میں قوموں کی اپنے انبیاء کے ساتھ بدسلوکی و بدزبانی اور اس کے مقابلہ میں انبیاء کی طرف سے انتہائی درجہ تحمل و بردباری اور خوش گفتاری کا ذکر ملتا ہے۔

جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ بلند اخلاق کی اعلیٰ ترین سطح پر تھے؛ اسی لئے قرآن مجید میں آپ ﷺ کے بارے میں کہا گیا ہے: ''إِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ''(۱) اکثر اخلاقی کمزوریوں کی بنیاد یہ ہوتی ہے کہ انسان کے قول وفعل میں تضاد ہوتا ہے، وہ گفتگو تو بہت اونچی کرتا ہے؛ لیکن عمل میں بہت نیچی سطح پر ہوتا ہے، آپ ﷺ کی زندگی میں قول وفعل کا تضاد بالکل نہیں تھا، آپ ﷺ لوگوں کو جس

---

(۱) القلم: ۴۔

بات کی دعوت دیتے اسی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہوتا؛ اسی لئے حضرت عائشہؓ نے ایک شخص کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اخلاق محمدی کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سراپا قرآن تھے: ''كان خلقه القرآن''۔(۱)

تواضع وانکساری

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج کا نمایاں پہلوتواضع وانکساری کا تھا، آپ مقام نبوت پر فائز ہیں اور پورا جزیرۃ العرب آپ کے قدموں میں ہے؛ لیکن تواضع اور سادگی کا حال یہ تھا کہ گھر پر خود جھاڑو دے لیتے، بازار سے سودا لاتے، جوتی پھٹ جاتی تو اسے سی لیتے، بکری کا دُودھ دوہ لیتے، (۲) کھانے کے لئے بیٹھتے تو نہایت تواضع کی کیفیت کے ساتھ، اور فرماتے کہ میں اس طرح کھاتا ہوں جیسے غلام کو کھانا چاہئے: ''أنا آكل كما يأكل العبد'' اگر کوئی غریب آدمی کسی معمولی سی چیز پر مدعو کرتا تو اس کی دعوت بھی قبول فرما لیتے، مریضوں کے گھر پہنچ کر ان کی عیادت کرتے، غلاموں کی دعوت بھی قبول فرماتے، ہر عام وخاص کے جنازہ میں شریک ہوتے، گدھے کو معمولی سواری سمجھا جاتا تھا، مگر آپ اس کی بھی سواری کیا کرتے تھے اور اگر کوئی غلام دعوت دے تو اسے بھی قبول فرماتے تھے۔(۳)

لوگ تعظیم کے لئے کھڑے ہوتے تو منع فرما دیتے، اگر کسی باندی کا بھی کوئی کام ہوتا اور وہ بھی سرِ راہ اپنی کسی ضرورت کے لئے روکتی تو رُک جاتے، بڑے تو بڑے، چھوٹے بچوں کو بھی سلام فرماتے، (۴) رفقاء کے ساتھ اس طرح بیٹھتے کہ امتیازی شناخت نہ ہونے کی بنا پر لوگ آپ کو پہچان نہیں پاتے، اپنے لئے تعظیم کے جائز الفاظ بھی پسند نہیں فرماتے، ایک بار بعض حاضرین نے عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے آقا (سید) ہیں، فرمایا: ''نہیں، آقا تو خدا کی ذات ہے'' ایک بار لوگوں نے عرض کیا: آپ ہم میں سب سے افضل وبرتر ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس

(۱) مسند احمد: ۹۱/۶۔ (۲) مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۵۶۶۲۔
(۳) مدارج السالکین: ۳۲۸/۲۔ (۴) بخاری، عن انسؓ، حدیث نمبر: ۶۲۴۷۔

تعبیر کو بھی پسند نہیں فرمایا، تواضع وفروتنی کا یہ حال تھا کہ فتح مکہ کے موقعہ پر جب دس ہزار مسلح جاں نثار آپ ﷺ کے گرد وپیش تھے، انکساری کی وجہ سے آپ کا سر مبارک اس قدر جھکا ہوا تھا کہ بار بار اونٹنی کے کوہان سے ٹکرا جاتا تھا۔

آپ کا رہن سہن بھی تواضع کا مظہر تھا؛ ایک بار حضرت عمرؓ بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ کھلی چٹائی پر آرام فرمارہے ہیں، جس پر کوئی بستر بھی نہیں ہے اور سر مبارک کے نیچے چمڑے کا تکیہ ہے، جس میں چھالیں بھری ہوئی ہیں، بدن مبارک پر چٹائی کے نشانات ہیں، حضرت عمرؓ یہ منظر دیکھ کر رونے لگے، آپ ﷺ نے سبب دریافت کیا، کہنے لگے: اللہ کے رسول! قیصر وکسریٰ تو عیش وعشرت میں زندگی گزار رہے ہیں اور آپ اللہ کے رسول ہونے کے باوجود اس حالت میں ہیں، ارشاد ہوا: کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں ہے کہ ان کے لئے دنیا ہو اور ہمارے لئے آخرت۔ (۱)

حج کا سفر فرمایا تو ایک پرانے کجاوے پر، نیز اس پر ایک ایسے کپڑے کا ٹکڑا پڑا ہوا تھا، جس کی قیمت چار درہم سے بھی کم ہی ہوگی :

حج النبی علی رحل رث وقطیفة تساوی اربعة دراھم۔ (۲)

آپ ﷺ چاہتے تو بہتر سے بہتر کپڑا آپ کو میسر آسکتا تھا؛ لیکن آپ ہمیشہ تواضع کا راستہ اختیار کرتے تھے، یہاں تک کہ جب آپ کی وفات ہوئی تو جسم اقدس پر ایک چادر اور گاڑھی کھردری تہبند تھی۔ (۳)

تواضع ہی کا ایک پہلو یہ تھا کہ تعظیم میں مبالغہ کو پسند نہیں کرتے تھے، بعض صحابہ دوسرے علاقوں میں گئے تو دیکھا کہ لوگ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں، انھوں نے آپ ﷺ سے سجدہ کی اجازت چاہی اور عرض کیا: آپ تو ان سے زیادہ مسجود بننے کے مستحق ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اگر کسی کو سجدہ کی اجازت ہوتی تو بیوی کو اجازت ہوتی کہ وہ شوہر کو سجدہ کرے؛

(۱) بخاری، حدیث نمبر: ۵۸۴۳۔ (۲) رواہ ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۲۸۹۰۔

(۳) بخاری، عن عائشہؓ، حدیث نمبر: ۵۸۱۸۔

لیکن خدا کے سوا کسی کے لئے سجدہ روا نہیں، (۱) ایک صاحب دورانِ گفتگو بول پڑے: جو خدا چاہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں، صرف خدا چاہے، (۲) ایک انصاری کی شادی میں کچھ لڑکیاں دُف کے ساتھ نغمے گا رہی تھیں، انھوں نے اس میں ایک مصرع پڑھا: ''وفینا نبی یعلم ما فی غد'' (اور ہمارے بیچ ایسے پیغمبر ہیں جو کل واقع ہونے والی باتوں کو جانتے ہیں) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مصرع کو پڑھنے سے منع فرمادیا، (۳) جس روز آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ کی وفات ہوئی، اتفاق سے اسی دن سورج گہن لگ گیا، جاہلیت کے قدیم تصور کے مطابق لوگ کہنے لگے کہ صاحبزادۂ نبوی کے انتقال کی وجہ سے گہن لگا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً اس کی تردید میں باضابطہ خطبہ ارشاد فرمایا۔

بلکہ بعض دفعہ آپ جس تعریف کے مستحق تھے، وہ بھی کی جاتی تو پسند نہ فرماتے، ایک صاحب خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے مخلوق میں سب سے بہتر شخص (خیر البشر)! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات ہے، (۴) ایک موقع پر فرمایا: کسی کے لئے یہ کہنا مناسب نہیں ہے کہ میں حضرت یونس علیہ السلام بن متیٰ سے افضل ہوں۔ (۵)

آپ نے اس سلسلہ میں ایک اُصولی بات ارشاد فرمائی کہ جیسے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں مبالغہ کیا تھا، تم لوگ میرے بارے میں اس طرح مبالغہ نہیں کرنا: ''لا تطری کما اطرط النصاریٰ الخ''۔ (۶)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تواضع پر عمل بھی کیا اور اُمت کو بھی اس کی تلقین فرمائی؛ کیوں کہ تواضع حسن اخلاق کی بنیاد ہے اور تکبر بداخلاقی کا سب سے بڑا سبب ہے، آپ نے فرمایا: اس شخص

(۱) سنن الترمذی، ابواب الرضاع، باب ماجاء فی حق الزوج علی المرأۃ، حدیث نمبر: ۱۱۵۹۔
(۲) مسند احمد: ۴۳۱/۳، حدیث نمبر: ۱۹۶۴۔ (۳) بخاری، کتاب المغازی، حدیث نمبر: ۴۰۰۱۔
(۴) مسلم، عن انسؓ، حدیث نمبر: ۲۳۶۹۔ (۵) بخاری، عن ابن عباسؓ، حدیث نمبر: ۳۴۱۳۔
(۶) بخاری، عن ابن عباسؓ، حدیث نمبر: ۳۴۴۵۔

کے لئے خوشخبری ہے جوتواضع اختیار کرے: ''طوبٰی لمن تواضع ''(۱) آپ ﷺ نے ارشادفرمایا: جوشخص اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بلندی عطافرماتے ہیں: ''وما تواضع أحد للّٰہ إلا غفرہ اللّٰہ''۔(۲)

چوں کہ تواضع کا پہلو ظاہری سادگی بھی ہے؛ اس لئے آپ لباس و پوشاک اور رہن سہن میں سادگی کو پسند فرماتے تھے، آپ نے فرمایا: سادگی ایمان کا ایک حصہ ہے، (۳) ایک موقع پر ارشادفرمایا کہ جس نے قدرت کے باوجود تواضع اختیار کرتے ہوئے عمدہ لباس نہیں پہنا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے تمام مخلوق کے سامنے بلائیں گے اور جولباس وہ پسند کرے گا، اسے اس کو پہننے کا اختیار دیا جائے گا۔(۴)

اس تواضع کا ایک پہلو یہ تھا کہ آپ ﷺ غرباء کے ساتھ رہنے کو ترجیح دیتے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے غریب لوگوں کے درمیان تلاش کرو، اس لئے کہ تمہیں تمہارے کمزوروں کی وجہ سے ہی رزق دی جاتی ہے اور مدد کی جاتی ہے: ''فإنما ترزقون وتنصرون لضعفائکم''۔(۵)

عفوودرگذر

عفوودرگزر کا باب آپ کے یہاں بہت وسیع تھا اور دوستوں اور دشمنوں سب کو اس سے سرفراز ہونے کا موقع ملتا تھا، جب مکہ فتح ہوا تو وہ سارے لوگ آپ کے سامنے موجود تھے، جنھوں نے آپ کے قتل کے منصوبے بنائے، آپ کو اور آپ کے رفقاء کو جسمانی اذیتیں پہنچائیں، آپ کو بُرا بھلا کہا، معاشی ناکہ بندی کی اور آپ کے پورے خاندان کو دانہ دانہ کے لئے ترسایا، آپ کی صاحبزادیوں کے طئے رشتے توڑوادیئے؛ لیکن آپ نے ان سبھوں کو بہ یک جنبشِ زبان معاف فرمادیا، یہاں تک کہ ان کے جور وظلم کا ذکر کر کے انھیں شرمندہ بھی نہیں

(۱) الترغیب والترہیب: ۳/ ۵۵۸۰۔ (۲) مسلم، عن ابی ہریرہؓ: ۲۵۸۸۔
(۳) ابوداؤد، عن ابی امامہ حارثی، حدیث نمبر: ۴۱۶۱۔ (۴) ترمذی، عن معاذ بن انسؓ، حدیث نمبر: ۳۴۸۱۔
(۵) ترمذی، حدیث نمبر: ۱۷۰۲۔

فرمایا، آپ نے محبوب چچا حضرت حمزہؓ کے قاتل وحشی، ان کا کلیجہ چبانے والی ہندہ، بدترین دشمن ابوجہل کے بیٹے عکرمہ اور غزوہ اُحد اور غزوہ خندق میں مشرکین کی قیادت کرنے والے ابوسفیان سبھوں کو دامنِ عفو میں پناہ دی۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا، آپ سخت کناروں والی نجران کی بُنی ہوئی ایک چادر اوڑھے ہوئے تھے، ایک دیہاتی کی آپ سے ملاقات ہوئی، اس نے بہت زور سے چادر کھینچی، میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی گردن پر اس کے زور سے کھینچنے کی وجہ سے چادر کے کنارے کا نشان پڑ گیا، اس نے کہا: اللہ کا جو مال تمہارے پاس ہے، مجھے اس میں سے دینے کا حکم دو، رسول اللہ ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے ہنسے، پھر اس کو دینے کا حکم فرمایا۔(۱)

حضرت اسامہ بن زیدؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ گدھے پر سوار ہوئے اور حضرت اسامہؓ کو اپنے پیچھے بیٹھالیا، آپ حضرت سعد بن عبادہؓ کی عیادت کے لئے تشریف لے جارہے تھے، آپ کا گزر ایک ایسی جگہ سے ہوا، جہاں مسلمان بھی تھے، مشرکین بھی تھے اور یہود بھی تھے، انھیں میں منافقین کا سردار عبداللہ ابن ابی تھا اور مخلص صحابی حضرت عبداللہ بن رواحہؓ بھی تھے، آپ کی سواری کا غبار اُڑا اور اس مجلس میں پھیل گیا، عبداللہ بن ابی نے ناک پر چادر رکھ لی اور کہنے لگا: ہمارے اوپر غبار نہ اُڑاؤ، حضور ﷺ نے اس مجمع کو سلام کیا، پھر اُترے اور انھیں اللہ کی طرف دعوت دی نیز ان کے سامنے کچھ قرآن پڑھا، عبداللہ بن ابی کہنے لگا: اس سے اچھی کوئی اور بات تمہارے پاس نہیں ہے؟ تم جو کچھ کہہ رہے ہو، اگر یہ سچ اور حق ہے تو ہمیں ہماری بیٹھکوں میں تکلیف نہ دیا کرو اور جاؤ اپنے گھر، اگر ہم میں سے کوئی تمہارے پاس آئے تو اس سے بیان کیا کرو، آپ ﷺ نے عبداللہ بن ابی کے اس حقارت آمیز سلوک کو معاف فرمادیا۔(۲)

---

(۱) بخاری، حدیث نمبر: ۶۰۸۸۔

(۲) بخاری، عن اسامہ بن زید، حدیث نمبر: ۶۲۵۴۔

ایک موقع پر ایک دیہاتی آیا اور اس نے کہا: تمہارے پاس جو کچھ مال ہے، نہ تمہارا ہے نہ تمہارے باپ کا، مجھے بھی اس میں سے دو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اندر تشریف لے گئے اور کچھ لاکر عنایت فرمایا، عرب کے دیہاتی عام طور پر تہذیب سے نا آشنا ہوتے تھے، وہ کہنے لگے: آپ نے بہتر برتاؤ نہیں کیا اور نہ اچھے اخلاق کا ثبوت دیا، آپ اندر تشریف لے گئے، جو کچھ بچ گیا تھا، وہ بھی لے آئے اور عنایت فرمادیا، دیہاتی بہت خوش ہوگیا، کہنے لگا: آپ نے بہت اچھا سلوک فرمایا اور اچھے اخلاق کا مظاہرہ کیا: ''قد اجملت وقد أحسنت''، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا: میری مثال اس شخص کی ہے جس کا اونٹ بدک گیا ہو، لوگ اس اونٹ کو پکڑنے کے لئے دوڑیں، لوگ جس قدر دوڑتے، اونٹ اسی قدر بھاگتا جاتا، یہاں تک کہ اونٹ کے مالک کو خبر ہوئی، اس نے لوگوں کو منع کردیا اور پیار کے ساتھ اپنے ہاتھ میں چارا لے کر اونٹنی کو آواز دی، اونٹنی واپس آنے لگی، مالک اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے واپس لے آیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو سلوک بدکی ہوئی اونٹنی کے ساتھ اس کے مالک کا ہوتا ہے، وہی سلوک میرا اُمت کے اس شخص کے ساتھ ہوتا ہے، جو بدک گیا ہو۔(۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نجد کی طرف سے واپس آرہے تھے، راستہ میں ایک وادی ملی، جہاں ڈھیر سارے درخت تھے، وہاں پہنچ کر دوپہر کا وقت ہوگیا، لوگ مختلف درختوں کے سایہ میں ٹھہر گئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ایک درخت کے سایہ میں لیٹ گئے، ایک شخص آیا، اس نے آپ پر تلوار سونت لی اور پوچھا: تم کو مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا: ''اللہ'' اس کے ہاتھ کانپنے لگے اور ہاتھ سے تلوار گر گئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے بدلہ لے سکتے تھے؛ لیکن آپ نے معاف فرمادیا۔(۲)

حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری زندگی عفو ودرگذر سے عبارت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی عفو ودرگذر سے کام لیتے تھے اور اپنے رفقاء کو بھی اس کی تلقین کیا کرتے تھے،

---

(۱) مسند بزار: ۱۵/ ۲۹۴، حدیث نمبر: ۸۷۹۹۔ (۲) بخاری، عن جابر بن عبداللہؓ، حدیث نمبر: ۳۹۱۰۔

ایک صاحب نے اپنے خادم کے بارے میں دریافت کیا، جس سے بار بار تکلیف پہنچتی تھی، کہ ہم کتنی بار اسے معاف کریں؟ آپ ﷺ خاموش رہے، انھوں نے پھر یہی سوال دُہرایا، تب بھی آپ خاموش رہے، انھوں نے تیسری بار پھر یہی سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہر دن ستر بار معاف کیا کرو۔(۱)

عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں کہ بدلہ لینے میں ان کا وقار اور رُعب بڑھ جائے گا اور معاف کرنے میں کم ہو جائے گا، آپ نے لوگوں کی اس نفسیات کو سامنے رکھتے ہوئے فرمایا کہ جو بندہ عفو سے کام لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی عزت میں اضافہ فرماتے ہیں: ''**وما زاد الله عبداً بعفو إلا عزا**''۔(۲)

ایک موقع پر فرمایا: تم رحم کرو تو تم پر رحم کیا جائے گا، تم معاف کرو تو اللہ تم کو معاف کرے گا: ''**واغفروا يغفر الله لكم**''۔(۳)

عدل و انصاف

آپ ﷺ ہمیشہ عدل و انصاف کی تلقین فرماتے تھے اور خود بھی اس پر عمل کرتے تھے، عرب کا ایک معزز قبیلہ بنو مخزوم کی ایک عورت چوری میں پکڑی گئی، لوگ چاہتے تھے کہ وہ سزا سے بچ جائے، آپ کے پروردہ اور محبوب حضرت اسامہ بن زیدؓ نے سفارش کی، آپ ﷺ نے اس سفارش پر سخت ناگواری کا اظہار کیا اور اس خاتون پر سزا جاری فرمائی،(۴) عدل و انصاف کے معاملہ میں مسلمان اور غیر مسلم کا کوئی امتیاز نہیں تھا؛ اسی لئے یہود بھی اپنے معاملات طئے کرانے آپ ﷺ کے پاس آیا کرتے تھے۔

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ ربیعہ بنت نضر نے ایک لڑکی کا دانت توڑ دیا، ان لوگوں نے قصاص کا مطالبہ کیا، ربیعہ کے لوگوں نے دوسرے فریق سے معافی کی درخواست کی،

(۱) ابوداؤد، عن عبداللہ بن عمرؓ، حدیث نمبر: ۵۱۶۴۔ (۲) مسلم، حدیث نمبر: ۲۵۸۸۔
(۳) مسند احمد، عن عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ، حدیث نمبر: ۶۵۴۱۔
(۴) صحیح بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب حدیث الغار، حدیث نمبر: ۳۴۷۵۔

جسے ان لوگوں نے قبول نہیں کیا، اب دونوں فریق بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے، حضور ﷺ نے قصاص جاری کرنے کا حکم فرمایا، ان کے بھائی انس بن نضر نے کہا: اللہ کے رسول! کیا ربیعہ کا دانت توڑ دیا جائے گا؟ اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، ایسا نہیں ہوسکتا، آپ ﷺ نے فرمایا: قصاص اللہ تعالیٰ کی کتاب کا فیصلہ ہے؛ چنانچہ دوسرے فریق راضی ہو گئے، اور انھوں نے معاف کر دیا، آپ نے فرمایا: اللہ کے بعض ایسے بندے بھی ہیں کہ اگر وہ اللہ پر قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ اس کو پورا فرما دیتے ہیں۔(۱)

آپ کے صحابی حضرت نعمان بن بشیرؓ روایت کرتے ہیں کہ ان کی والدہ کے اصرار پر ان کے والد نے ان کو کچھ ہبہ کرنا چاہا، جب وہ اس کے لئے تیار ہو گئے تو انھوں نے مطالبہ کیا کہ اس پر حضور ﷺ کو گواہ بنایا جائے؛ چنانچہ یہ دونوں حضرات اپنے صاحبزادہ نعمان کو لے کر آپ کی خدمت میں پہنچے اور آپ کو گواہ بنانا چاہا، رسول اللہ ﷺ نے حضرت بشیرؓ سے پوچھا: کیا اس کے علاوہ تمہاری کوئی اور اولاد بھی ہے؟ انھوں نے عرض کیا: ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے ان سب کو اسی طرح ہبہ کیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا: نہیں، آپ نے فرمایا: پھر تو میں اس پر گواہ نہیں بن سکتا؛ کیوں کہ میں ایسے کام پر گواہ نہیں بن سکتا جو ظلم پر مبنی ہو۔(۲)

جیسے آپ اولاد کے درمیان انصاف اور برابری کا حکم دیتے تھے، اسی طرح بیویوں کے درمیان بھی عدل کا پورا لحاظ فرماتے تھے، حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ ہم میں سے ایک کو دوسرے پر باری کے معاملہ میں ترجیح نہیں دیتے تھے، روزانہ تمام ازواج سے ملاقات فرماتے تھے؛ لیکن جن کی باری ہوتی تھی، ان ہی کے پاس شب گزارتے تھے: ''**حتی یبلغ إلی التی ھو یومھا فیبیت**''۔(۳)

---

(۱) بخاری، عن انس، حدیث نمبر: ۲۷۰۳، باب الصلح فی الدین۔

(۲) مسلم، عن نعمان بن بشیرؓ، حدیث نمبر: ۱۶۲۳۔

(۳) سنن ابی داؤد، عن عائشہؓ، حدیث نمبر: ۲۱۳۵۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر میں تشریف لے جاتے اور کسی زوجہ مطہرہ کو ساتھ لے جانا ہوتا تو اپنے طور پر انتخاب نہیں فرماتے؛ بلکہ قرعہ اندازی کرتے اور جن کا نام نکل آیا، ان کو ساتھ لے جاتے۔(۱)

اس درجہ عدل وانصاف کے باوجود حضرت عائشہؓ کی طرف آپ کا قلبی رجحان تھا تو فرماتے تھے کہ اے اللہ! جو چیز میرے اختیار میں ہے، اس میں تو میں عادلانہ تقسیم کر رہا ہوں؛ لیکن جس چیز کے آپ مالک ہیں، میں مالک نہیں ہوں، یعنی: قلبی رجحان، اس میں ہماری پکڑ نہ فرمائیں: ''فلا تلمني فيما تملك ولا أملك''۔(۲)

اگر کوئی شخص قاضی یا حَکَم ہو تو اس کے لئے آپ نے خاص طور پر عدل کی تاکید فرمائی، آپ نے فرمایا: قاضی تین قسم کے ہیں: ایک جنت میں جائیں گے اور دو دوزخ میں، جس نے مقدمہ میں یہ بات سمجھ لی کہ کون حق پر ہے؟ اور اس کے مطابق فیصلہ کیا تو وہ جنت میں جائے گا، اور جس نے حق اور ناحق کو سمجھ لیا پھر بھی غلط فیصلہ کیا، یا اس میں حق وناحق کے سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں تھی اور جہالت کے باوجود فیصلہ کر دیا تو ان دونوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔(۳)

اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت تھی کہ جب تک دونوں فریق کی بات نہ سن لی جائے، اس وقت تک فیصلہ نہ کیا جائے، (۴) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ تھا کہ جب بھی کسی مقدمہ کا فیصلہ فرماتے تو دونوں فریق کو برابری میں سامنے بٹھاتے: ''إن الخصمين يقعدان بين يدي الحكم''۔(۵)

معاملات میں بھی آپ اس کا پورا خیال رکھتے تھے، آپ کے ذمہ اگر کسی کا دین باقی ہوتا تو پورا پورا بلکہ بڑھ کر ادا فرماتے، ایک دفعہ ایک صاحب کی اونٹنی آپ کے ذمہ دَین تھی، آپ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا: جو اونٹنیاں آئی ہیں، ان میں سے اسی معیار کی اونٹنی دے

(۱) بخاری، عن عائشہؓ، حدیث نمبر: ۵۲۱۱۔ (۲) ابوداؤد، عن عائشہؓ، حدیث نمبر: ۲۱۳۴۔
(۳) ابوداؤد، عن ابی ہریرہؓ، حدیث نمبر: ۳۵۷۲۔ (۴) مستدرک حاکم، عن علیؓ: ۴/ ۹۳۔
(۵) ابوداؤد، عن عبداللہ بن زبیرؓ، حدیث نمبر: ۳۵۸۸۔

دیں، حضرت بلالؓ نے عرض کیا: تمام اونٹنیاں اُس سے بہتر ہیں، جو آپ کے ذمہ میں باقی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسی میں سے دے دو، یہ حسن ادائیگی کا تقاضہ ہے۔(۱)

ایک بار ایک صاحب ہَجر سے مکہ کپڑا لے کر آئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پائجامہ کا بھاؤ طے کیا، ان کے ساتھ ایک خادم تھا، جو درہم کا وزن کرتا تھا، آپ نے اس سے فرمایا: وزن کرو اور جھکتا ہوا تولو: ''زِن وارجح''۔(۲)

آپ نے اُمت کو اجتماعی سطح پر عدل قائم رکھنے کا خاص طور پر حکم فرمایا، آپ کا ارشاد ہے: جس قوم میں حق کے ساتھ فیصلہ نہیں کیا جاتا ہو اور کمزور شخص طاقتور سے بے تکلف اپنا حق وصول نہیں کرسکتا، اللہ تعالیٰ اس قوم کو عزت نہیں دیتے ہیں: ''لا یقضی فیها بالحق، ویأخذ الضعیف حقه من القوی غیر متعتع''۔(۳)

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اِس کا اِس درجہ لحاظ تھا کہ غزوۂ بدر کے موقع سے جب بہت سارے لوگ قید ہوئے تو ان میں آپ کے چچا حضرت عباسؓ بھی تھے، جب فدیہ مقرر ہوا تو ان کے لئے بھی مقرر ہوا، انھوں نے فدیہ معاف کرنے کی درخواست، انصار نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ کی رعایت کرتے ہوئے عرض کیا کہ ان کا فدیہ معاف کردیا جائے؛ لیکن آپ نے اس کو قبول نہیں کیا اور ان سے بھی فدیہ وصول فرمایا۔(۴)

سخاوت وفیاضی

سخاوت وفیاضی کا حال یہ تھا کہ کوئی سائل واپس نہیں ہوسکتا تھا، اگر اپنے پاس موجود نہ ہوتو دوسروں سے قرض لے کر دیتے، اگر کچھ درہم ودینار بچا رہتا تو جب تک تقسیم نہ ہوجائے بے چین رہتے، جن لوگوں کی وفات ہوتی، فرماتے کہ ان کے قرض کی ادائیگی میرے ذمہ ہے،

(۱) مصنف عبدالرزاق، کتاب البیوع، باب السلف فی الحیوان، حدیث نمبر: ۱۴۱۵۸-۱۴۱۵۹۔
(۲) ترمذی، عن سوید بن قیسؓ، حدیث نمبر: ۱۳۰۵۔
(۳) معجم الکبیر للطبرانی، عن معاویہ: ۱۹/ ۳۸۵۔
(۴) صحیح بخاری، کتاب العتق، باب اذا أسر اخو الرجل، حدیث نمبر: ۲۵۳۷۔

اور متروکہ ان کے ورثہ کے لئے ہے،(۱) آپ ﷺ کی اس فیاضی کا نتیجہ تھا کہ جب آپ کی وفات ہوئی تو چراغ میں تیل تک نہیں تھا اور آپ ﷺ کی زرہ مبارک چند کیلو جَو پر رہن تھی۔(۲)

آپ ﷺ کی سخاوت اور فیاضی کے بہت سارے واقعات حدیث و سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں، حضرت سہل بن سعدؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک خاتون نے حضور کی خدمت میں ایک چادر پیش کی، جس پر بارڈر بھی بنا ہوا تھا، صحابیہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں یہ آپ کو پیش کرتی ہوں، رسول اللہ ﷺ نے قبول فرمایا اور زیب تن کرلیا، ایک صحابی نے دیکھا تو کہنے لگے: کیا ہی خوب چادر ہے، یہ آپ مجھے عنایت فرمادیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے، جب آپ مجلس سے اُٹھ گئے تو حاضرین نے اس شخص کو ملامت کی کہ تم نے یہ اچھا نہیں کیا، یہ معلوم ہونے کے باوجود کہ حضور ﷺ کو اس کپڑے کی ضرورت تھی اور یہ بھی جاننے کے باوجود کہ آپ کسی کا سوال رد نہیں فرماتے ہیں، تم نے حضور سے مانگ لیا؟؟ وہ صاحب کہنے لگے: اصل میں میں نے اسے تبرکاً مانگا تھا؛ کیوں کہ حضور ﷺ نے اس کو اپنے جسم مبارک پر زیب تن فرمایا ہے، میں چاہتا ہوں کہ یہی میرا کفن ہو۔(۳)

حضرت مقدادؓ نقل کرتے ہیں کہ میں اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ اس طرح خدمت اقدس میں حاضر ہوا کہ بھوک اور مشقت کی وجہ سے ہماری آنکھیں اور ہمارے کان بھی جواب دے رہے تھے، ہم اپنے آپ کو مختلف صحابہ پر پیش کررہے تھے کہ کوئی میری میزبانی قبول کرلے؛ لیکن کسی نے قبول نہیں کیا، آخر ہم خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، آپ ہمیں اپنے گھر لے گئے، وہاں تین بکریاں تھیں، آپ نے فرمایا: ان بکریوں کا دُودھ نکالو، جس کو ہم سب لوگ مل کر پئیں گے؛ چنانچہ ہم دُودھ دوہتے، ہم میں سے ہر آدمی اپنا حصہ لے لیتا اور ہم آپ

---

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب فی التشدید فی الدین، حدیث نمبر: ۳۳۴۳۔

(۲) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب وفاۃ النبی ﷺ، حدیث نمبر: ۴۴۶۷۔

(۳) بخاری، عن سہل بن سعد، حدیث نمبر: ۶۰۳۶۔

کے لئے آپ کا حصہ اُٹھا لیتے،(۱) یہ سخاوت وفیاضی کا اعلیٰ طریقہ تھا کہ صرف ایک دفعہ دیدینے پر اکتفا نہیں فرماتے؛ بلکہ ان کے لئے مستقل طور پر آپ نے میزبانی کا نظم فرمایا۔

معمولِ مبارک تھا کہ کوئی بھی شخص کوئی سوال کرتا، اگر آپ ﷺ کے پاس موجود ہوتا تو ضرور عنایت فرمادیتے، ''نہیں'' نہ کہتے: ''ما سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیئا قط فقال: لا''۔(۲)

یہ فیاضی اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ دو پہاڑوں کے درمیان بکریوں کا ایک ریوڑ تھا، ایک صاحب نے درخواست کی کہ یہ پورا ریوڑ ان کو دے دیا جائے، آپ ﷺ نے عطا فرمادیا، وہ صاحب اپنی قوم میں گئے اور کہنے لگے: لوگوں مسلمان ہوجاؤ؛ کیوں کہ محمد (ﷺ) اتنا عنایت فرماتے ہیں کہ محتاجی کا ڈر بھی باقی نہ رہے۔(۳)

جہاں آپ ﷺ کے دربار سے کوئی حاجت مند نامراد واپس نہیں ہوتا تھا، وہیں دوسری طرف سوال اور گداگری کو بھی ناپسند فرماتے تھے، ایک صاحب بھیک مانگتے ہوئے آئے تو آپ ﷺ نے ان کا بستر اور پیالہ (جس کے وہ مالک تھے) منگوایا اور اس کی ڈاک لگوائی، دو درہم میں فروخت ہوا، آپ ﷺ نے انھیں ایک درہم خرچ کے لئے دیا اور دوسرے درہم سے کلہاڑی بنادی کہ جنگل سے لکڑی لائیں اور فروخت کریں، پندرہ دنوں بعد جب وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو دس درہم ان کے پاس جمع ہوچکا تھا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ اچھا ہے یا یہ کہ قیامت کے دن چہرہ پر گدائی کا داغ لے کر جاتے؟(۴)

مساوات وبرابری

انسانی برابری اور مساوات کو ہمیشہ ملحوظ رکھتے، آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں

---

(۱) مسلم، عن مقدادؓ، حدیث نمبر: ۲۰۵۵۔

(۲) بخاری، عن جابرؓ، حدیث نمبر: ۶۰۳۴۔

(۳) مسلم، عن انسؓ، حدیث نمبر: ۲۳۱۲۔

(۴) سنن ابی داؤد، کتاب الزکوۃ، باب ما یجوز فیہ المسئلۃ، حدیث نمبر: ۱۶۴۱۔

صاف فرما دیا کہ کالے اور گورے یا عربی و عجمی ہونے کی وجہ سے ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے؛ اسی لئے جب بھی کوئی کام ہوتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رفقاء کے ساتھ مل کر اس کام میں شریک رہتے، حج میں قریش حدودِ حرم سے باہر نکلنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے؛ اس لئے عرفات نہیں جاتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس امتیاز کو ختم کیا اور عرفہ کے وقوف کو حج کے لئے لازم قرار دیا۔

عربوں میں خاندان اور ذات پات کی بنیادیں بہت گہری تھیں، ہر چیز میں اس کا لحاظ رکھا جاتا تھا اور شادی میں تو سب سے بڑھ کر، مجال نہ تھی کہ ایک اونچے قبیلہ کے فرد کی لڑکی نیچے قبیلہ کے مرد سے بیاہی جاتی اور سب سے کمتر درجہ غلاموں کا تھا، یہاں تک کہ اگر غلام آزاد کردیا جاتا تب بھی وہ اس لائق نہیں سمجھا جاتا تھا کہ کسی معزز قبیلہ کی لڑکی اس کے نکاح میں دی جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تصور کو توڑا، اولاً تو آپ نے فرمایا کہ کوئی شخص رنگ و نسل کی وجہ سے معزز نہیں ہوتا؛ بلکہ معزز ہوتا ہے اپنے عمل اور تقویٰ کی وجہ سے: ''إن أکرمکم عند اللہ اتقاکم'' (۱) پھر خاص طور پر نکاح کے بارے میں فرمایا کہ جو شخص دین کے اعتبار سے پسند آئے، اسے منتخب کریں: ''من ترضون دینه'' (۲) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلقین فرمائی کہ لوگ حسب ونسب اور دولت کی وجہ سے رشتہ طے کرتے ہیں، مگر ہونا یہ چاہئے کہ دین داری اور اخلاق کی بنیاد پر رشتے طے کئے جائیں، دین داری کی بنیاد پر طے کئے جانے والے رشتہ میں کامیابی مضمر ہے: ''فاظفر بذات الدین''۔ (۳)

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف نصیحت پر اکتفا نہیں کیا؛ بلکہ اس کا عملی نمونہ پیش فرمایا، اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحشؓ کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہؓ سے کیا، (۴) اور اپنے متعدد صحابہ کے رشتے عرب کے معزز قبائل میں طے کئے۔

(۱) معجم الکبیر للطبرانی: ۱۸/ ۱۲، حدیث نمبر: ۱۶، باب العین۔
(۲) سنن ترمذی، ابواب النکاح، باب ماجاء إذا جاءکم من ترضون دینہ، حدیث نمبر: ۱۰۸۵۔
(۳) صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الأکفاء فی الدین، حدیث نمبر: ۵۰۹۰۔
(۴) مصنف عبدالرزاق، کتاب النکاح، باب الأکفاء، حدیث نمبر: ۱۰۳۲۶۔

مساوات و برابری کا آپ کو اس قدر پاس ولحاظ تھا کہ آپ اپنے آپ کو بھی اپنے رفقاء کے برابر رکھنے کی کوشش کرتے ، مسجد نبوی کی تعمیر کے موقع سے صحابہ اینٹیں اُٹھا اُٹھا کر لاتے تھے اور دیوار چنی جاتی تھی ، آپ ﷺ بھی اینٹیں اُٹھا کر لائے ، صحابہ نے درخواست کی : ہم خدام حاضر ہیں ، آپ زحمت نہ فرمائیں ؛ لیکن آپ باصرار اس کام میں شریک ہوئے اور فرمایا : میرے اندر اتنی طاقت بھی ہے کہ میں اس کام کو کرسکوں ، اور اجر وثواب کی ضرورت جیسے تم کو ہے ، ویسے ہی مجھے بھی ہے ۔(۱)

۵ ؍ ہجری میں غزوۂ خندق کا واقعہ درپیش تھا ، صحابہ خندقیں کھودنے میں مشغول تھے اور اس کے اندر چٹانیں بھی تھیں ، آپ بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس مشکل کام میں شریک ہوئے ؛ بلکہ ایک ایسی چٹان جو کسی سے نہ ٹوٹتی تھی ، آپ ﷺ کے ذریعہ اس کا مسئلہ حل ہوا ۔(۲)

شرم وحیاء

اسلام سے پہلے عربوں میں شرم وحیاء کی بڑی کمی تھی ، لوگ کھلے عام برہنہ حالت میں غسل کرتے تھے ، قضاء حاجت کے وقت بھی پردہ کا اہتمام نہیں تھا ، یہاں تک کہ کعبۃ اللہ کا طواف بھی بے لباس کیا جاتا تھا ، آپ ﷺ نے بے حیائی کی ان تمام باتوں کو منع فرمایا ، صحابہؓ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ دوشیزہ لڑکیوں سے بھی زیادہ شرمیلے تھے ، اور ہر موقع پر حیاء کا لحاظ کرتے تھے ۔(۳)

آپ ﷺ نے قدم قدم پر حیا کے تقاضوں کو ملحوظ رکھا ، کنواری لڑکی کے لئے شادی پر رضامندی کا اظہار حیا کے خلاف سمجھا جاتا ہے تو آپ ﷺ نے ان کے لئے خصوصی رعایت فرمائی کہ اگر ان سے نکاح کی اجازت لی جائے ، وہ انکار نہ کریں اور خاموشی اختیار کرلیں تو یہی کافی ہوگا اور اسی کو اس کی اجازت سمجھا جائے گا : ’’ رضاھا صمت ‘‘ (۴) اگر خواتین کوئی ایسا

(۱) صحیح ابن حبان ، کتاب اخبارہ ﷺ حدیث نمبر : ۷۰۹۶ ۔

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ ، کتاب المغازی ، غزوۃ الخندق ، حدیث نمبر : ۳۶۸۲۰ ۔

(۳) بخاری ، عن ابی سعید خدریؓ ، حدیث نمبر : ۶۱۱۹ ۔ (۴) بخاری ، عن عائشہؓ ، حدیث نمبر : ۵۱۳۷ ۔

شرعی مسئلہ دریافت کرتیں، جس کا تعلق صنفی عوارض سے ہوتو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اشارۃً جواب دیتے اور اپنا چہرہ پھیر لیتے۔(۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار لیٹے ہوئے تھے چادر مبارک پنڈلیوں سے ہٹی ہوئی تھی، حضرت عثمان غنیؓ ــــ جوخود بھی بہت شرمیلے واقع ہوئے تھے ــــ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، آپ سنبھل کر بیٹھ گئے اور اپنا جسم چھپالیا،(۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیا کی اس قدر تاکید فرمائی کہ اس کو ایمان کا حصہ قرار دیا: ''الحیاء شعبة من الایمان''(۳) حضرت اشج ابوالقیسؓ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے اندر دو ایسی خصلتیں ہیں جو اللہ کو محبوب ہیں، ایک: حلم وبرباری، دوسری: شرم وحیاء۔(۴)

راست گوئی اور دیانت داری

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی راست گوئی اور دیانت مکہ میں ضرب المثل تھی، لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صادق اور امین کہتے تھے، خود ابوجہل بھی اعتراف کرتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جھوٹے نہیں ہیں؛ لیکن کہتا تھا کہ جو باتیں آپ پیش کررہے ہیں، وہ صحیح نہیں ہے، آپ نے جب باشاہ روم کو دعوت اسلام کا مکتوب لکھا، اس وقت ابوسفیان روم میں ہی تھے، جو اس وقت آپ کے سخت مخالف تھے؛ چنانچہ شاہ روم نے ابوسفیان سے آپ کے بارے میں دریافت کیا کہ کیا وہ دعویٰ نبوت سے پہلے جھوٹ بھی بولتے تھے؟ ابوسفیان نے کہا: نہیں،(۵) غرض کہ دشمنوں کو بھی آپ کی راست گوئی کا اعتراف تھا، دیانت داری کا حال یہ تھا کہ دشمن بھی اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھواتے تھے؛ چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو اہل مکہ کی بہت سی امانتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھیں، جنھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کے حوالہ کرکے گئے۔(۶)

---

(۱) بخاری، عن عائشہؓ، حدیث نمبر: ۳۱۵۔ (۲) مسلم، عن عائشہؓ، حدیث نمبر: ۲۴۰۱۔
(۳) بخاری، عن ابی ہریرہؓ، حدیث نمبر: ۹۔ (۴) ابن ماجہ، عن اشجؓ، حدیث نمبر: ۴۱۸۸۔
(۵) صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم الناس الی الاسلام، حدیث نمبر: ۲۹۴۱۔
(۶) فقہ السیرۃ للغزالی: ۴۱۷۔

آپ ﷺ لوگوں کو سچ بولنے اور دیانت داری کو قائم رکھنے کی خاص طور پر تاکید کرتے تھے، ایک موقع پر ارشاد فرمایا: تم مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دو تو میں تم کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں: بات کرو تو سچ بولو، وعدہ کرو تو پورا کرو، تمہارے پاس امانت رکھی جائے تو دیانت کے ساتھ واپس کرو، اپنی عصمت وعفت کی حفاظت کرو، نگاہوں کو پست رکھو، یعنی غیر محرم عورتوں پر نظر نہ جماؤ اور اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو، یعنی ظلم نہ کرو۔(۱)

ایفاءِ عہد کا آپ ﷺ کو بڑا لحاظ تھا، صلح حدیبیہ میں جو شرطیں طئے پائیں، آپ ان پر سختی سے قائم رہے، بعض مظلوم مسلمانوں کی قابلِ رحم حالت دیکھ کر بھی وعدہ خلافی کرنا گوارہ نہ کیا، غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی تعداد دشمنوں کے مقابلہ ایک تہائی سے بھی کم تھی؛ اس لئے ایک ایک آدمی کی اہمیت تھی؛ چنانچہ عین جنگ کے وقت حضرت حذیفہ بن یمانؓ اور ان کے والد یمان (جن کا اصل نام حسیل بن جابر تھا) کہیں سے آرہے تھے کہ ان دونوں کو اہل مکہ نے پکڑ لیا، اور اس شرط پر چھوڑا کہ وہ جنگ میں آپ کا ساتھ نہیں دیں گے، یہ حضرات مسلمانوں کے ساتھ غزوہ میں شریک ہونا چاہتے تھے؛ لیکن آپ ﷺ نے انھیں واپس کردیا اور فرمایا: ہم ہر حال میں وعدہ پورا کرنے کے قائل ہیں، (۲) نبوت سے پہلے ایک صاحب سے معاملہ ہوا وہ آپ ﷺ کو بیٹھا کر چلے گئے کہ آکر حساب کردیتا ہوں، مگر ان کو خیال نہیں رہا، تین دنوں بعد آئے تو آپ ﷺ اسی جگہ تشریف رکھتے تھے، آپ نے فرمایا: تین دنوں سے یہیں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔(۳)

غرض کہ آپ ﷺ کی ذات گرامی فضائل اخلاق کا نمونہ اور رزائل اخلاق سے مبرا تھی، آپ ﷺ نے نہ صرف اخلاق کی تعلیم دی؛ بلکہ عملاً انھیں برت کر دکھایا۔

• • •

---

(۱) مستدرک حاکم، عن عبادہ بن صامتؓ: ۴/ ۳۵۹۔

(۲) اسد الغابۃ: ۱/ ۲۰۷، حدیث نمبر: ۱۱۱۳۔

(۳) سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب فی العدۃ، حدیث نمبر: ۴۹۹۶۔

غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک

غیر مسلم بھائیوں کے ساتھ ربط و تعلق کے سلسلہ میں اسلام نے دو بنیادی تصور دیا ہے، ایک یہ کہ تمام انسان ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں :

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۔ (۱)

اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو قبائل اور خاندانوں میں اس لئے تقسیم کیا ہے کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مختلف ارشادات میں اس بات کی وضاحت فرمائی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم سب کے سب آدم کی اولاد ہو: ''**كلكم من آدم و آدم من تراب**''۔(۲)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے خطبہ میں اپنی تعلیمات کا خلاصہ دو جملوں میں پیش فرمایا: ''**إن الهكم واحد وإن اباكم واحد**''(۳) یقیناً تمہارا خدا ایک ہے اور تمہارے باپ بھی ایک ہی ہیں، تمام انسانوں کی ایک ماں باپ سے پیدائش کے تصور سے دوسرا تصور انسانی اُخوت کا پیدا ہوتا ہے کہ تمام انسان، چاہے وہ کسی مذہب کے ماننے والے ہوں، کسی خاندان سے ان کا تعلق ہو، کالے ہوں یا گورے، سب بھائی بھائی ہیں؛ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقعہ پر اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تمام بنی آدم بھائی بھائی ہیں، (۴)

---

(۱) الحجرات: ۱۳۔
(۲) مجمع الزوائد، حدیث نمبر: ۱۳۰۸۹۔
(۳) کنز العمال، حدیث نمبر: ۵۶۵۲۔
(۴) ابوداؤد، کتاب الوتر، حدیث نمبر: ۱۵۱۰۔

دوسرا بنیادی تصور یہ ہے کہ انسان بحیثیت انسان قابل احترام ہے، اور دنیا کی جو بے شمار نعمتیں ہیں، چاہے ان کا تعلق خشکی سے ہو یا سمندر سے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں جو بھی پاک غذائیں پیدا کی ہیں، ان سب میں تمام انسانوں کا حق ہے، ایسا نہیں ہے کہ وہ صرف مسلمانوں کے لئے مخصوص ہیں :

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۔ (۱)

ہم نے بنی آدم کو باعزت بنایا ہے، ہم نے ان کو خشکی میں اور سمندر میں سوار کیا ہے اور انھیں پاکیزہ روزی عطا کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنے مختلف ارشادات میں انسان کی فطری شرافت و وقار کا ذکر فرمایا ہے، (۲) گویا اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے نزدیک یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ کوئی شخص مسلمان ہو یا غیر مسلم، وہ انسان ہونے کی حیثیت سے قابل احترام اور باعزت ہے اور کائنات میں اللہ تعالیٰ نے جو وسائل رکھے ہیں، ان پر صرف مسلمانوں کا حق نہیں ہے؛ بلکہ تمام انسانوں کا حق ہے۔

یہ دو بنیادی اُصول ہیں، جن پر اسلامی نقطۂ نظر سے مسلم و غیر مسلم تعلقات کی بنیاد ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے اخلاق و اُصول کے ذریعہ اس کے عملی نمونے پیش کئے ہیں۔

اکرام و احترام

رسول اللہ ﷺ غیر مسلم حضرات کے ساتھ ہمیشہ باہمی احترام و اکرام کا معاملہ فرماتے تھے، آپ نے متعدد غیر مسلم بادشاہوں اور سرداروں کو خطوط لکھے اور انھیں اسی لقب سے مخاطب کیا، جس لقب سے ان کی رعایا ان کا ذکر کیا کرتی تھی، جیسے روم کے بادشاہ ہرقل کے لئے 'عظیم الروم' ایران کے بادشاہ کسریٰ کے لئے 'عظیم الفارس' اور حبش کے بادشاہ نجاشی کے لئے

(۱) بنی اسرائیل: ۷۰۔
(۲) کنزالعمال، حدیث نمبر: ۳۴۶۲۱۔

'عظیم الحبش' (۱) عظیم سے مراد عظمت والی شخصیت، باعزت ہستی، ظاہر ہے کہ اس میں مخاطب کا احترام ہے، ابوجہل آپ کا بدترین دشمن تھا، اس نے آپ کو تکلیف پہنچانے اور بُرا بھلا کہنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی؛ چوں کہ اس کے اندر فیصلہ کرنے اور لوگوں کے معاملات کو حل کرنے کی خاص صلاحیت تھی؛ اس لئے اہل مکہ اس کو 'ابوالحکم' کہتے تھے، آپ ﷺ نے بھی اس کو ابوالحکم کے لفظ ہی سے مخاطب فرمایا کرتے تھے۔ (۲)

ابوسفیان ایمان نہیں لائے تھے اور وہ اہل مکہ کے سردار تھے، جب مکہ فتح ہوا اور حضور ﷺ نے عمومی معافی کا اعلان فرمایا تو آپ نے کہا: جو لوگ اپنے گھر میں داخل ہو جائیں، ان کے لئے امن ہے: ''من دخل داره فهو اٰمن'' آپ کے اس ارشاد میں ابوسفیان کا گھر بھی داخل تھا؛ لیکن ابوسفیان کے اعزاز و اکرام کے لئے آپ ﷺ کے خصوصی طور پر اعلان فرمایا کہ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے، اس کے لئے امن ہے: ''من دخل دار ابی سفیان فهو آمن''۔ (۳)

آپ ﷺ نے مکہ سے ہجرت کرنے سے پہلے چاہا کہ کعبۃ اللہ میں دو رکعت نماز پڑھنے کا موقع مل جائے، کعبہ کی کنجی قبیلہ بنوشیبہ کے پاس رہا کرتی تھی اور اس وقت یہ کنجی اس قبیلہ کے ایک شخص عثمان بن طلحہ شیبی کے پاس تھی، کسی شخص کے پاس کعبۃ اللہ کی کنجی کا ہونا اس کے لئے بہت اعزاز کی بات سمجھی جاتی تھی؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے خاندان بنو ہاشم کے لوگ چاہتے تھے کہ کنجی انھیں مل جائے؛ تاکہ ان کے اعزاز میں اضافہ ہو، ان کی طرف سے حضرت علیؓ —— جو آپ کے چچازاد بھائی بھی تھے اور داماد بھی —— نے درخواست کی کہ کلیدِ کعبہ بھی ہمیں دے دی جائے؛ تاکہ کعبۃ اللہ کی خدمت ''سقایہ'' (پانی پلائی) تو پہلے سے بنو ہاشم کے پاس ہے، یہ دوسرا اعزاز 'حجابہ' (کلید برداری) بھی بنو ہاشم کو مل جائے، جب آپ ﷺ کعبۃ اللہ سے باہر تشریف لائے تو آپ نے عثمان شیبی کو طلب کیا اور انھیں یہ کہتے ہوئے کنجی واپس فرما دی کہ

(۱) بخاری، باب کیف کان بدء الوحی، حدیث نمبر: ۱، کنز العمال، حدیث نمبر: ۳۰۲۱۱۳، نصب الرایہ: ۴/ ۵۰۰۔

(۲) سیرت ابن ہشام: ۱/ ۳۸۹۔ (۳) مسلم، کتاب الجہاد، حدیث نمبر: ۱۷۸۰۔

آج کا دن حسن سلوک کا اور عہد کو نباہنے کا دن ہے، (۱) یہ عربوں کے معاشرہ میں غیر معمولی اعزاز کی بات تھی اور اس اعزاز و اکرام کا معاملہ آپ نے ایک ایسے شخص کے ساتھ فرمایا، جو ابھی مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے اور جنھوں نے آپ کو آپ کی خواہش کے باوجود کعبہ میں دو رکعت نماز تک پڑھنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ (۲)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زندگی میں ہی نہیں؛ بلکہ مرنے کے بعد بھی اس تکریم و احترام کو پیش نظر رکھا؛ چنانچہ حضرت سہل بن حنیفؓ اور قیس بن سعدؓ کے بارے میں روایت ہے کہ وہ دونوں قادسیہ (ایران کے مقام کا نام) —— میں بیٹھے ہوئے تھے —— سامنے سے جنازہ گذرا تو یہ دونوں حضرات کھڑے ہوگئے، کہا گیا: یہ کسی مسلمان کا جنازہ نہیں ہے، غیر مسلم کا جنازہ ہے، ان حضرات نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سے جنازہ گذرا تو آپ بھی کھڑے ہوگئے تھے، آپ سے عرض کیا گیا تھا: یہ تو ایک یہودی کا جنازہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا وہ انسان نہیں تھا؟ ''الیست نفساً''۔ (۳)

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سے بڑی عمر والوں کی عزت و توقیر کا حکم دیا ہے، (۴) اس میں مسلم اور غیر مسلم دونوں شامل ہیں۔

غیر مسلم رشتہ داروں کے ساتھ

مسلمانوں کے جو غیر مسلم رشتہ دار ہوں، ان کے ساتھ ہمدردی اور حسن سلوک کی تاکید کی گئی، قرآن مجید میں بارہ مواقع پر رشتہ و قرابت کا لحاظ رکھنے کا حکم فرمایا گیا ہے، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قرابت دار کے ساتھ حسن سلوک کرنے میں دوہرا ثواب ہے، صدقہ کا بھی اور صلہ رحمی کا بھی، (۵) ایک اور موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو چاہتا ہے کہ اس کی روزی

(۱) سیرت ابن ہشام: ۲/ ۴۱۲۔ (۲) الخصائص الکبریٰ: ۱/ ۴۴۶۔
(۳) بخاری، کتاب الجنائز حدیث نمبر: ۱۲۵۰، مسلم، کتاب الجنائز، باب القیام للجنازۃ، حدیث نمبر: ۹۶۱۔
(۴) ترمذی، کتاب البر والصلۃ، حدیث نمبر: ۱۹۲۱۔
(۵) ترمذی، عن سلیمان بن عامر، حدیث نمبر: ۶۱۸۔

میں کشادگی ہو اور اس کی عمر دراز ہو تو اس کو رشتوں کا خیال رکھنا چاہئے ،(۱) ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو برابر سرابر کا معاملہ کرنے والا ہو، وہ رشتوں کا پاس ولحاظ کرنے والا نہیں ؛ بلکہ پاس ولحاظ رکھنے والا وہ ہے کہ جو اس کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ نہیں کرے، وہ اس کے ساتھ بھی صلہ رحمی کا معاملہ کرے۔(۲)

صلہ رحمی کی بنیاد مذہب پر نہیں ہوتی ، رشتہ وقرابت پر ہوتی ہے، رشتہ دار چاہے مسلمان ہوں یا غیر مسلم، آپ نے ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے، حضرت اسماء بنت ابی بکر جو آپ ﷺ کی نسبتی ہمشیرہ تھیں، ان کی والدہ ان کے پاس مدینہ آئیں، حضرت اسماء نے حضور ﷺ سے دریافت کیا: کیا میں ان کو کچھ دے سکتی ہوں ؛ حالاں کہ ابھی وہ مشرک تھیں، تو آپ نے ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم فرمایا،(۳) اسی طرح مختلف صحابہ کے والدین یا ماں باپ میں سے کوئی ایک غیر مسلم تھے، جیسے حضرت ابوبکرؓ کے والد حضرت قحافہ مکہ فتح ہونے تک مسلمان نہیں ہوئے تھے ؛ لیکن حضرت ابوبکرؓ ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہے، حضرت ابو ہریرہؓ کی والدہ ایمان نہیں لائی تھیں اور رسول اللہ ﷺ کو بُرا بھلا کہتی تھیں، پھر بھی آپ ان کو اپنی والدہ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتے تھے،(۴) اسی طرح کا معاملہ حضرت سعد بن ابی وقاص کی والدہ کا بھی تھا، آپ نے ان کے ساتھ بھی بہتر سلوک جاری رکھنے کی تلقین فرمائی، مدینہ کے کئی انصاری صحابی اپنے غیر مسلم رشتہ داروں کی مالی مدد کیا کرتے تھے، اِن مسلمانوں نے اپنے اُن رشتہ داروں کو اسلام لانے کی دعوت دی، مگر وہ مسلمان ہونے کو تیار نہیں ہوئے، تو انھوں نے ان کی مدد روک دی، ان کے اس طرز عمل کو قرآن نے منع کیا، (۵) کہ ان کی

---

(۱) بخاری، عن انس، حدیث نمبر: ۹۹۱۔

(۲) بخاری، عن عبداللہ بن عمرو بن العاص، حدیث نمبر: ۵۹۴۶۔

(۳) بخاری، کتاب الجزیہ، حدیث نمبر: ۳۰۱۲۔

(۴) الدر المنثور: ۵۲۱/۶۔

(۵) تفسیر قرطبی: ۳۳۷/۳۔

ہدایت تمہارے ذمہ نہیں ہے، اللہ جس کو چاہتے ہیں، ہدایت دیتے ہیں: "لیس علیک هداهم ولکن الله یهدی من یشاء" (۱) حضرت ابو طالب ایمان نہیں لائے؛ لیکن آپ ﷺ ان کی مدد کرتے رہتے تھے، یہاں تک کہ حضرت علیؓ کی پرورش کا ذمہ آپ نے قبول فرمالیا اور آپ ہی کی توجہ دہانی پر ان کے ایک اور صاحبزادہ حضرت عقیلؓ کی پرورش کی ذمہ داری حضرت عباسؓ نے قبول فرمائی، اہل مکہ قریب قریب سبھی آپ کے رشتہ دار تھے اور آپ ہمیشہ ان کے ساتھ حسن سلوک کا خیال رکھتے تھے؛ چنانچہ — جیسا کہ آگے آرہا ہے — جب مکہ میں شدید قحط پڑا تو آپ ﷺ نے ان کا خطیر مالی تعاون فرمایا۔

غیر مسلم پڑوسی

جیسے رشتہ داری کا تعلق ایک قریبی تعلق ہوتا ہے، اسی طرح کا تعلق پڑوس کا ہے، قرآن مجید میں دو طرح کے پڑوسیوں کا ذکر کیا گیا ہے، ایک: رشتہ دار پڑوسی، دوسرے: اجنبی پڑوسی، (۲) جس کو 'الجار الجنب' سے تعبیر فرمایا گیا ہے، بعض مفسرین نے تو اس سے خاص طور پر غیر مسلم پڑوسی ہی مراد لیا ہے، (۳) اور ان دونوں پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے خاص طور پر اس کی تاکید فرمائی — آپ نے فرمایا: وہ شخص صاحب ایمان نہیں — جس کا پڑوسی اس کے شر سے مطمئن نہ ہو، یہ بات آپ نے تین بار قسم کھا کر ارشاد فرمائی، (۴) پڑوسی سے مراد وہ شخص ہے جس کا مکان اس کے مکان سے قریب ہو، اس میں آپ نے مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا، رسول اللہ ﷺ کی ان ہی تعلیمات کا اثر تھا کہ آپ کے صحابہ غیر مسلم پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کا خاص خیال رکھتے تھے، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے یہاں ایک بکری ذبح کی گئی، جب وہ گھر تشریف لے گئے تو دریافت کیا: کیا میرے فلاں یہودی پڑوسی کو گوشت بھیجا گیا؟ پھر کہا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے

---

(۱) البقرۃ: ۲۷۲۔ (۲) النساء: ۳۶۔

(۳) تفسیر ابن کثیر، آیت مذکورہ۔

(۴) بخاری، عن ابی شریح، کتاب الادب، حدیث نمبر: ۵۶۷۰، حدیث نمبر: ۶۰۱۶۔

پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمایا کرتے تھے، (۱) پڑوسی کی ایک اور قسم ''وقتی پڑوسی'' کی ہے، جیسے: ٹرین یا ہوائی جہاز یا بس کا ساتھی، اس کو قرآن مجید کی اس آیت میں ''صاحب الجنب'' کہا گیا ہے، اور ان سے اچھے سلوک اور بہتر برتاؤ کا حکم دیا گیا ہے، اس حکم میں بھی مسلمان وغیر مسلم دونوں شامل ہیں۔

خوشی وغم میں شرکت

ایک دوسرے کے ساتھ خوشگوار تعلق کا تقاضا ہے کہ خوشی وغم میں ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا بھی خیال رکھتے تھے، اگر کوئی غیر مسلم بیمار پڑ جائے تو اس کی عیادت کیا کرتے تھے، ایک یہودی نوجوان جو آپ کے ساتھ آمد و رفت رکھتا تھا اور محبت کے ساتھ آپ کی خدمت بھی کیا کرتا تھا، بیمار پڑ گیا تو آپ نے اس کی عیادت فرمائی، (۲) غیر مسلم اہل تعلق کی آخری رسومات میں بھی آپ نے شرکت فرمائی ہے؛ چنانچہ حضرت ابوطالب کے جلوس جنازہ میں آپ تشریف لے گئے اور مقام تدفین تک پہنچے، (۳) اسی طرح آپ نے حضرت علیؓ کو اپنے والد ابوطالب کی تجہیز وتکفین کا حکم دیا، جو مسلمان نہیں ہوئے تھے، (۴) آپ کی ان ہی تعلیمات کا اثر تھا کہ آپ کے رفقاء بھی اپنے غیر مسلم رشتہ داروں کے جلوس جنازہ میں شریک ہوا کرتے تھے۔

تعزیت کے معنی پرسہ دینے کے ہیں، اس کی بھی اجازت ہے، اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صریح عمل اس سلسلہ میں منقول نہیں ہے؛ لیکن آپ نے عمومی طور پر غیر مسلم بھائیوں کے ساتھ جس حسن سلوک کی تعلیم دی ہے، اس کی روشنی میں شریعت اسلامی کی شارحین نے غیر مسلم بھائیوں کی تعزیت کرنے کی تلقین ہے۔

(۱) ابوداؤد، عن ابن عمر، کتاب الادب، باب فی حق الجوار، حدیث نمبر: ۵۱۵۴۔
(۲) صحیح بخاری، باب عیادۃ المشرک، حدیث نمبر: ۵۶۵۷۔
(۳) سنن بیہقی، کتاب الجنائز، حدیث نمبر: ۶۴۵۹۔
(۴) اعلاء السنن: ۸/ ۲۴۲، باب مایفعل المسلم، اذ مات لہ قریب کافر۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مریضوں کی عیادت کیا کرو، جو مریض کی عیادت کرتا ہے، وہ گویا جنت کے باغوں میں سے ایک باغ میں رہتا ہے، (۱) اس ہدایت میں آپ نے مسلمان اور غیر مسلم کا کوئی فرق نہیں کیا، عیادت کا یہ حکم تمام مریضوں کے لئے ہے، اسی طرح آپ ﷺ نے مصیبت زدہ لوگوں کی دلداری اور ان کی خبر گیری کی تلقین فرمائی: ''من عزی مصاباً فلہ مثل اجرہ'' (۲) یہاں بھی آپ نے پرسہ دینے اور تعزیت کرنے میں مسلمان اور غیر مسلم کا فرق نہیں رکھا؛ اس لئے یہ احکام تمام لوگوں کے لئے ہیں، خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔

ایفاءِ عہد

اخلاقی نقطۂ نظر سے جو احکام آپ ﷺ نے دیئے ہیں، وہ عام ہیں اور اس میں مسلمان و غیر مسلم دونوں شامل ہیں، مثلاً شریعت کا ایک اہم حکم ہے: وعدہ کو پورا کرنا، تو جیسے مسلمانوں سے کیا ہوا وعدہ پورا کرنا ضروری ہے اور وعدہ خلافی گناہ ہے، اسی طرح غیر مسلموں کے ساتھ بھی وعدہ خلافی گناہ ہے اور وعدہ کو پورا کرنا واجب ہے، رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اس کے واضح نمونے ملتے ہیں، آپ نے ایسے موقع پر بھی ایفاء عہد کا خیال رکھا ہے، جب کہ عام طور پر نہیں رکھا جاتا اور ایسے حالات میں بھی رکھا، جن میں وعدہ کو پورا کرنا مسلمانوں کے لئے نقصان کا سبب بن سکتا تھا، اس کی دو مثالیں ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی تعداد صرف تین سو تیرہ تھی، مکہ کے مشرکین جو حملہ آور تھے، وہ تقریباً ایک ہزار تھے، ان حالات میں مسلمانوں کے لئے ایک ایک فرد کی اہمیت تھی، جنگ شروع ہونے سے پہلے حضرت حذیفہ بن یمانؓ اور ان کے والد حضرت حُسَیل دشمنوں کی فوج کے پیچھے کی طرف سے آرہے تھے؛ تاکہ مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہوں، اہل مکہ کو اس کا اندازہ ہو گیا، انھوں نے ان دونوں کو پکڑ لیا اور اس شرط پر چھوڑا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شریک

(۱) مسلم، باب فضل عیادۃ المریض، حدیث نمبر: ۲۵۶۸۔

(۲) ترمذی، کتاب الجنائز، حدیث نمبر: ۱۰۷۳۔

نہیں ہوں گے، وہ حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور ان کی خواہش تھی کہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شریک ہوجائیں ؛ لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ چاہے جو بھی ہو، معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں ہونی چاہئے ؛ چنانچہ آپ ﷺ نے ان کو جہاد میں شریک نہیں فرمایا۔(۱)

اس کی دوسری مثال صلح حدیبیہ ہے، صلح حدیبیہ میں یہ بات طے پائی تھی کہ مکہ سے جو لوگ مسلمان ہوکر مدینہ جائیں گے، مسلمان انھیں واپس کردیں گے، ابھی یہ معاہدہ طے ہی پارہا تھا کہ حضرت ابوجندلؓ پابہ زنجیر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ ان کو اپنے ساتھ لے چلیں، مسلمان بھی ان کی حالت دیکھ کر اور فریاد سن کر بے چین ہوگئے اور آپ نے اپنے ذاتی تعلق کا حوالہ دے کر سہیل بن عمرو کو راضی کرنے کی پوری کوشش کی ؛ لیکن وہ تیار نہیں ہوا ؛ چنانچہ آپ نے ان کو واپس کردیا اور فرمایا کہ اللہ ہی ان کے لئے کوئی راستہ نکالیں گے۔(۲)

دعوت دینا اور قبول کرنا

سماجی زندگی میں ایک دوسرے کے ساتھ تعلق کا ایک مظہر دعوت دینا اور دعوت قبول کرنا ہے ؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ غیر مسلم حضرات کو مدعو کیا کرتے تھے، جب آپ اللہ کے نبی بنائے گئے تو آپ نے بنوہاشم کو کھانے پر مدعو کیا اور تمام لوگوں کو جمع فرمایا، ان کی تعداد تیس نقل کی گئی ہے، کھانا کھلانے کے بعد آپ ﷺ نے ان کے سامنے اسلام کا تعارف پیش فرمایا۔(۳)

اسی طرح ۷ ہجری میں آپ ﷺ نے عمرۃ القضاء فرمایا اور اسی موقع پر اُم المومنین حضرت میمونہؓ سے آپ کا نکاح ہوا، آپ نے ولیمہ میں اہل مکہ کو مدعو کیا ؛ لیکن انھوں نے دعوت قبول نہیں کی۔(۴)

اسی طرح آپ ﷺ نے مہمان نوازی کی ترغیب دی ہے اور مہمانوں کا اکرام کرنے کی فضیلت بیان فرمائی ہے، اس میں مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے،

(۱) صحیح مسلم، باب الوفاء بالعہد، حدیث نمبر: ۱۷۸۷۔ (۲) سیرت ابن ہشام: ۲/ ۳۰۲۔
(۳) البدایہ والنہایہ: ۳/ ۴۰۔ (۴) سیرت ابن ہشام: ۲/ ۳۷۲۔

آپ کے پاس مختلف قبائل کے سردار اور وفود آیا کرتے تھے اور آپ ان کی ضیافت فرمایا کرتے تھے، بدر کی لڑائی میں جو لوگ قید کئے گئے؛ حالاں کہ وہ حملہ آور تھے؛ لیکن آپ نے اپنے رفقاء کو ترغیب دی کہ ان کے کھانے پینے کا بہتر انتظام کریں؛ اسی لئے بہت سے صحابہ خود معمولی کھانا کھا کر ان کو بہتر کھانا کھلایا کرتے تھے۔(۱)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غیر مسلم بھائیوں کی دعوت قبول بھی فرمایا کرتے تھے، اسی طرح کے ایک واقعہ میں ایک یہودی خاتون نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدعو کیا، اور بکرے کے دست کے حصہ ـــــ جس کا گوشت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زیادہ مرغوب تھا ـــــ میں زہر ملا دیا، جس کی تکلیف کا اثر آپ کو مرضِ وفات تک رہا۔(۲)

سلام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دوسرے سے ملاقات کے لئے جو جملہ مقرر کیا ہے، وہ ہے: ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ'' (تم پر سلامتی ہو یعنی تم محفوظ رہو، اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں) ـــــ سلامتی کے معنی ہیں محفوظ رہنا، اس میں ہر طرح کی سلامتی شامل ہے، گناہوں سے، بیماریوں سے اور اللہ کی نافرمانیوں سے، رحمت میں اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتیں شامل ہیں، مال واولاد، اور آخرت کی نجات، برکت سے مراد یہ ہے کہ جو نعمتیں حاصل ہیں، وہ زیادہ سے زیادہ حاصل ہوں اور زیادہ دنوں تک باقی رہیں، غرض کہ یہ ایک دُعاء ہے اور دُعاء مسلمان کے لئے بھی جائز ہے اور غیر مسلم کے لئے بھی؛ اس لئے غیر مسلم کو بھی سلام کرنا جائز ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد مسلمان نہیں تھے؛ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو سلام کیا، خود قرآن مجید میں اس کا ذکر موجود ہے: ''قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ'' (۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے مجمع کو سلام فرمایا ہے، جس میں مسلمان بھی تھے، مشرکین بھی اور یہودی بھی، (۴) اور جب کسی مجمع کو سلام کیا جاتا ہے، اور سلام کرنے والے نے کسی کی تخصیص نہیں کی ہو تو سبھی حضرات مخاطب ہوتے ہیں۔

(۱) مجمع الزوائد: ۶/ ۱۱۵، حدیث نمبر: ۱۰۰۰۷۔ (۲) صحیح بخاری، کتاب المغازی، حدیث نمبر: ۴۵۲۔
(۳) مریم: ۴۷۔ (۴) صحیح بخاری، باب التسلیم فی مجلس فیہ، حدیث نمبر: ۵۸۹۹۔

مدینہ کے یہودی جب رسول اللہ ﷺ سے یا مسلمانوں سے ملتے تو زبان دبا کر 'السام علیکم' کہتے، یعنی سننے والے کو تو محسوس ہوتا کہ وہ سلام کر رہے ہیں؛ لیکن حقیقت میں وہ اس کی بجائے 'السام علیکم' کہا کرتے تھے، جس کے معنی ہیں: ''تم پر موت آجائے'' ان کی اس شرارت کی وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم ان کو سلام نہ کیا کرو اور اگر وہ 'السام علیکم' کہیں تو صرف 'وعلیکم' کہہ دو، یعنی تمہارے ہی ساتھ ایسا ہو، (۱) —— یہ ممانعت خاص طور پر ان یہودیوں کے لئے تھی، جو 'السام علیکم' کے لفظ کا غلط استعمال کیا کرتے تھے، عام غیر مسلم حضرات کو سلام کرنے کی یا ان کے سلام کا جواب دینے کی ممانعت نہیں۔

تحفہ کا لین دین

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک دوسرے کو تحفہ دیا کرو کہ اس سے محبت بڑھتی ہے اور کدورتیں دُور ہوتی ہیں، (۲) اس میں آپ ﷺ نے مسلمانوں اور غیر مسلموں میں کوئی فرق نہیں کیا ہے؛ بلکہ عمومی طور پر ہدیہ دینے کی ترغیب دی ہے، حضرت عمرؓ کو آپ ﷺ نے ایک حلہ (دو چادروں کا لباس) عطا فرمایا، جس کو آپ نے خود اپنے لئے اس کے قیمتی ہونے کی وجہ سے پسند نہیں فرمایا، حضرت عمرؓ نے عرض کیا: جب آپ ﷺ نے اس کو اپنے لئے پسند نہیں کیا تو مجھے کیوں عنایت فرمایا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے یہ تم کو اس لئے نہیں دیا ہے کہ تم خود استعمال کرو؛ بلکہ تم اسے بیچ دو یا کسی اور کو دے دو، حضرت عمرؓ کے ایک بھائی ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے اور مکہ میں مقیم تھے، آپ نے ان کو عنایت فرما دیا۔ (۳)

اہل مکہ نے مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی؛ لیکن جب مکہ میں قحط پڑا، یہاں تک کہ لوگ مردار کھانے پر مجبور ہو گئے تو آپ نے مکہ کے قحط زدہ غیر مسلموں کے لئے پانچ سو دینار بھیجے؛ حالاں کہ اس وقت مدینہ کے مسلمان خود سخت مالی مشکلات سے

(۱) بخاری، باب کیف الرد علی اہل الذمہ بالسلام؟ حدیث نمبر: ۵۹۰۲۔
(۲) معجم کبیر للطبرانی: ۲۵/ ۱۶۲، حدیث نمبر: ۳۱۳، عن اُم حکیم۔
(۳) بخاری، کتاب الھبہ، حدیث نمبر: ۲۴۷۶۔

دو چار تھے، پانچ سو دینار کی قدر کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ بیس دینار ساڑھے ستاسی گرام سونے کے برابر ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ پانچ سو دینار بہت بڑی رقم ہوئی اور یہ رقم آپ نے سردارانِ قریش ابوسفیان اور صفوان ابن اُمیہ کو بھیجی کہ وہ اسے تقسیم کردیں، جو اس وقت اہل مکہ کے قائدین تھے اور مسلمانوں کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔(۱)

مکہ سے ایک 'مطربہ' یعنی گانا بجانا کرنے والی عورت مدینہ آئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مالی مدد کی طلب گار ہوئی، آپ نے خود بھی اس کا تعاون فرمایا اور اپنے خاندان کے دوسرے لوگوں سے بھی اس کی مدد کرائی؛ حالاں کہ وہ مسلمان نہیں تھی اور گانا گایا کرتی تھی، جس کو اسلام نے پسند نہیں کیا ہے۔(۲)

اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحم اور حسن سلوک کی عمومی تعلیم دی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم ان لوگوں پر رحم کرو، جو زمین میں ہیں تو تم پر وہ ذات رحم کرے گی، جو آسمان میں ہے،(۳) ظاہر ہے کہ اس میں مسلمان اور غیر مسلم یہاں تک کہ جانور بھی شامل ہیں، ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہر جاندار کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور ان کی خدمت کرنے میں اجر ہے،(۴) نیز ارشاد ہے: مسلمان درخت لگائے اور اس میں سے کوئی انسان یا جانور کھائے تو اس کو صدقہ کا ثواب ملے گا: ''فأكل منه انسان او دابة إلا كان له صدقة''(۵) اور اس کے مقابلہ میں ارشاد فرمایا کہ جو شخص انسان پر مہربانی نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ بھی اس پر مہربانی نہیں فرمائیں گے: ''لا يرحم الله من لا يرحم الناس''۔(۶)

جیسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیر مسلم حضرات کو تحفے عنایت فرمایا کرتے تھے، اسی طرح ان کے تحفے قبول بھی کیا کرتے تھے؛ چنانچہ روم کے بادشاہ ہرقل نے آپ کو تحفے بھیجے، جس میں

(۱) ردالمحتار: ۳/۳۰۲، باب المصرف۔ (۲) بخاری، حدیث نمبر: ۳۹۳۹۔
(۳) ترمذی، حدیث نمبر: ۱۹۲۴۔ (۴) بخاری، حدیث نمبر: ۲۰۰۹۔
(۵) مسلم، کتاب الادب، باب رحمۃ الناس والبھائم، حدیث نمبر: ۵۶۶۶۔
(۶) بخاری، کتاب التوحید، حدیث نمبر: ۶۹۴۱۔

نفیس کپڑا بھی تھا،(۱) اور سونٹھ بھی تھی،(۲) آپ نے ان تحائف کو قبول فرمایا اور اپنے رفقاء کو بھی اس میں سے عنایت فرمایا، ایک اور سردار اُکَیدِر دُوْمَہْ نے بعض تحائف بھیجے، جن میں کپڑے بھی تھے اور بعض دوسری اشیاء بھی تھیں، آپ نے قبول کیا اور اپنے رفقاء کو بھی اس میں سے عنایت فرمایا،(۳) حضرت علیؓ کی روایت میں شاہ ایران کے بھی تحفہ بھیجنے اور آپ ﷺ کے قبول کرنے کا ذکر آیا ہے۔(۴)

جان و مال کا احترام

غیر مسلموں کے جان و مال کے احترام کو آپ ﷺ نے وہی درجہ دیا، جو مسلمانوں کی جان و مال کا ہے، آپ نے اس سلسلہ میں اُصول بیان فرمادیا کہ ان کے خون ہمارے خون کی طرح ہیں اور ان کے مال ہمارے مال کی طرح : ''دمائهم كدمائنا وأموالهم كأموالنا''(۵) ایک موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

> من قتل معاهدا لم يرح رائحة الجنة ، وإن ريحها يوجد من مسيرة أربعين عاماً ۔ (۶)
>
> جس نے کسی معاہد (وہ غیر مسلم جس سے پُراَمن زندگی گذارنے کا معاہدہ ہو) کو قتل کیا، وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا؛ حالاں کہ اس کی بُو چالیس سال کے فاصلہ سے محسوس کی جاسکتی ہے۔

عہد نبوی میں مسلمان نے ایک غیر مسلم شخص کو قتل کردیا تو وہ مسلمان بھی اس کے قصاص

(۱) ابوداؤد، کتاب اللباس، حدیث نمبر: ۴۰۳۹۔
(۲) لابن أبی حاتم، حدیث نمبر: ۹۰۶۔
(۳) مسند احمد، عن انس: ۶/۴-۱۲۲۴۵۔
(۴) ترمذی، باب ماجاء قبول ہدایا المشرکین، حدیث نمبر: ۱۵۷۶۔
(۵) نصب الرایہ: ۳۸۱/۳۔
(۶) بخاری، عن عبداللہ عمرو، حدیث نمبر: ۳۱۶۶۔

میں قتل کیا گیا، (۱) آپ ﷺ کے اسی اُسوہ کا اثر تھا کہ آپ ﷺ کے بعد آپ کے صحابی حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں ایک غیر مسلم کے قتل پر یہی حکم جاری کیا، (۲) اور حضرت علیؓ نے بھی اپنے عہد حکومت میں اسی طرح کا عمل فرمایا۔ (۳)

قاتل پر مقتول کے قتل کے بدلے یا تو قصاص واجب ہوتا ہے، یا دیت یعنی خون بہا واجب ہوتا ہے، آپ نے غیر مسلم شخص کے قتل کی وہی دیت رکھی، جو دیت مسلمانوں کے قتل کی ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ نے ایک غیر مسلم کی وہی دیت ادا کی جو دیت مسلمان کی ہوتی ہے، (۴) اس طرح آپ ﷺ کی نظر میں غیر مسلم کا مال بھی مسلمان ہی کے مال کی طرح قابل احترام ہے، آپ نے ارشاد فرمایا:

ألا من ظلم معاهدا أو انتقصه أو كلفه فوق طاقته أو أخذ منه شيئاً بغير طيب نفس ، فأنا حجيجه يوم القيامة ۔ (۵)

آگاہ ہوجاؤ! جس نے کسی معاہد پر ظلم کیا، اس کی حق تلفی کی، یا اسے اس کی رضامندی کے بغیر لے لیا، تو میں قیامت کے دن اس کا فریق ہوں گا۔

اور تو اور آپ جنگ کے موقع پر بھی اس کا لحاظ رکھتے تھے کہ جب دشمن ہتھیار ڈال دیں یا صلح پر راضی ہوجائیں تو ان کی املاک کو کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے، فتح خیبر کے موقع سے بعض مسلمان فوجیوں نے یہودیوں کے جانور ذبح کردیئے اور کچھ پھل کھالئے، رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے اس عمل پر ناگواری

---

(۱) سنن دارقطنی، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۱۶۵۔ (۲) سنن بیہقی: ۸/ ۳۰، حدیث نمبر: ۱۵۷۰۴۔
(۳) سنن بیہقی: ۸/ ۱۲، ۱۵۷۔ (۴) دارقطنی، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۱۴۹۔
(۵) ابوداؤد، حدیث نمبر: ۳۰۵۳۔

ظاہر کی اور فرمایا کہ یہ تمہارے لئے حلال نہیں ہے، (۱) یہودیوں کے پاس ایک کنواں 'بیئر روما' نام کا تھا، جس سے پینے کا پانی حاصل ہوا کرتا تھا، جس سے تمام لوگ پانی لیا کرتے تھے، وہ یہودی مسلمانوں سے پانی روک لیا کرتا تھا؛ حالاں کہ آپ اس کو سلطنت کی عمومی مصلحت کے لئے عوامی مفاد کے پیش نظر بحق حکومت ضبط کر سکتے تھے؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مالدار مسلمان ساتھی حضرت عثمانؓ سے خواہش کی کہ وہ اس کو خرید کر لیں، انھوں نے بارہ ہزار درہم میں کنویں کا آدھا حصہ خرید کر لیا اور اس کو عام نفع کے لئے وقف کر دیا۔ (۲)

کاروباری تعلق

تجارتی اور کاروباری تعلق میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی، ابوسفیان اور جُبَیر بن مُطعِم مسلمان نہیں ہوئے تھے، اس وقت بھی آپ ان کو اپنا سرمایہ تجارت کے لئے دیا کرتے تھے کہ وہ اسے تجارت میں لگائیں، اور جو نفع ہو، اس میں آپ کو بھی شریک کریں، مدینہ کے مسلمانوں کی تجارت عام طور پر یہودیوں خاص کر بنوقینقاع ہی کی مارکٹ میں ہوا کرتی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غیر مسلموں سے خرید و فروخت بھی فرمایا کرتے تھے، آپ کی وفات کے وقت بھی آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن تھی؛ کیوں کہ آپ نے ان سے اُدھار تین صاع (عرب کا ایک پیمانہ) جَو خرید فرمائی تھی، (۳) اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غیر مسلم حضرات کو اپنے یہاں ملازم بھی رکھا کرتے تھے، جب آپ نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی تو اس وقت آپ کو ایک ایسے قابل اعتماد شخص کی ضرورت تھی، جو ریگستان میں راستہ بتائے، اس خدمت کے انجام دینے والے کو 'دلیل' کہا جاتا تھا، یعنی: راستہ بتانے والا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِس اہم اور نازک خدمت کے لئے اُجرت دے کر ایک غیر مسلم کی خدمت حاصل کی ۔ (۴)

(۱) ابوداؤد، حدیث نمبر: ۳۰۵۰۔ (۲) زادالمعاد: ۵/ ۱۳۷ - ۱۴۷۔

(۳) بخاری، باب ما قیل فی درع النبیؐ إلی آخرہ، حدیث نمبر: ۲۷۵۹۔

(۴) اُحکام اہل الذمہ لابن قیم: ۲۰۷۔

غرض کہ غیر مسلم حضرات کے ساتھ آپ کا اور آپ کے رفقاء کا ہر طرح کا کاروباری تعلق رہا کرتا تھا۔

عدل وانصاف

پیغمبرِ اسلام ﷺ نے جن باتوں کی تعلیم دی ہے، ان میں ایک بنیادی بات عدل وانصاف کا قیام ہے، اس میں آپ کے نزدیک مسلمان اور غیر مسلم کا کوئی امتیاز نہ تھا، آپ ﷺ کے ایک صحابی کا نام ابن ابی حَدْرَدْ اسلمی تھا، ان کے ذمہ ایک یہودی کے چار درہم باقی تھے، یہودی نے حضور ﷺ سے شکایت کی، آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو اس کا حق ادا کردو، انھوں نے عرض کیا: میں ابھی ادا کرنے پر قادر نہیں ہوں، آپ ﷺ نے پھر دوبارہ فرمایا: ان کو ان کا حق دے دو، انھوں نے عرض کیا: میں ابھی ادا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا، آپ نے فرمایا تھا کہ آپ مجھے کسی خدمت پر خیبر بھیجیں گے، مجھے اُمید ہے کہ اس وقت آپ کچھ عطا فرمائیں گے تو اس وقت میں ان کو ان کا حق بھی ادا کردوں گا، آپ نے تیسری بار بھی فرمایا کہ اسے اس کا حق دے دو، رسول اللہ ﷺ جب کسی بات کا حکم تین بار دے دیتے تھے تو صحابہ خاموش ہوجایا کرتے تھے، ابن ابی حدرد کے سر پر عمامہ تھا اور ایک چادر کو تہبند کے طور پر لپیٹے ہوئے تھے؛ چنانچہ عمامہ کو تہبند بنالیا اور تہبند والی چادر کو بازار میں چار درہم میں فروخت کر کے یہودی کا قرض ادا کیا۔(۱)

یہ معاملہ صرف اپنے رفقاء ہی کے حق میں نہیں تھا، خود اپنی ذات کے معاملہ میں بھی آپ عدل کا پورا پورا خیال رکھتے تھے، اگر کسی شخص کا کوئی حق باقی ہوتا تو آپ اسے تقاضا کرنے کی اجازت دیتے تھے اور اگر وہ اس میں سخت کلامی سے کام لیتا تو اس کو بھی گوارا فرماتے تھے؛ چنانچہ زید بن سَعْنہ نامی ایک یہودی کا آپ ﷺ پر دین تھا، وہ رسول اللہ ﷺ کا دامن تھام کر کھینچنے لگا اور سخت سست باتیں کہنے لگا: ''اے محمد! تم میرا حق ادا نہیں کروگے،

---

(۱) مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۵۵۲۸، عن ابی حدرد۔

تم بنی عبد المطلب ہو ہی ٹال مٹول کرنے والے'' حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے کہ اسے دھکا دے کر ہٹا دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا اور کہا: عمر! مجھے بھی اور اسے بھی تمہارے اس عمل کی بجائے دوسرے عمل کی ضرورت تھی، تم مجھے کہتے کہ میں بہتر طور پر ادا کر دوں، اور اس سے کہتے کہ تم صحیح طریقہ پر تقاضا کرو؛ اس لئے تم جاؤ اس کا حق بھی ادا کرو اور تم نے اس کو جو ڈرایا ہے، اس کے بدلہ بیس صاع کھجور بڑھا کر دے دو، (۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس انصاف پسندی اور حق گوئی سے زید بن سَعْنَہ اتنے متاثر ہوئے کہ اسی وقت مسلمان ہو گئے۔

مذہبی معاملات

نہ صرف سماجی بلکہ مذہبی معاملات میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم غیر مسلموں کے ساتھ رواداری کا پہلو اختیار کرتے تھے اور دوسروں پر ان کی مرضی کے بغیر اسلام کو تھوپنے کے قائل نہیں تھے؛ اس لئے مکہ مکرمہ میں آپ نے اہل مکہ سے یہی خواہش کی کہ اگر تم اسلام قبول نہیں کرتے تو نہ کرو؛ لیکن اسلام کی دعوت میں رکاوٹ بھی نہ بنو اور سب لوگوں کو اپنے مذہب کے مطابق عمل کرنے دو، اسی کو قرآن مجید نے فرمایا: ''لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ'' (۲) ہجرت کر کے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو ابتدائی مرحلہ میں آپ نے جن کاموں کو انجام دیا، ان میں ایک اہم کام مدینہ کے تمام قبائل ـــــ جن میں مسلمان بھی تھے، یہودی بھی اور اِکا دُکا مشرکین بھی ـــــ کے درمیان معاہدۂ امن کرانا تھا، اس معاہدہ کی بنیاد دو باتوں پر تھی، ایک: مشترکہ دفاع، دوسرے: ہر گروہ کی حیثیت کو تسلیم کرنا اور ان کا اپنے مذہبی معاملات میں آزاد ہونا؛ چنانچہ اس معاہدہ کے الفاظ حسبِ ذیل تھے:

> یہودی مسلمانوں کی طرح ایک قوم سمجھی جائے گی، جو کوئی ان سے لڑے، مسلمان ان کے مقابلہ یہود کی مدد کریں گے، مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات خیر اندیشی، نفع رسانی، نیکی کے ہوں گے،

(۱) مستدرک حاکم، کتاب معرفۃ الصحابہ، حدیث نمبر: ۶۵۴۷۔
(۲) کافرون: ۶۔

یہودیوں کے حلیف بھی اس معاہدہ میں ان کے ساتھ شریک ہوں
گے، مظلوم کی ہمیشہ مدد کی جائے گی۔(۱)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نجران کے عیسائیوں کا وفد آیا، آپ ﷺ نے ان سے معاہدہ کرتے ہوئے ان کے لئے جو دستاویز لکھوائی، وہ حسبِ ذیل ہے :

اہل نجران کو خدا کی حفاظت اور محمد رسول اللہ کی امان حاصل ہوگی، ان کی جان، مذہب، ملک اور اموال کے متعلق تمام موجود اشخاص اور غیر موجود افراد، اور ان کی قوم، نیز اِن کے پیرو اس امان میں شامل ہوں گے، ان کی موجودہ حالت تبدیل نہیں کی جائے گی، ان کے حقوق میں سے کوئی حق بدلا نہ جائے گا اور جو کچھ تھوڑا یا زیادہ ان کے قبضہ میں ہے، اس میں کوئی تغیر نہ کیا جائے گا۔(۲)

مذہبی اُمور کی انجام دہی کے سلسلہ میں آپ ﷺ کی وسیع القلبی کا حال یہ تھا کہ عیسائیوں کے اس گروہ نے اپنے طریقے پر اور اپنے قبلہ یعنی مشرق کی طرف رُخ کر کے مسجد ہی میں عبادت کرنی چاہی، رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع نہیں فرمایا؛ بلکہ انھیں اجازت دی اور اپنے رفقاء سے فرمایا کہ انھیں روکو نہیں۔(۳)

اسی طرح مذہبی مقدس شخصیات کی نسبت سے بھی آپ اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ کوئی ایسی بات نہ کہی جائے جو ان پر ایمان رکھنے والوں کے لئے دل آزاری کا باعث بن جائے، مدینہ میں ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک یہودی بازار میں قسم کھا رہا تھا: ''اس ذات کی قسم! جس نے موسیٰ کو تمام انسانوں میں چن لیا ہے، یعنی انھیں تمام انسانیت پر فضیلت عطا کی ہے'' مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ آپ ﷺ کو تمام انسانوں اور تمام پیغمبروں پر فضیلت عطا کی گئی ہے؛ اس لئے ایک انصاری مسلمان سے یہ بات برداشت نہ ہوسکی، انھوں نے یہودی کو برا بھلا کہا

(۱) سیرت ابن ہشام:۱/۱۷۸۔ (۲) فتوح البلدان، بلاذری:۱/۷۷۔
(۳) البدایہ والنہایہ، لابن کثیر:۵/۵۶۔

اور مارے غصے کے اس یہودی کے چہرہ پر تھپڑ مار دیا، وہ یہودی آپ کی خدمت میں آیا اور ان انصاری کی شکایت کی، آپ نے ان انصاری سے کہا: انبیاء کے درمیان ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دو، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک خصوصی فضیلت کا ذکر فرمایا جو قیامت کے دن ظاہر ہوگی، (۱) — غرض کہ آپ نے حکمت کے ساتھ اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک جزوی فضیلت کا ذکر فرمادیا؛ تاکہ ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کی وجہ سے اس کے ماننے والوں کی دل آزاری نہ ہو اور یہ چیز لوگوں کو مقدس شخصیتوں کی بے احترامی کی طرف نہ لے جائے۔

عفو و درگذر

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے نمایاں وصف 'عفو و درگذر' تھا، آپ دوستوں کو تو معاف کرتے ہی تھے اور سادہ لوحی یا بھول چوک میں ان کی طرف سے ہونے والے خطاؤں کو نظر انداز فرمادیتے تھے؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بدترین دشمنوں اور ہر طرح کی ایذا پہنچانے والے کو بھی معاف فرمادیا کرتے تھے، اس سلسلہ میں یہاں چند واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے :

● مکہ میں سخت قحط پڑا، لوگ مردار کھانے پر مجبور ہوگئے، یہی لوگ تھے جنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور مسلمانوں کا ایسا بائیکاٹ کیا تھا کہ ان پر ایک ایک دانہ روک دینے کی پوری کوشش کی تھی، چار سال تک مسلمان اس تکلیف دہ بائیکاٹ سے گذرے تھے؛ لیکن جب قحط کے موقع سے اہل مکہ نے آپ سے کہا کہ آپ تو قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دیا کرتے ہیں اور آپ کی قوم ہلاک ہو رہی ہے؛ اس لئے آپ اپنے خدا سے اس قحط کو دُور کردینے کی دُعا فرمادیجئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لئے دُعا فرمائی اور پھر مکہ میں خوب بارش ہوئی۔ (۲)

---

(۱) بخاری، عن ابی سعید خدری، کتاب الخصومات، حدیث نمبر: ۲۴۱۲۔

(۲) بخاری، کتاب الاستسقاء، حدیث نمبر: ۹۷۴۔

● مکہ میں نجد کی طرف سے غلہ آیا کرتا تھا، وہاں کے سردار ثُمامہ بن اُثال جب مسلمان ہوئے تو انھوں نے مکہ کی طرف غلہ کی ترسیل بند کردی اور کہا: رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے بغیر ایک دانہ بھی مکہ جانے نہیں دیا جائے گا؛ لیکن آپ ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرما دیا۔(۱)

● صلح حدیبیہ کے موقع سے آپ ﷺ حدیبیہ میں مسلمانوں کو ساتھ لے کر فجر کی نماز ادا کررہے تھے، ستر اسّی لوگ تنعیم نامی پہاڑی کی طرف سے چھپ کر آ گئے؛ تاکہ نماز کے درمیان مسلمانوں پر حملہ کردیں؛ لیکن یہ سب گرفتار کر لئے گئے، آپ ﷺ نے ان کو کوئی سزا دیئے اور کوئی فدیہ لئے بغیر رہا کر دیا۔(۲)

● ابوجہل آپ کا بدترین دشمن تھا، اس کے لڑکے عکرمہ کو یہ دشمنی میراث میں ملی تھی، فتح مکہ کے موقع سے یہ بھاگ کر یمن چلے گئے، ان کی بیوی اُم حکیم بنت حارث ابوجہل کی بھتیجی تھیں، وہ مسلمان ہوگئیں اور اپنے شوہر کے لئے معافی چاہی، آپ ﷺ نے معاف کردیا، یہ خود یمن گئیں اور شوہر سے ذکر کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو معاف کر دیا ہے، انھیں بڑا تعجب ہوا کہ آپ ﷺ نے ان کے جیسے بدترین دشمن کو کیوں کر معاف کر دیا؟ بہر حال وہ اپنی بیوی کے ساتھ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر استقبال کیا اور ان کو اپنے گلے سے لگالیا؛ چنانچہ وہ مسلمان ہو گئے اور ہمیشہ کے لئے غلامانِ محمد میں شامل ہو گئے۔(۳)

● ہَبّار بن اسود وہ شخص تھا، جس نے آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب کو ہجرت کرتے وقت ایسی تکلیف پہنچائی کہ ان کا حمل ساقط ہوگیا، فتح مکہ کے کچھ عرصہ بعد اچانک آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: میں گنہگار اور قصوروار ہوں اور مجھ سے زیادتی ہوئی ہے، پھر اس نے خود ہی ’’لا اِلٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ‘‘ پڑھا، آپ ﷺ نے اس کی ایسی زیادتی کو بھی معاف فرما دیا، اس کو کوئی سزا نہیں دی۔(۴)

---

(۱) سیرت ابن ہشام: ۲/۶۳۸۔ (۲) مسلم، کتاب الجہاد، حدیث نمبر: ۱۸۰۸۔
(۳) مستدرک حاکم، کتاب معرفۃ الصحابہ، حدیث نمبر: ۵۰۵۵۔ (۴) المعجم الکبیر: ۱۰۵۱۔

● اُحد کی لڑائی میں وَحْشی بن حَرْب نے حضرت حمزہ ؓ کو شہید کیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت حمزہ ؓ کی شہادت سے بے حد رنج ہوا تھا، آخر وہ حاضر خدمت ہوا اور مسلمان ہوگیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے معاف کردیا؛ البتہ فرمایا کہ تم میرے سامنے نہ آیا کرو کہ تمہیں دیکھ کر چچا کا غم تازہ ہوجاتا ہے۔(۱)

● اسلام کے بدترین دشمنوں میں 'صفوان بن اُمیہ' بھی تھے، جن کا شمار اہل مکہ کے قائدین میں تھا، جب مکہ فتح ہوا تو بھاگ کر یمن جارہے تھے، عُمَیر بن وَہْب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کے لئے امن کی درخواست کی، آپ نے نہ صرف اپنے سخت دشمن کے لئے ان کی درخواست قبول فرمائی؛ بلکہ اپنی طرف سے نشانی کے طور پر اپنا عمامہ بھی عنایت فرمایا، یہ جاکر ان کو واپس لائے، صفوان نے آکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا یہ درست ہے کہ آپ نے مجھے معاف کردیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں! کہنے لگا: لیکن مجھے اسلام قبول کرنے کے لئے دو مہینے کی مہلت دیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دو نہیں، چار ماہ کی مہلت ہے۔(۲)

● عُتْبَہ مکہ کے ان سرداروں میں تھے، جو اسلام کی مخالفت میں پیش پیش تھے، اس کی بیٹی ہندہ کو یہ عداوت گویا ترکہ میں ملی تھی، غزوۂ اُحد کے موقع سے اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ ؓ کا کلیجہ چباڈالا تھا اور ان کی لاش کی ایسی بے حرمتی کی تھی کہ لاش دیکھی نہ جاتی تھی، فتح مکہ تک اس کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دشمنی میں کوئی کمی نہیں آئی تھی، فتح مکہ کے بعد چہرہ چھپاکر حاضر خدمت ہوئی، اسلام قبول کیا اور اس وقت بھی آپ سے بعض تیکھے سوالات کئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بھی معاف فرمادیا۔(۳)

● ایک سفر کے دوران آپ ایک جگہ درخت سے تلوار لٹکا کر لیٹ گئے، ایک شخص آیا، اس نے تلوار اپنے ہاتھ میں لی اور حضور سے کہنے لگا: تم کو مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ کی آنکھ

(۱) سیرت ابن ہشام: ۲/۷۰۔
(۲) مؤطا امام مالک، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۱۳۲۔
(۳) الرحیق المختوم: ۱/۳۹۳۔

کھل گئی، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ! یہ کہنا تھا کہ وہ کانپنے لگا اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی، آپ ﷺ نے تلوار ہاتھ میں لی اور دریافت فرمایا: اب تم کو مجھ سے کون بچائے گا؟ اس نے حضور ﷺ کے رحم وکرم کی دہائی دی، اور آپ ﷺ نے اسے معاف کر دیا۔(۱)

● مدینہ میں ایک گروہ منافقین کا تھا، یہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے؛ لیکن حقیقت میں مسلمان نہیں تھے اور کبھی یہودیوں سے اور کبھی اہل مکہ سے مل کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے، اس گروہ کا سردار عبداللہ بن اُبی تھا، وہ ایک سفر کے موقع پر مہاجرین اور انصار کے درمیان اختلاف پیدا کرتے ہوئے کہنے لگا: اب جب ہم لوگ مدینہ پہنچیں گے تو ہم میں سے باعزت لوگ ان لوگوں کو نکال باہر کریں گے، جو ذلیل ہیں، اس سے اس کا اشارہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کی طرف تھا، اس کے صاحبزادے مخلص مسلمان تھے، ان کو اپنے والد کی یہ بات بہت ناگوار گذری؛ چنانچہ جب یہ قافلہ مدینہ کے پاس پہنچا، تو وہ کھڑے ہوگئے اور انھوں نے اپنے والد سے کہا کہ جب تک رسول اللہ ﷺ اجازت نہیں دیں گے، آپ مدینہ میں داخل نہیں ہوسکتے، جب آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ ان کے صاحبزادے ان کا راستہ روکے ہوئے ہیں تو آپ نے منع فرمادیا اور فرمایا کہ انھیں مدینہ آنے دو۔(۲)

جب عبداللہ بن اُبی کا انتقال ہوا تو باوجودیکہ وہ مسلمان نہیں تھے؛ لیکن ان کے صاحبزادے کی خواہش پر آپ ﷺ نے ان کے کفن کے لئے اپنا کرتا عنایت فرمایا۔(۳)

● ایک یہودی عورت نے آپ کو کھانے پر مدعو کیا، آپ ﷺ بکرے کا گوشت اور اس میں بھی دست کا حصہ زیادہ پسند فرماتے تھے، اس نے اس میں خوب اچھی طرح زہر ملا دیا، آپ نے جیسے ہی منھ میں لقمہ رکھا، اندازہ ہوگیا، اس کی تکلیف کا اثر آپ پر وفات تک رہا،

(۱) مسلم، کتاب المسافرین، حدیث نمبر: ۸۴۳۔
(۲) سیرت ابن ہشام: ۲/۲۹۰۔
(۳) بخاری، کتاب الجنائز، حدیث نمبر: ۱۲۱۰۔

آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تم نے یہ حرکت کیوں کی؟ اس نے کہا: میں نے سوچا کہ اگر آپ سچے نبی ہوں گے تو اللہ آپ کو بچا لے گا، اللہ آپ کو مطلع کر دے گا، اور اگر آپ نے جھوٹا دعویٰ کیا ہوگا تو لوگوں کو آپ سے نجات مل جائے گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے معاف کر دیا؛ لیکن آپ کے ایک اور ساتھی بھی اس کھانے میں شریک تھے، جن کی اسی زہر کی وجہ سے موت ہوگئی، ان کے قصاص کے طور پر وہ عورت قتل کی گئی؛ کیوں کہ قصاص معاف کرنے اور نہ کرنے کا تعلق اصل مقتول کے وارث سے ہوتا ہے، کوئی اور شخص اسے معاف نہیں کر سکتا۔(۱)

● صفوان بن اُمیہ کے اُکسانے پر عمیر بن وہب ایک سازش کے تحت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کے لئے مدینہ آیا، وہ اس حال میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کہ تلوار اپنی گردن میں لٹکائے ہوا تھا، بظاہر عقیدت و ارادت کے ساتھ آیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے آنے کا مقصد پوچھا تو اس نے کچھ اور سبب بتایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی سچائی کو واضح کرتے ہوئے فرمایا: کیا تم نے فلاں کے ساتھ مل کر سازش نہیں کی اور کیا تم فلاں نیت سے نہیں آئے ہو؟ آخر اسے اقرار و اعتراف کرنا ہی پڑا، وہ اس وقت آپ کے قابو میں تھا؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے معاف کر دیا۔(۲)

● غزوۂ بدر کے موقع پر سہیل بن عمرو گرفتار ہوا، وہ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بڑی بدگوئی کیا کرتا تھا اور تقریر کرنے میں ماہر تھا، آپ نے جب ان کو رہا کرنے کے لئے فرمایا تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا: سہیل کے اگلے دونوں دانت نکال دیئے جائیں؛ تاکہ آئندہ پھر وہ کبھی آپ کے خلاف تقریر نہ کر سکے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں اس کا مُثلہ نہیں کروں گا، کہیں اللہ تعالیٰ میرا مُثلہ نہ فرما دیں؛ حالاں کہ میں نبی ہوں، (۳) 'مُثلہ' اعضاء کے کاٹ دینے کو کہتے ہیں۔

---

(۱) ابوداؤد، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۴۵۱۲۔

(۲) سیرت ابن ہشام: ۱/۶۶۱۔

(۳) کنز العمال، حدیث نمبر: ۳۷۱۳۷۔

● آپ ﷺ کے عفو و درگذر کے کتنے ہی واقعات ہیں، اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو مستقل کتاب ہو جائے، یہی آپ ﷺ کا نمایاں وصف تھا؛ لیکن اس سلسلہ کا سب سے بڑا واقعہ فتح مکہ کے موقع پر دی جانے والی عام معافی ہے، غور کیجئے کہ اہل مکہ نے کونسی تکلیف تھی، جو آپ ﷺ کو اور آپ کے رفقاء کو نہیں پہنچائی تھی؟ کمزور مسلمانوں کو قتل کیا، انھیں آگ پر لٹایا گیا، ریت پر گھسیٹا گیا، آگ جلا کر دھواں دیا گیا، کوڑے لگائے گئے، بائیکاٹ کر کے پورے قبیلہ بنو ہاشم و بنو مطلب کو فاقہ پر مجبور کیا گیا اور خود آپ کو کیا کچھ تکلیفیں نہیں پہنچائی گئیں، پاگل اور جادوگر کہا گیا، آپ ﷺ پر کچڑا پھینکا گیا، پتھر برسائے گئے، صاحبزادیوں کو طلاق دلوائی گئی، صاحبزادی پر ایسا حملہ کیا گیا کہ حمل ساقط ہو گیا، عین صحن کعبہ میں آپ کو پھانسی دینے کی کوشش کی گئی، قتل کی سازشیں کی گئی، مجبور ہو کر آپ ﷺ کو مکہ چھوڑنا پڑا، پھر مدینہ میں بھی مسلسل مسلمانوں پر جنگ تھوپی گئی، محبوب چچا کا کلیجہ چبایا گیا، خود آپ ﷺ کے دندانِ مبارک شہید ہوئے اور خون کا فوارہ بہنے لگا، غرض اذیت رسانی کی کوئی ایسی صورت نہیں تھی، جو اختیار نہیں کی گئی۔

آج یہ سب مجرمین نظروں کے سامنے تھے اور قابو میں تھے، دس ہزار جاں نثاروں کا لشکر آپ کے ساتھ تھا، وہ آپ کے ایک ایک حکم کو بجالانے کے لئے بے قرار تھا؛ لیکن آپ نے ان پر ایک غضبناک نظر بھی نہیں ڈالی، ان کی شرمناک اور ظالمانہ حرکتوں کا ذکر بھی زبان مبارک پر نہیں آیا، صرف دریافت فرمایا: تم آج مجھ سے کیا توقع رکھتے ہو؟ لوگوں نے عرض کیا: آپ شریف بھائی اور شریف بھائی کی اولاد ہیں! آپ ﷺ نے فرمایا: میں آج تم سے وہی کہتا ہوں، جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا: ''انتم الطلقاء لا تثریب علیکم الیوم'' کہ تم آزاد ہو، تم پر کوئی پکڑ نہیں، گویا حضرت یوسف علیہ السلام کا حوالہ دے کر آپ ﷺ نے اس بات کی طرف لطیف اشارہ فرما دیا کہ اگرچہ عداوت و دشمنی نے تمہارے اندر اُخوت و قرابت کے احساس کو مردہ کر دیا؛ لیکن میں تم کو پہلے بھی اپنا بھائی سمجھتا تھا اور اب بھی سمجھتا ہوں —— کیا تاریخِ عالم میں ایک طاقتور فاتح کی اپنے مفتوحین کے ساتھ حسن سلوک کی ایسی کوئی اور مثال بھی ملے گی؟؟

جہاد میں بھی رحم دلی

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ اسلام نے کافروں سے قتال کرنے کا حکم دیا ہے؛ لیکن یہ صحیح تعبیر نہیں ہے، جہاد کے معنی کوشش اور جدوجہد کرنے کے ہیں؛ اسی لئے جہاد زبان سے بھی ہوتا ہے، قلم سے بھی اور مال سے بھی، اور اس کی ایک آخری شکل تلوار سے جہاد کرنے کی بھی ہے؛ لیکن تلوار سے جہاد کافروں سے نہیں ظالموں سے ہے، اگر کوئی مسلمان گروہ آمادۂ ظلم ہو تو اس سے بھی جہاد کیا جائے گا، عہد صحابہ میں بھی ایسی مثال موجود ہے کہ مسلمانوں نے خود مسلمانوں سے جہاد کیا ہے؛ اس لئے کہ وہ دوسرے فریق کو ظالم تصور کرتے تھے، قرآن مجید نے بطور اُصول جو بات بیان کی ہے، وہ یہ ہے :

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا
اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۔ (۱)

اللہ کے راستہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو، جو تم سے جنگ کرتے ہوں اور زیادتی نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

یعنی ان لوگوں سے جہاد کی اجازت دی گئی ہے، جو مسلمانوں سے آمادۂ جنگ ہوں؛ لیکن جب جنگ کرنے کا جواز ہو تو اس موقع پر بھی آپ ﷺ نے کچھ اخلاقی حدود بتائے اور اس کی رعایت کرنے کو لازم ٹھہرایا؛ چنانچہ آپ ﷺ نے حکم دیا :

لا تقتلوا شیخاً فانیاً ولا طفلاً صغیراً ولا إمرأۃ ۔ (۲)

کسی بوڑھے ضعیف شخص کو یا چھوٹے بچے (نابالغ) کو یا عورت کو قتل نہ کرو۔

---

(۱) البقرۃ:۱۹۰۔

(۲) ابوداؤد، کتاب الجہاد، حدیث نمبر:۲۶۱۴۔

ایک موقع پر اسلامی فوج کے سپہ سالار حضرت خالد بن ولیدؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت دی: ''لا تقتلن امراۃ ولا عسیفاً'' (۱) ''عورت اور مزدور کو قتل نہ کرو'' ایک موقع پر فرمایا: ''لا تقتلوا أصحاب الصوامع'' (۲) غیر مسلم عبادت گاہوں کے متعلقین کو قتل نہ کرو، گویا مذہبی شخصیتوں کو بھی جنگ میں قتل سے مستثنیٰ رکھا گیا، آپ نے اس بات سے بھی منع فرمایا کہ کسی زخمی شخص پر حملہ کیا جائے، جنگ میں جو شخص بھاگ رہا ہو، اس کا پیچھا کیا جائے، جو فوجی قید میں آ گیا ہو، اس کو قتل کیا جائے اور جو اپنے گھر کے دروازہ کو بند کر لے، اس پر حملہ کیا جائے:

لا تجھزن علی جریح ولا یتبعن مدبر ولا یقتلن اسیر ولا من أغلق بابه فھو آمن۔ (۳)

کسی زخمی پر حملہ نہ کیا جائے، کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے، کسی قیدی کو قتل نہ کیا جائے اور نہ اس کو جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے، وہ (سب) امان میں ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات سے بھی منع فرمایا کہ کسی کو آگ کی سزا دی جائے: ''لا ینبغی أن یعذب بالنار إلا رب النار'' (۴) اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ شدید مجبوری کے بغیر آتشیں اسلحہ کا استعمال جائز نہیں، عرب کے لوگ جب غلبہ حاصل کرتے تھے تو اپنے دشمن کو نہ صرف قتل کرتے تھے؛ بلکہ ان کی لاش کا مثلہ بھی کر دیتے تھے، یعنی ان کے اعضا کاٹ دیتے تھے، آپ نے اس سے منع فرمایا: ''نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من النھبی والمثلة'' (۵) ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ اگر دشمن پکڑ میں آ جاتا تھا تو

(۱) ابوداؤد، کتاب الجہاد، حدیث نمبر: ۲۶۶۹۔
(۲) السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب السیر، حدیث نمبر: ۱۷۹۳۳۔
(۳) فتوح البلدان: ۴۷۔
(۴) ابوداؤد، کتاب الجہاد، حدیث نمبر: ۲۶۷۷۔
(۵) بخاری، کتاب المظالم، باب النہی بغیر اذن صاحبہ، حدیث نمبر: ۲۳۴۲۔

اس کو تکلیف دے دے کر قتل کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح باندھ کر مارنے سے منع فرمایا: ''نهى عن قتل الصبر''۔(۱)

غرض کہ اولاً تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امن وسلامتی کو پسند کرتے تھے، جنگ سے بچنا چاہتے تھے؛ لیکن اگر مخالفین کی طرف سے ایسے حالات پیدا ہو جاتے کہ جنگ کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہ ہو تب بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ کے مہذب اُصول مقرر فرمائے اور بہت سے غیر انسانی طریقوں — جو اس وقت عربوں میں یا ان کے پڑوسی ملکوں میں مروج تھے — کو ختم کیا۔

• • •

(۱) ابوداؤد، کتاب الجہاد، حدیث نمبر:۲۶۸۹۔

خواتین کے ساتھ سلوک ☆

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے انسانیت کے ہر طبقہ کے ساتھ حسن سلوک کا درس دیا اور عملی طور پر اس کو برت کر دکھایا؛ لیکن معاشرہ میں جن طبقات کو کمزور سمجھا جاتا تھا، ان کی مزید رعایت کی، اور اسی کی تاکید اپنی امت کو بھی فرماتے رہے، انھیں میں ایک عورت بھی ہے جس کے بارے میں دنیا کی مختلف قوموں اور تہذیبوں میں غیر انسانی تصور اور سلوک پایا جاتا تھا، خاص طور سے اسلام کا سورج جس ماحول میں طلوع ہوا، اس میں عورت اپنے ہر روپ میں مظلوم اور بے سہارا تھی۔

اس کا دنیا میں آنا منحوس سمجھا جاتا تھا، اس لئے اسے زندہ درگور کر دیا جاتا تھا، اس کے لئے زمین کے اوپر جگہ نہ تھی بلکہ زمین کے نیچے، اور اگر کسی رحم دل کی نظرِ رحمت اسے بچالے جانے میں کامیاب ہوجاتی تھی تو بھی وہ ایک عام سامان کی حیثیت رکھتی تھی انسان کی نہیں، یہی وجہ تھی کہ اسے وراثت میں تقسیم کر دیا جاتا تھا، ایسے حالات میں حضور اکرم ﷺ نے جو وسیع تر اصلاحات کا فریضہ انجام دیا، اس میں ایک انقلابی قدم یہ بھی تھا کہ آپ نے عورت کو اس کا جائز مقام دلایا اور اس کی مختلف حیثیتوں میں اس کے حقوق بیان فرمائے، جس کا دوست و دشمن سب کو اعتراف ہے، اس مختصر تحریر میں ہم حضور اکرم ﷺ کے عورتوں پر جو بے انتہا احسانات ہیں، ان کے کچھ نمونے پیش کرتے ہیں، کوشش ہوگی کہ زیادہ تر مثالیں آپ ﷺ کی عملی زندگی سے دی جائیں؛ تا کہ یہ حقیقت واضح ہو سکے کہ محسن انسانیت ﷺ نے انسانیت کو جو تعلیمات دیں وہ خود ان کی پاکیزہ زندگی میں کس طرح رچ بس گئی تھیں۔

☆ مولانا محمد اعظم ندوی (استاذ: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)۔

ماں کے ساتھ حسن سلوک

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اولاد کو ماں باپ دونوں کی خدمت واطاعت کا حکم دیا؛ لیکن چوں کہ ماں فطری طور پر باپ کے مقابلہ میں کمزور اور حساس ہوتی ہے، پھر اس کے احسانات اور قربانیاں بھی باپ کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہیں؛ اس لئے آپ نے ماں کا حق زیادہ بتایا اور ماں کے ساتھ حسن سلوک کی خصوصی ترغیب دی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک شخص نے پوچھا: یارسول اللہ! میرے نیک سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تیری ماں'' اس نے پوچھا: پھر کون؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تیری ماں'' اس نے پوچھا: پھر کون؟ ارشاد فرمایا: ''تیری ماں'' اس نے کہا: پھر کون؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تیرا باپ''۔(۱)

خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ماں کے ساتھ حسن سلوک کے نمونے تلاش کئے جائیں تو چوں کہ آپ کی والدہ حضرت آمنہ بنت وہب کی وفات تو اسی وقت ہو چکی تھی، جب آپ چھ سال کے تھے، اس لئے حسن سلوک کا کوئی واقعہ تو نہیں مل سکتا؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو یاد کر کے آبدیدہ ہو جاتے تھے، جب ان کی قبر مبارک سے گذر ہوا تو خود بھی رو پڑے اور صحابہ کو بھی اشکبار کر دیا؛ البتہ آپ نے اپنی رضاعی ماؤں کے ساتھ جو برتاؤ کیا، ان میں سے چند شہادتیں حدیث وسیرت کی کتابوں میں ملتی ہیں، حضرت ابوالفضل کہتے ہیں: میں نے جعرانہ کے مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ گوشت تقسیم فرمارہے ہیں، اتنے میں ایک عورت آئیں اور آپ کے بالکل قریب پہنچ گئیں، آپ نے ان کے لئے اپنی چادر بچھادی، وہ اس پر بیٹھ گئیں، میں نے لوگوں سے پوچھا: یہ کون صاحبہ ہیں؟ لوگوں نے بتایا: یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ ماں ہیں، جنھوں نے آپ کو دودھ پلایا تھا، (۲) شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ یہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

---

(۱) الأدب المفرد: باب برالأم، حدیث نمبر: ۳۔

(۲) ابوداؤد، کتاب الأدب باب فی برالوالدین، حدیث نمبر: ۵۱۴۴۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک دوسری رضاعی ماں اور آپ کی پرورش و پرداخت میں نمایاں حصہ لینے والی خاتون اُم ایمن رضی اللہ عنہا برکہ بنت ثعلبہ تھیں، وہ اصلاً آپ کی والدہ حضرت آمنہ کی کنیز تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ان کو آزاد فرمایا تھا اور حضرت عبید بن زید سے شادی کرادی تھی، آپ ان کو محبت میں ''یا أمه'' (اماں جان)، کہہ کر پکارتے تھے، آپ نے یہاں تک فرمایا کہ: ''أم ایمن أمي بعد أمي'' (میری ماں کے بعد یہی میری ماں ہیں) کبھی فرمایا: ''هذه بقية أهل بيتي'' (یہ میرے اہل بیت میں سے باقی بچ گئی ہیں) (۱) ایک بار انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پانی پیتے ہوئے دیکھ کر کہا: مجھے بھی پانی پلادیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کیا تم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا کہہ رہی ہو، حضرت اُم ایمن رضی اللہ عنہا نے کہا: تم نے مجھ سے زیادہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت نہیں کی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اُم ایمن درست کہتی ہیں، اور آپ نے انھیں پانی پلایا، (۲) جب ان کے شوہر کا انتقال ہوگیا تو آپ نے فرمایا: ''جسے یہ بات پسند ہو کہ کسی جنتی عورت سے نکاح کرے، وہ اُم ایمن سے نکاح کرلے'' (۳) چنانچہ ان سے آپ کے چہیتے صحابی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا اور ان ہی کے بطن سے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی پیدائش ہوئی، آپ کی اسی محبت کا نتیجہ تھا کہ جب آپ کی وفات ہوئی تو حضرت اُم ایمن حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے سامنے روتی ہوئی آئیں، انھوں نے پوچھا: آخر کونسی چیز ہے جو آپ کو رُلاتی ہے؟ انھوں نے فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بہتر حالت میں چلے گئے؛ لیکن میں اس لئے رو رہی ہوں کہ اب آسمان و زمین کے رابطے منقطع ہوگئے۔ (۴)

حضرت ابو طالب کی بیوی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت اسد نے بھی حضور کی پرورش میں بڑا کردار ادا کیا تھا، آپ ان کا بھی حد درجہ احترام فرماتے تھے، ایک روایت کے مطابق ان کے کفن کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قمیص مبارک عطا فرمائی تھی۔ (۵)

---

(۱) الاصابہ، باب فیمن عرف بالکنیۃ من النساء، حرف الالف، القسم الاول: ۸/ ۳۵۹۔

(۲) اُسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ: ۵/ ۵۶۷۔ (۳) طبقات ابن سعد: ۸/ ۱۶۲۔

(۴) مسلم: کتاب المناقب، باب من فضائل اُم ایمن، حدیث نمبر: ۲۴۵۴۔

(۵) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۱۱۸۔

بیویوں کے ساتھ حسن معاشرت

حسن معاشرت سے مراد باہم بہتر سے بہتر طریقہ پر زندگی گذارنا ہے، بیوی پر شوہر کے ساتھ حسن سلوک اور اس کا احترام لازمی ہے، اسی طرح شوہر کے لئے بھی بیوی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اور اس کی دلجوئی ضروری ہے، قرآن مجید میں ہے :

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں ؛ تا کہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کردی ، یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور وفکر کرتے ہیں ۔ (۱)

ظاہر ہے سکون واطمینان اور مودت واُلفت کا حصول ایک دوسرے کے احترام اور بہتر برتاؤ کے بغیر ممکن نہیں ، شوہر کو چوں کہ صدرِ خاندان کی حیثیت سے منتظم کا مقام حاصل ہے، اس لئے اس بات کا اندیشہ تھا کہ وہ بیوی کو اپنی قوت وانانیت کے زور پر اپنے حسن سلوک سے محروم رکھتا؛ اس لئے اس کو زیادہ اس کی تاکید کی گئی ، فرمایا گیا :

اور ان کے ساتھ اچھی طرح گذر بسر کرو، اگر وہ تم کو نہیں بھاتی ہیں تو ہوسکتا ہے تم کو ایک چیز ناپسند ہو اور اللہ نے اس میں بہت سی خوبیاں رکھی ہوں ۔ (۲)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کو شیشوں سے تشبیہ دی ؛ تا کہ ہر معاملہ میں ان کی فطری کمزوری اور نزاکت کا خیال رکھا جائے ، اُنجشہ نامی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک حبشی غلام تھے، ان کا کام حدی خوانی کا تھا، یعنی قافلہ کے اونٹوں کو تیز چلانے کے لئے وہ کچھ گاتے ہوئے چلتے تھے ؛ لیکن عورتوں کو اونٹوں کی تیز رفتاری سے تکلیف ہوسکتی تھی ؛ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

یا أنجشة رویدک سوقا بالقواریر ۔ (۳)

---

(۱) الروم:۲۱۔ (۲) النساء:۱۹۔

(۳) بخاری: کتاب الادب، باب ماجاء في قول الرجل ویلک، حدیث نمبر:۶۱۶۱۔

اے انجشہ! آبگینوں کو آہستہ لے کر چلو۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک دُعاء کے الفاظ یہ ہیں :

اللّٰهم إني أحرّج حق الضعيفين اليتيم والمرأة ـ (١)

میں ایسے شخص کو گناہ گار سمجھتا ہوں اور اس کو روکتا ہوں جو دو کمزوروں یتیم اور عورت کے حق کو ضائع کرتا ہے۔

قرآن وحدیث میں بار بار خوشگوار ازدواجی زندگی گذارنے کا حکم دیا گیا ہے، خوشگوار ازدواجی زندگی کا تقاضہ ہے کہ میاں بیوی میں سے ایک خفا ہو جائے تو دوسرا اس کو منانے کی کوشش کرے، حضرت عائشہؓ عام حالات میں "وربِّ محمدؐ" (محمد کے رب کی قسم) کہنے کی عادی تھیں، کسی وجہ سے ناراض ہو جاتیں تو "وربِّ إبراہیم" (ابراہیم کے رب کی قسم) کہہ دیا کرتی تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرق کو محسوس کر لیا، اور فرمایا :

إني لأعلم إذا كنت عني راضية ، و إذا كنت علي غضبى ـ (٢)

میں جانتا ہوں تم کب مجھ سے خوش ہو، اور کب ناراض ہو۔

حضرت عائشہؓ نے اس کا اعتراف کیا، اور فرمایا :

أجل يارسول الله ! لا أهجر إلا إسمك ـ

جی ہاں، بخدا رسول خدا! میں صرف آپ کا نام ہی چھوڑ دیتی ہوں (ورنہ دل تو آپ کی محبت سے معمور ہوتا ہے)۔

اس واقعہ سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبوت کے دشوار فرائض کو انجام دینے کے باوجود ازدواجی زندگی کو کس قدر خوشگوار رکھتے تھے، اور لاکھ مصیبت وغم کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں، باہر کے مسائل کو بہت کم گھر میں چھیڑتے تھے، ہاں، جب مناسب موقع ہوتا تو بسا

(١) مسند احمد، عن ابی ہریرۃؓ، حدیث نمبر: ٩٦٦٦۔

(٢) بخاری: باب غیرۃ النساء ووجدہن، حدیث نمبر: ٥٢٢٨۔

اوقات ذکر بھی کرتے ، اور مناسب مشورہ سے فائدہ بھی اُٹھاتے ، آغاز نبوت میں حضرت خدیجہؓ نے آپ کو دلاسا دیا ،(۱) صلح حدیبیہ کے بعد جب آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے جاں نثار ساتھیوں کو عمرہ سے روک دیا گیا ، اور آپ نے آئندہ سال آ کر عمرہ قضاء کرنے کی کافروں کی مشرکین مکہ کی ،تو صحابہ بال مونڈ وانے اور قربانی کر کے احرام کھولنے کو تیار نہ تھے ، ان کو اس سے ایسا صدمہ پہنچا تھا کہ ان پر سکتہ طاری تھا ، اس موقع سے حضرت اُم سلمہؓ کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے آپ نے اِن اعمال میں پہل کی ، چار و ناچار صحابہ نے نبی کے عمل کی پیروی کی ، اور مسئلہ حل ہوا ، (۲) اور جب ان کے مشورہ پر عمل کرنا دینی مصلحت کے خلاف ہوتا تو یا تو آپ خود منع فرما دیتے ،جیسا کہ اس وقت ہوا جب آپ ﷺ نے اپنے مرض وفات میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو نماز کی امامت کے لئے آگے بڑھانا چاہا تو حضرت عائشہؓ نے عرض کیا: ''میرے والد بڑے رقیق القلب ہیں ، نماز میں ان پر گریہ طاری ہو جائے گا'' تو آپ ﷺ نے فرمایا :

> إنكن لأنتن صواحب يوسف ۔ (۳)
> تم لوگ حضرت یوسف (علیہ السلام) کے قصہ والی عورتیں معلوم ہوتی ہو۔

یا ایسا ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی ممانعت آ جاتی جیسا کہ ایک بار بعض ازواج مطہرات کے شہد کی بو ناپسند کرنے کی وجہ سے آپ ﷺ نے قسم کھالی کہ آئندہ شہد نوش نہیں فرمائیں گے تو سورۂ تحریم نازل ہوئی ، اور اس میں حضور ﷺ سے فرمایا گیا :

> اے نبی ! آپ کیوں اس چیز کو حرام کرتے ہیں جو اللہ نے آپ کے لئے حلال کی ہے؟ کیا آپ اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہیں؟؟ (۴)

---

(۱) بخاری: باب بدء الوحی، حدیث نمبر: ۳۔ (۲) بخاری: باب الشروط فی الجہاد، حدیث نمبر: ۲۷۳۱۔
(۳) بخاری: باب ما یکرہ من التعمق، حدیث نمبر: ۷۳۰۳۔
(۴) التحریم: ۱۔

خاص طور سے خانگی اُمور میں عورتوں سے مشورہ لینے کو آپ پسند فرمایا کرتے تھے، حضرت ابن عمرؓ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں :

آمروا النساء في بناتهن ۔ (۱)

عورتوں سے ان کی بیٹیوں کے سلسلہ میں مشورہ کرلو۔

حضرت عائشہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی زمانہ کی گیارہ بیگمات کا ایک دلچسپ واقعہ سنایا ہے، جو یہ طے کر کے بیٹھی تھیں کہ ہم اپنے شوہروں کی ہر قسم کی خوبیوں اور خامیوں کا ذکر کریں گے ،اور کچھ بھی نہیں چھپائیں گے، اور انھوں نے ایسا ہی کیا، اسی واقعہ میں یہ بھی ہے کہ ایک خاتون اُم زرع نے اپنے شوہر ابوزرع کی خوب تعریف بیان کی تھی، جس کو سننے کے بعد آپ نے اپنے اور اُم المومنین حضرت عائشہؓ کے آپسی تعلق کے بارے میں ان کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ :

كنت لك كأبي زرع لأم زرع ۔ (۲)

میں بھی حسن سلوک میں تمہارے لئے ویسے ہی ہوں جیسے ابوزرع اُم زرع کے لئے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں تک فرمایا :

خيركم خيركم لأهله ، و أنا خيركم لأهلي ۔ (۳)

تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ بہتر ہو، اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ سب سے بہتر ہوں۔

خوبیوں پر نظر رکھتے ہوئے خامیوں کو نظر انداز کرنا چاہیے، حضورِ کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

لا يفرك مؤمن مؤمنة إن كره منها خلقا رضي منها آخر ۔ (۴)

(۱) ابوداود: کتاب النکاح، باب فی الاستئمار، حدیث نمبر: ۲۰۹۵۔
(۲) بخاری، باب حسن المعاشرۃ مع الأھل، حدیث نمبر: ۵۱۸۹۔
(۳) ترمذی، ابواب المناقب، باب فی فضل ازواج النبی، حدیث نمبر: ۳۸۹۵۔
(۴) مسند احمد، عن ابی ہریرۃؓ، حدیث نمبر: ۸۳۶۳۔

کوئی مومن مرد کسی مومن عورت کو ناپسند نہ کرے، اگر اس کی ایک
عادت ناپسند ہو تو دوسری پسند بھی ہوگی۔

حضور اکرم ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو ''یا عائش'' کہہ کر بھی پکارا ہے، (۱) اس کے علاوہ بھی دیگر محبت بھرے ناموں سے آپ ﷺ نے ازواج مطہرات کو مخاطب فرمایا ہے، اسی طرح کچھ طلب کرنے میں تحقیر آمیز انداز نہ ہو؛ بلکہ ایسا انداز ہو جس میں محبت کا اظہار ہو، اور اس میں دل کو موہ لینے کی صلاحیت ہو، حضور ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے مسجد سے خمرہ (چٹائی) مانگی، انھوں نے کہا: میں حالت حیض میں ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا:

إن حیضتک لیست في یدک ۔ (۲)
تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے۔

حضرت عائشہؓ کا اپنی حالت کے بارے میں کھل کر بتا دینا انتہائی بے تکلفی کی دلیل ہے؛ جب کہ حضور ﷺ کا اس طرح جواب دینا بھی بے پناہ لطف ومحبت کی طرف اشارہ کرتا ہے، ورنہ آپ یہ بھی فرما سکتے تھے کہ اس حالت میں مسجد میں ہاتھ بڑھا کر دینے میں کوئی حرج نہیں۔

اُم المومنین حضرت عائشہؓ ہی کا بیان ہے: ''میں حالت حیض میں ہڈی منھ میں لیتی (کہ اس پر لگا ہوا گوشت کھاؤں) تو آپ ہڈی پہ اسی جگہ اپنا دہن مبارک رکھتے جہاں سے میں نے کھایا تھا، میں اسی حال میں کسی برتن سے پانی پیتی تو آپ اپنا دہن مبارک وہیں پہ رکھ کر پانی پیتے جہاں سے میں نے پیا ہوتا''۔ (۳)

حسن معاشرت کے ساتھ ساتھ حضور ﷺ نے میاں بیوی کو عبادت اور دینی کاموں میں بھی ایک دوسری کی مدد کرنے کی تعلیم اور ترغیب دی، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس مرد

(۱) الادب المفرد، باب من دعا صاحبه فیختصر او ینقص من اسمه شیئا، حدیث نمبر: ۸۲۷۔
(۲) ترمذی، ابواب الطہارۃ، باب ماجاء فی الحائض تتناول الشئ من المسجد، حدیث نمبر: ۱۳۴۔
(۳) ابن ماجہ، ابواب الطہارۃ وسننھا، باب ماجاء فی مؤاکلۃ الحائض وفی سؤرھا، حدیث نمبر: ۶۴۳۔

پر رحم فرمائے جو رات میں اُٹھ کر نماز پڑھتا ہو اور اپنی بیوی کو بھی اُٹھاتا ہو، وہ بھی نماز پڑھتی ہو، اور اگر وہ اُٹھنے سے انکار کرتی ہو تو (محبت کے ساتھ) اس کے چہرہ پر پانی کی چھینٹیں مارتا ہو، اور اللہ تعالیٰ اس عورت پر رحم فرمائے جو رات میں اُٹھ کر نماز پڑھتی ہو اور اپنے شوہر کو بھی اُٹھاتی ہو، وہ بھی نماز پڑھتا ہو، اور اگر وہ اُٹھنے سے انکار کرتا ہو تو اس کے چہرہ پر (محبت کے ساتھ) پانی کی چھینٹیں مارتی ہو، (۱) آپ خود بھی اس کا اہتمام فرمایا کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ رات کی عبادت میں شریک کرنے کے لئے امت کی ماؤں ازواج مطہرات کو اس طرح آواز دی :

أیقظوا صواحب الحجر ۔ (۲)

کون ہے جو حجروں میں آرام کرنے والی اُمہات المومنین کو جگائے؟

ایک مرتبہ حضرت اُم سلیمؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کھجوروں کا ایک تھال بھیجا، آپ کھڑے ہوئے اور تھال سے کھجوروں کی ایک ایک مٹھی بھر کر تمام ازواج مطہرات کو بھجوائیں، جب سب گھروں میں پہنچ گئیں تب آپ بیٹھے اور باقی ماندہ کھجوریں تناول فرمائیں، آپ کے کھانے کے انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ آپ کو خود بھی بھوک لگی ہوئی تھی ۔ (۳)

ایک غزوہ میں حضرت عائشہؓ رفیق سفر تھیں، تمام صحابہ کرام کو آپ نے آگے بڑھ جانے کا حکم دیا، اور حضرت عائشہؓ سے فرمایا: آؤ دوڑیں، دیکھیں کون آگے نکلتا ہے؟ اس وقت وہ دبلی پتلی تھیں، آگے نکل گئیں، کئی سال کے بعد اسی قسم کا ایک اور موقع آیا، حضرت عائشہ کہتی ہیں: اب میرا جسم ذرا بھاری ہو چکا تھا، اب کی بار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے نکل گئے، فرمایا: عائشہ یہ اس دن کا جواب ہے ۔ (۴)

---

(۱) النسائی: باب الترغیب فی قیام اللیل، حدیث نمبر: ۱۶۱۰ ۔

(۲) صحیح ابن حبان: باب الفقر والزہد، ذکر الاخبار عما یجب علی المرء، حدیث نمبر: ۶۹۱ ۔

(۳) مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۳۸۴۳ ۔

(۴) ابوداؤد: کتاب الجہاد، باب فی السبق علی الرجل، حدیث نمبر: ۲۵۷۸ ۔

اسی طرح ایک مرتبہ آپ ﷺ نے اپنے حجرے کے دروازہ پہ کھڑے ہو کر حضرت عائشہؓ کے لئے چادر سے پردہ کیا، اور انھوں نے حبشی نیزے کے کرتب دیکھے، آپ ﷺ اس وقت تک کھڑے رہے جب تک کہ وہ خود پیچھے نہیں ہٹ گئیں۔ (۱)

ایک مرتبہ جب حضرت عائشہؓ نے آپ کے سامنے حضرت صفیہؓ کے پست ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان کی برائی بیان کی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے ایسا برا کلمہ استعمال کیا ہے کہ اگر یہ سمندر میں ملا دیا جائے تو اس کے پانی کے ذائقہ کو خراب کر دے، حضرت عائشہؓ نے کہا کہ میں نے تو اصل حقیقت ہی بیان کی تھی، آپ نے فرمایا: تم نے ایسی بات کہہ دی کہ اگر اس کو سمندر میں ملا دیا جائے تو اس کو بھی متاثر کئے بغیر نہ رہے، میں کسی کے خلاف کوئی بات سننا پسند نہیں کرتا، چاہے مجھے اس کے عوض کتنی ہی دنیا دے دی جائے۔ (۲)

آپ ﷺ نے تعلیم دی کہ ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو کھانے پینے، لباس و پوشاک اور رات گذارنے کے اعتبار سے پوری طرح برابری برتنا ضروری ہے، ارشاد فرمایا: ''جس کی دو بیویاں ہوں اور ان میں سے کسی ایک کی طرف زیادہ جھکاؤ رکھے تو قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو جھکا ہوا ہوگا'' (۳) ہاں کسی ایک کی طرف دل کا میلان اس کی کسی خوبی کی وجہ سے زیادہ ہو تو اس پر پکڑ نہیں؛ (۴) لیکن معاملات میں اس کا اظہار نہیں ہونا چاہئے، حضور ﷺ جب سفر پر تشریف لے جاتے تو بیویوں میں سے اپنی طرف سے کسی کا انتخاب نہیں کرتے؛ بلکہ قرعہ اندازی فرماتے، جس بیوی کے نام قرعہ نکلتا، اسی کو ساتھ لے جاتے۔ (۵)

---

(۱) بخاری، کتاب النکاح باب نظر المراۃ الی الحبش ونحوھم من غیر ریبۃ، حدیث نمبر: ۵۲۳۶۔

(۲) ابوداود، کتاب الادب، باب فی الغیبۃ: ۴۸۷۵۔

(۲) ابوداود، کتاب النکاح، باب القسم بین النساء، حدیث نمبر: ۲۱۳۵۔

(۴) النساء: ۱۲۹۔

(۵) بخاری، کتاب الشہادات، باب القرعۃ فی المشکلات، حدیث نمبر: ۲۶۳۴۔

اگر شوہر بال بچوں پر ان کی ضرورت سے کم خرچ کرتا ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیوی کے لئے اس کے مال سے بلا اجازت بھی ضرورت کی مقدار کچھ لے لینے کو درست قرار دیا، حضرت ہند نے جب یہ بتایا کہ میرے شوہر ابوسفیان بخیل آدمی ہیں اور مجھے اور میرے بچوں کو اتنا نہیں دیتے جو ہمارے لئے کافی ہو سکے، اس لئے میں ان کو بتائے بغیر ان کے مال سے کچھ لے لیتی ہوں جس سے گذر اوقات ہوتا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

خذي ما يكفيك و ولدك بالمعروف ۔ (۱)

تمہارے اور تمہارے بچوں کے لئے جتنا کافی ہو جائے اس قدر لے سکتی ہو۔

اور واضح فرمایا کہ یہ ایسا حق ہے، جس کے بارے میں باز پرس ہوگی، فرمایا گیا :

إن الله سائل كل راع عما استرعاه ،حتى يسأل الرجلَ عن أهل بيته ۔ (۲)

بے شک اللہ تعالیٰ ہر ذمہ دار سے اس کے زیر کفالت لوگوں کے بارے میں سوال فرمائیں گے، یہاں تک کہ انسان سے اس کے اہل وعیال کے بارے میں بھی سوال ہوگا۔

شوہر اور گھر کا ذمہ دار بیوی بال بچوں پر خوش دلی سے خرچ کرے، اس کی ترغیب دیتے ہوئے نفقہ کو صدقہ قرار دیا گیا :

إذا أنفق المسلم على أهله وهو يحتسبها كانت له صدقة ۔ (۳)

جب ایک مسلمان ثواب کی نیت سے اپنے گھر والوں پر خرچ کرتا ہے تو یہ اس کے حق میں صدقہ ہے۔

---

(۱) مسند احمد، عن الصدیقۃ عائشۃ بنت الصدیق رضی اللہ عنہا، حدیث نمبر: ۲۴۲۳۱۔

(۲) صحیح ابن حبان: کتاب السیر، ذکر الاخبار بسؤال اللہ جل وعلا کل من استرعی رعیۃ، حدیث نمبر: ۴۴۹۳۔

(۳) بخاری، کتاب النفقات، باب فضل النفقۃ علی الاہل، حدیث نمبر: ۵۳۵۱۔

بیٹیوں پر شفقت

اسلام سے پہلے عربوں کا حال یہ تھا کہ بیٹی کی پیدائش پر لوگوں کے چہرہ پر سیاہی چھا جاتی تھی، اور لوگ منھ چھپائے پھرتے تھے، یہاں تک کہ اسے زندہ دفن کر دیتے تھے؛ بلکہ اس کی پیدائش کے خوف سے وضع حمل کے وقت سے ہی اُسے ٹھکانے لگانے کا انتظام کر لیتے تھے، آپ ان بیٹیوں کے لئے رحمت بن کر آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکیوں کی اہمیت اس طرح بڑھادی کہ فرمایا:

> جس شخص نے تین لڑکیوں یا تین بہنوں کی سرپرستی کی، انھیں تعلیم وتہذیب سکھائی اور ان کے ساتھ رحم کا سلوک کیا، یہاں تک کہ خدا ان کو بے نیاز کر دے تو ایسے شخص کے لئے خدا نے جنت واجب فرمادی، اس پر ایک صاحب نے دریافت کیا: اگر دو ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دو لڑکیوں کی پرورش کا بھی یہی صلہ ہے'' حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر لوگ ایک کے بارے میں پوچھتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کی پرورش پر بھی یہی بشارت دیتے۔(۱)

اسی طرح ان کو حقیر نہ سمجھنے اور لڑکوں کے برابر ان سے سلوک کرنے پر یہ خوشخبری سنائی گئی:

> جس کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی اور اس نے جاہلیت کے طریقہ پر اسے زندہ دفن نہیں کیا اور نہ اس کو حقیر جانا اور لڑکے کو اس کے مقابلہ میں ترجیح نہ دی تو اس آدمی کو خدا جنت میں داخل کرے گا۔(۲)

خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے چار بیٹیوں سے نوازا تھا، آپ نے ان کی پرورش اور تعلیم کا اہتمام اس عمدہ اور بے مثال انداز سے کیا کہ یہ دنیا کے لئے نظیر بن گئی، اسی تعلیم

(۱) شرح السنۃ للبغوی، باب ثواب کافل الیتیم، حدیث نمبر: ۳۴۵۷۔
(۲) ابوداؤد، باب فضل من عال یتیمًا، حدیث نمبر: ۵۱۴۶۔

وتربیت اور پرورش کا نتیجہ تھا کہ حضرت فاطمہ اسلام کی تاریخ میں ایک باکمال اور نہایت ہی قابل احترام خاتون کے طور پر جانی جاتی ہیں، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ''میں نے چال ڈھال اور اُٹھنے بیٹھنے میں حضرت فاطمہؓ سے بڑھ کر کسی کو حضور ﷺ کے مشابہ نہیں دیکھا'' (۱) حضرت فاطمہؓ کے بارے میں ایک موقع سے فرمایا: ''بے شک فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے، جو چیز فاطمہ کے لئے اذیت والی ہوگی، اس سے مجھے بھی اذیت ہوگی'' (۲) ایک دوسری روایت میں ہے: ''فاطمہ میری لختِ جگر ہے، جو فاطمہ کو ناراض کرے گا وہ مجھے ناراض کرے گا، (۳) آپ ﷺ نے اپنے مرضِ وفات میں جب ان کو کان میں بتایا کہ اس مرض میں ہی میری وفات ہوجائے گی تو رونے لگیں، پھر جب بتایا کہ سب سے پہلے میرے بعد تم مجھ سے آملوگی، اور تم اس اُمت کی عورتوں کی سردار ہوگی تو ہنسنے لگیں، اور اس راز کو چھپائے رکھا، بعد میں حضرت عائشہؓ کو بتایا۔ (۴)

حضرت زینبؓ کے بارے میں آتا ہے کہ ''کان محبا فیھا'' (۵) (آپ ان سے بڑی محبت فرمایا کرتے تھے) اس کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جب حضرت زینب کا انتقال ہوگیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: جب غسل دے چکو تو مجھے اطلاع کرنا، غسل کے بعد جب آپ ﷺ کو اطلاع دی گئی تو حصول تبرک کے لئے آپ ﷺ نے اپنے جسم مبارک سے اپنی تہبند اُتار کر عنایت فرمائی، اور فرمایا کہ میرے مبارک تہبند کو کفن کے نیچے پہنا دو، (۶) آپ ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت رقیہؓ کے لئے اُم عیاش نامی اپنی خادمہ مستقل طور پر بھیج دی تھی؛

(۱) ترمذی، ابواب المناقب، باب ماجاء فی فضل فاطمہ، حدیث نمبر: ۳۸۷۲۔
(۲) مسلم: کتاب الفضائل، باب فضائل فاطمۃ بنت النبی علیہا الصلاۃ والسلام، حدیث نمبر: ۲۴۴۹۔
(۳) بخاری، کتاب المناقب، باب مناقب قرابۃ رسول اللہ ﷺ ومنقبۃ فاطمۃ علیہا السلام بنت النبی ﷺ۔
(۴) بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، حدیث نمبر: ۳۶۲۳۔
(۵) ذخائر العقبی فی مناقب ذوی القربی: ۱۵۷۔
(۶) مدارج النبوۃ: ۲/ ۳۶۷۔

تا کہ کام کاج اور تسکین کا سامان رہے،(۱) ایک مرتبہ گھر میں گوشت پکایا تو حضرت اُسامہؓ کے ہاتھ سے حضرت رقیہؓ کے گھر بھی بھجوایا۔(۲)

بچیوں کے ساتھ بھی آپ ﷺ بے حد شفقت فرمایا کرتے تھے، حضرت ابوقتادہؓ کی روایت ہے کہ حضرت زینبؓ کی بیٹی امامہ کو اپنی پشت پر اُٹھائے ہوئے نماز پڑھتے تھے، جب سجدہ میں جاتے ان کو رکھ دیتے اور کھڑے ہوتے ان کو اُٹھا لیتے،(۳) حضرت عائشہؓ بچپن میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھلونے سے کھیلتی تھیں، آپ کو دیکھ کر ان کی سہیلیاں چھپ جاتی تھیں تو آپ ان کو بھیجتے کہ جاؤ کھیلو، جب حضور ﷺ غزوہ تبوک یا خیبر سے تشریف لائے تو دیکھا ایک گھروندا بنا ہوا ہے، جس پر پردہ پڑا ہے، ہوا چلی تو پردہ ہٹ گیا، اس میں ان کے کھلونے رکھے ہوئے تھے، آپ نے دریافت فرمایا: عائشہ یہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا: میری بیٹیاں، اور ان کے بیچ میں ایک گھوڑا دیکھا، جس کے دو پَر والے بازو کپڑوں کے بنے ہوئے تھے، تو آپ نے پوچھا: یہ کیا ہے جو میں بیچ میں دیکھ رہا ہوں؟ کہا: گھوڑا ہے، فرمایا: یہ اس کے اوپر کیا ہے؟ کہا: اس کے دونوں پَر والے بازو ہیں، فرمایا: گھوڑا اور اس کے پَر؟ انھوں نے کہا: کیا آپ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پَر والے گھوڑے تھے؟ کہتی ہیں: آپ کو ہنسی آ گئی، یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے،(۴) جب آپ کی ایک نواسی جاں بلب تھی، بیٹی نے خبر بھیجی، فوراً تشریف لائے، آپ کی آنکھیں اشکبار تھیں، پوچھا گیا تو فرمایا، یہ رحمت ہے جو اللہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کے دل میں رکھ دیتا ہے۔(۵)

---

(۱) أسد الغابۃ: ۵/ ۶۰۷۔

(۲) ذخائر العقبی: ۱۶۲۔

(۳) بخاری، کتاب الصلاۃ، باب إذا حمل جاریۃ صغیرۃ علی عنقہ فی الصلاۃ، حدیث نمبر: ۵۱۶۔

(۴) ابوداود، کتاب الادب، باب فی اللعب بالبنات، حدیث نمبر: ۴۹۳۲۔

(۵) بخاری، کتاب المرضی، باب عیادۃ الصبیان، حدیث نمبر: ۵۶۵۵۔

عام خواتین کے ساتھ برتاؤ

آپ ﷺ صرف اپنے اہل خانہ کے ساتھ ہی نہیں عام خواتین کے ساتھ بھی حسن سلوک فرمایا کرتے تھے اور اس کی بے شمار مثالیں مختلف انداز میں ہمیں آپ ﷺ کی سیرت میں ملتی ہیں، ایک حبشی عورت مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی، جب انتقال ہوگیا تو لوگوں نے اس کو دفنا دیا، لوگوں نے سمجھا کہ اس خدمت پیشہ عورت کے لئے حضور ﷺ کو بتانے کی کیا ضرورت ہے، آپ کو جب اس کے انتقال کی خبر ملی تو آپ نے فرمایا: تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟ پھر فرمایا: مجھے اس کی قبر بتاؤ، لوگوں نے بتایا، آپ ﷺ اس کی قبر پہ تشریف لے گئے، اور آپ نے قبر پہ نماز ادا فرمائی، اس روایت میں راوی کو شک ہے کہ وہ مرد تھا یا عورت تھی؛ لیکن اس حدیث کے ایک تابعی راوی ابورافع کہتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ وہ عورت ہی تھی، (۱) اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز واقعہ یہ ہے کہ آپ نے یہی برتاؤ ایک ایسی عورت کے ساتھ بھی فرمایا جس کہ بارے میں یہ وضاحت حدیث میں موجود ہے کہ ''کان فی عقلها شيء'' اس کی عقل ذرا کم تھی، اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے آپ کی ضرورت ہے، آپ نے فرمایا: اے فلاں کی ماں! تمہاری ضرورت کے لئے تم جہاں چاہو، میں چلنے کے لئے تیار ہوں، پھر کچھ دور جا کر آپ نے اس کی ضرورت پوری کی۔(۲)

ایک بوڑھی خاتون حضرت خَولہؓ کا خود قرآن میں ذکر ہے کہ انھوں نے اپنے شوہر حضرت اوسؓ بن صامت کے ساتھ پیش آنے والے ایک خاص واقعہ میں حضور سے بحث کی، (۳) اور کھل کر اپنی بات پیش کی کہ میری پوری جوانی اس شوہر کی خدمت میں ختم ہوگئی، اب بڑھاپے میں انھوں نے مجھ سے یہ معاملہ کیا ہے، میں کہاں جاؤں؟ میرا اور میرے بچوں کا گذارہ کیسے ہوگا؟ لیکن آپ نے وحی کا انتظار کیا، کوئی سخت بات نہ فرمائی، آخر وحی نازل ہوئی

---

(۱) بخاری، کتاب الصلاۃ، باب الخذم للمسجد: ۴۶۰، مسلم: کتاب الجنائز، باب الصلاۃ علی القبر، حدیث نمبر: ۹۵۶۔

(۲) مسلم، کتاب الفضائل، باب قرب النبی ﷺ من الناس، حدیث نمبر: ۲۳۲۶۔

(۳) المجادلۃ: ۱۔

اور آپ نے اس کے مطابق ان کے لئے فیصلہ فرمایا، یہ حکم قرآن مجید میں یوں بھی بیان فرمایا جاسکتا تھا؛ لیکن نبی کے ساتھ گفتگو کا خصوصی ذکر کرکے قرآن نے عورت کا رتبہ بھی بڑھا دیا اور اشارہ میں نبی اُمی کے حسن اخلاق اور عورتوں کے سلسلہ میں آپ کی فکرمندی کا بھی ذکر کردیا، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی بارگاہ میں خواتین کو اپنے مطالبات رکھنے کا کتنا اختیار تھا!

عورت کو اپنے اختیار کے استعمال کی یہاں تک اجازت تھی کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ بیوی شوہر کو ناپسند کررہی ہو اور آپ نے زبردستی اس کو اس کے ساتھ زندگی گزارنے کا حکم دیا ہو، ابن عباسؓ کے مطابق بریرہؓ نامی ایک خاتون نے غلامی سے آزاد ہونے کے بعد اپنے اختیار کا استعمال کرتے ہوئے اپنے شوہر مغیثؓ کے ساتھ رہنے سے انکار کردیا تھا، مغیثؓ ان سے بے انتہا محبت کرتے تھے، اس واقعہ پر آنکھوں میں آنسو لئے ان کے پیچھے پیچھے چلتے تھے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی خواہش تھی کہ وہ دونوں بدستور میاں بیوی رہیں؛ لیکن بریرہؓ نے صاف کہہ دیا کہ یہ اگر آپ کا حکم نہیں ہے، صرف مشورہ ہے تو میں ان کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کی بات قبول کرلی اور اپنے مشورہ پر اصرار نہیں فرمایا۔(۱)

ایک روایت میں ہے کہ سَفانہ بنت حاتم طائی ایک فوجی مہم (جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود شریک نہیں تھے) میں قیدی بن کر آئیں، اس موقع پر جھنڈا حضرت علی بن ابی طالبؓ کے ہاتھ میں تھا، اس مہم کا مقصد قبیلہ بنوطئے کے بت ''الفُلس'' کو منہدم کرنا تھا، سفانہ بڑی خوش وخرم، باوقار، اور دانا وفرزانہ خاتون تھیں، ان کے بھائی عدی مسلمان شہسواروں کے آنے کی خبر پاکر بھاگ نکلے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفانہ کے ساتھ ان کے سماجی معیار کے مطابق اچھے سے اچھا برتاؤ کیا، انھیں رملہ بنت حرث کے گھر میں رکھا، جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے گزرے تو وہ کہنے لگیں: ''اے محمد! ذرا بتایئے تو سہی میں اپنی قوم کے سردار کی بیٹی ہوں اور قید و بند کی اس حالت میں ہوں، مجھے جانے دیجئے، قبائل عرب کے سامنے میری نام کی ہنسی نہ کرایئے،

(۱) مسند احمد، عن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب، حدیث نمبر: ۱۸۴۴۔

میرے والد کتنی آبروؤں کے محافظ تھے، پابہ زنجیر قیدیوں کی رہائی کا سامان کرتے تھے، بھوکوں کو شکم سیر کرتے، برہنہ تن کو پہناتے، مہمان نوازی کرتے، کھانا کھلاتے تھے، سلام کو عام کرتے تھے، کبھی کوئی ضرورت مند ان کے دروازے سے خالی ہاتھ نہ لوٹا، میں حاتم طائی کی بیٹی ہوں'' نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: ''بیٹی! یہ تو ایک مومن صادق کی صفات ہیں، واقعی اگر تمہارے والد مسلمان ہوتے تو ہم ان کے لئے رحمت کی دُعائیں کرتے'' پھر آپ نے صحابہ سے فرمایا: ''انھیں جانے دو، بے شک ان کے والد اچھے اخلاق کو پسند فرماتے تھے''۔

سیرت نگار حضرات سفانہ کی زبانی لکھتے ہیں: ''حضور ﷺ نے مجھے جوڑے پہنائے، خرچ دیا، میں وہاں سے اپنے بھائی کے پاس شام پہنچی''، (۱) سفانہ اپنے بھائی عدی کے پاس آئیں اور انھیں حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوکر اسلام قبول کرنے کی تلقین کی، وہ مدینہ آئے اور اسلام لے آئے۔

علامہ علی بن ابراہیم حلبیؒ ان کا واقعہ نقل کرتے ہیں: ''سفانہ نے عدی کو اسلام کی دعوت دی اور اس بات پر آمادہ کیا کہ حضور ﷺ سے جاملیں، عدی نے سفانہ سے پوچھا: اس شخص (نبی کریم ﷺ) کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ انھوں نے کہا: میں تو کہتی ہوں، بس تم جلد از جلد ان سے جاملو، اگر وہ نبی ہیں تو ان تک پہلے پہنچنے والا افضل ترین انسان ہے، اور اگر وہ بادشاہ ہیں تو تم سمجھو، انھوں نے کہا: یہ ہوئی کام کی بات، عدی کہتے ہیں: میں وہاں سے تیزی سے نکلا، حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، حضور نے دریافت فرمایا: تم کون؟ میں نے کہا: عدی بن حاتم، آپ کھڑے ہوئے اور مجھے اپنے ساتھ لے کر اپنے گھر کی جانب نکل پڑے، راستہ میں ایک بوڑھی کمزور عورت ملی، حضور ﷺ کو روکا، آپ ﷺ اس کے لئے دیر تک کھڑے رہے، اس کی ضرورت سنتے رہے، میں نے کہا: یہ بادشاہ تو نہیں ہوسکتے، پھر آگے بڑھے، گھر پہنچ کر اندر گئے، اپنے ہاتھ سے ایک چمڑے کا گاؤ تکیہ لیا، جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی

(۱) انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون، المعروف بہ السیرۃ الحلبیہ: ۲۸۸/۳۔

اور میری طرف بڑھاتے ہوئے فرمایا: اس پر بیٹھئے، میں نے کہا: نہیں حضور! آپ تشریف رکھیں، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں نہیں آپ، میں اس پر بیٹھ گیا، حضور ﷺ زمین پر بیٹھ گئے، میں نے دل ہی دل میں کہا، یہ تو بادشاہوں کا سا معاملہ نہیں ہے، پھر مجھ سے کچھ اس طرح کی بات فرمائی ''اے عدی بن حاتم !أسلم تسلم ''(اسلام لے آؤ، سلامتی پاؤ گے) آپ نے تین مرتبہ یہ بات فرمائی، میں نے کہا: پہلے سے ایک مذہب کا پیرو ہوں، آپ نے فرمایا: میں تمہارے دین کے بارے میں تم سے زیادہ جانتا ہوں، میں نے کہا: آپ میرے دین کے بارے میں مجھ سے زیادہ جانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''ألست من الرَّكوسية ؟'' (۱) (کیا تم رکوسیہ میں سے نہیں ہو؟) میں نے کہا: جی ہاں، آپ نے فرمایا: ''ألم تكن تسير في قومك بالمرباع كما هو شأن الأشراف ؟'' (کیا تم اپنی قوم سے مرباع، مالِ غنیمت کا چوتھائی حصہ، نہیں لیا کرتے تھے، جیسا کہ تمہارے یہاں باحیثیت لوگوں کا طریقہ تھا؟) میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: یہ تمہارے مذہب میں جائز نہیں کیا گیا تھا، میں نے کہا: آپ درست اور بجا فرما رہے ہیں، مجھے یقین ہو گیا کہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے نبی ہیں، جو باتیں نہیں جانتے ہیں، اللہ کی طرف سے ان کو بتادی جاتی ہیں۔

پھر اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے عدی! اکثر تمہیں کہتے ہوئے دیکھا گیا کہ ہمارے دین کے پیروکار وہی لوگ ہیں جو کمزور ترین ہیں، جن کا کوئی زور نہیں چلتا، عرب نے انھیں ان کی ضرورت کے باوجود اپنی برادری سے نکال باہر کیا ہے اور شاید تمہارا یہی خیال تمہارے لئے اس دین میں داخل ہونے سے مانع ہے، سن لو! بخدا جلد ہی ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ ان میں مال وزر کی کثرت ہوگی؛ حتیٰ کہ ان میں کوئی اسے لینے والا نہ ملے گا، اور شاید تم اس لئے بھی اس دین میں داخل نہیں ہو رہے ہو کہ اس دین کے دشمن بہت ہیں اور ماننے والوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے، کیا تم حَیرہ سے واقف ہو؟ میں نے کہا: دیکھا تو نہیں ہے، اس کا نام سنا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا :

(۱) الرَّكوسية، راء پر زبر کے ساتھ عیسائیوں اور صابئوں کے درمیان ایک مذہب (النهاية في غريب الحديث: ۲/۲۵۹، والأثر، ابن الاثر، دار الكتب العلمية، بيروت)۔

فو الله ليتمن هذا الأمر حتى تخرج الظعينة من الحيرة تطوف بألبيت من غير جوار أحد۔

خدا کی قسم! یہ دین مکمل ہوکر رہے گا، حتیٰ کہ ایک عورت حیرہ سے نکلے گی اور بغیر کسی کی حفاظت و مدد کے خانۂ کعبہ کا طواف کرے گی۔

اور شاید تم اس لئے بھی اس دین میں داخل ہونا نہیں چاہتے کہ اس کے ماننے والوں کے پاس جاہ وسلطنت نہیں ہے، بخدا! عنقریب تم سنو گے کہ سرزمین بابل کے سفید محلات انھوں نے فتح کر لئے، عدی کہتے ہیں: میں نے دیکھا کہ ایک عورت قادسیہ سے اپنے اونٹ پر نکلتی ہے اور خانۂ کعبہ کا طواف کرتی ہے اور خدا کی قسم! اللہ کے سوا اس کے ساتھ اس کے علاوہ کوئی متنفس نہ ہوتا تھا۔(۱)

ان دونوں واقعات سے بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عورتوں کا کس درجہ خیال فرمایا کرتے تھے کہ وہ دوسروں کے اسلام لانے کا سبب بنتی تھیں، اور اپنے عدل وانصاف سے آپ نے وہ امن وامان قائم کیا کہ پُرخطر راستوں میں جہاں مرد بھی تنہا جانے سے گھبراتے تھے، عورتیں بلاخوف وخطر ان راستوں سے گذرنے لگیں۔

جب خواتین نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی کہ مرد حضرات ہم پر غالب آ گئے کہ وہ آپ سے قریب رہتے ہیں اور استفادہ کرتے ہیں، ہم محروم رہتے ہیں؛ چنانچہ ہمارے لئے ایک دن خاص کر دیجئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لئے ایک دن متعین فرمایا، جس دن آپ ان کو وعظ فرماتے اور ان کے مسائل حل فرمایا کرتے تھے،(۲) اور خواتین اپنے مسائل معلوم کیا کرتی تھیں، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ''انصار کی عورتیں بھی کیا خوب ہیں، شرم وحیا نے ان کو دین سیکھنے اور اس کی گہری سمجھ حاصل کرنے سے نہیں روکا''۔(۳)

---

(۱) انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون، المعروف بہ السیرۃ الحلبیہ: ۳/۳۱۷۔

(۲) بخاری، کتاب العلم، باب ہل یجعل للنساء یوم علی حدۃ فی العلم؟ حدیث نمبر:۱۰۱، مسند احمد، عن ابی سعید الخدریؓ، حدیث نمبر:۶۹۸۔ (۳) ابوداؤد: کتاب الطہارۃ، باب الاغتسال من الحیض، حدیث نمبر:۳۱۶۔

یہ ہیں پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کی چند جھلکیاں، جن سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواتین کو ان کے مزاج و مذاق اور ان کی فطرت کی رعایت کرتے ہوئے اپنے حسنِ اخلاق اور لطف و کرم سے کتنا حصہ وافر عطا فرمایا، اور ان کو ان کا وقار و اعتبار واپس کیا، جو زمانہ کے بے رحم ہاتھوں نے ان سے چھین لیا تھا، آج اس صنفِ نازک میں عفت و حیا کے جو نمونے اور اس کے جائز حقوق کے جو مطالبے بھی نظر آتے ہیں، وہ اسی رحمتِ عالم، نبی اُمی کی نگاہ کرم کا صدقہ ہے۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

سلام اُس پر کہ جس نے عورتوں کو آبرو بخشی
گُلِ ناچیز کو جس نے متاعِ زندگی بخشی

● ● ●

بوڑھوں اور معذوروں کے ساتھ سلوک ☆

اسلام کی نظر میں ہر انسان بحیثیت انسان برابر ہے، اور ہر ایک کو یکساں حقوق حاصل ہیں، اسلامی نظام میں نہ رنگ ونسل کا امتیاز ہے اور نہ مذہب اور وطن کی بنیاد پر تفریق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر صاف اعلان فرمادیا :

يا ايها الناس ! ألا ان ربكم واحد وان أباكم واحد ، ألا لا فضل لعربي على عجمي ولا لعجمي على عربي ، ولا لأحمر على أسود ولا لأسود على أحمر إلا بالتقوى ـ (۱)

اے لوگو! آگاہ ہوجاؤ کہ تم سب کا رب ایک ہی ہے اور تم سب ایک ہی باپ کی اولاد ہو، خبردار! نہ کسی عربی کو عجمی پر فضیلت حاصل ہے اور نہ عجمی کو عربی پر، نہ گورے کو کالے پر اور نہ کالے کو گورے پر، فضیلت صرف تقویٰ کی بنیاد پر ہے۔

اس لئے اسلامی تعلیمات میں سماج کے ہر طبقہ کو یکساں حقوق حاصل ہوں گے اور ان پر یکساں فرائض وذمہ داریاں بھی عائد ہوں گی، سماج کا ایک طبقہ جس میں عورت، بچے، معذور، غرباء ومساکین، یتیم اور بوڑھے وغیرہ شامل ہیں، ہمیشہ مظلوم رہا ہے، اور ہمیشہ ان پر زیادتیاں ہوئی ہیں، اسلام وہ واحد مذہب ہے جس نے سماج کے تمام طبقات کے ساتھ انصاف کیا، اسلامی تعلیمات میں سماج کے ان کمزور افراد کو خاص اہمیت دی گئی، اور انھیں ذلت وبے توجہی کی پستی سے نکال کر ایسا بلند مقام عطا کیا گیا جس کا تصور بھی مشکل تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

☆ مولانا منور سلطان ندوی (استاذ: دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)۔

(۱) مسند احمد بن حنبل: ۵/۴۱۱، شعیب ارناؤط نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

ارشادات اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلوک سے اس کی اہمیت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے، خاص طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو ارشادات ایسے ہیں کہ جن کی وجہ سے کمزور افراد کو عزت حاصل ہوئی اور وہ دوسروں کے لئے قابلِ رشک بن گئے۔

اول یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں ان کی حیثیت یہ ہے کہ یہ کمزور افراد سماج کے دیگر تمام افراد کے محسن ہیں، اللہ کی رحمتیں ان ہی افراد کی وجہ سے نازل ہوتی ہیں، ان ہی کی بدولت اللہ کی نعمتوں سے سب لوگ فیضیاب ہوتے ہیں، اور رزق پاتے ہیں، اور ان ہی کی وجہ سے خدا کی مدد آتی ہے، آپ نے ارشاد فرمایا :

أبغونی فی الضعفاء فإنما تنصرون و ترزقون بضعفائکم ۔ (۱)

مجھے کمزور لوگوں میں تلاش کرو، ان کمزوروں کی وجہ سے ہی تمہاری مدد کی جاتی ہے اور تمہیں رزق دیا جاتا ہے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لئے اسی طبقہ کا انتخاب فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی زمرہ میں رہنا پسند تھا، زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی، آپ نے دُعا فرمائی :

اللّٰهم أحینی مسکینا وأمتنی مسکینا واحشرنی فی زمرة المساکین یوم القیامة ۔ (۲)

اے اللہ! مجھے مسکین ہونے کی حالت میں زندہ رکھ، مسکین ہونے کی حالت میں موت دے اور قیامت کے دن مساکین کی جماعت میں جمع فرما۔

اسلام میں سن رسیدہ اور معذور افراد کو جو حقوق حاصل ہوتے ہیں، ان سب کو ایک لفظ میں سمیٹا جائے تو وہ لفظ 'احترام' ہوگا، احترام جہاں انسانی برتاؤ اور سلوک وتعامل کی علامت ہے

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب فی الانتصار بہذل الخیر، حدیث نمبر: ۲۶۹۶۔

(۲) سنن الترمذی، کتاب الزہد، باب ما جاء ان فقراء المہاجرین یدخلون الجنة قبل اغنیاءہم، حدیث نمبر: ۲۵۲۶۔

وہیں مذکورہ افراد کے تئیں بہتر احساسات وجذبات کا غماز بھی، اس طرح احترام کا معنوی دائرہ بہت وسیع ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں کمزور افراد اور خصوصاً معذور افراد کے تئیں حسن سلوک کی متعدد شکلیں نظر آتی ہیں، ذیل کی سطروں میں سن رسیدہ اور معذور افراد کے حوالہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ کے چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں؛ تاکہ ان افراد کے تئیں اسلامی حقوق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برتاؤ کا ایک نقشہ سامنے آئے۔

سن رسیدہ افراد کا احترام اور ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنا

سن رسیدہ افراد قابل احترام ہیں اور ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنا چاہئے، یہی تعلیم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُمت کو دی، آپ نے خاص طور پر نوجوانوں کو اس حسن سلوک پر آمادہ کیا، آپ نے ارشاد فرمایا:

ما أكرم شاب شيخاً لسنه إلا قيض الله له من يكرمه عند سنه ۔ (۱)

جو نوجوان کسی بوڑھے کی بڑھاپے کی وجہ سے تعظیم کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے کسی ایسے آدمی کو متعین فرمائیں گے جو اس نوجوان کی اس کے بڑھاپے میں عزت کرے گا۔

اس روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نوجوانوں کو متوجہ فرمایا ہے، اس روایت میں اس عمل کے بدلے لمبی عمر کی بشارت ہے اور اس بات کی صراحت بھی کہ جب وہ بڑھاپے کو پہنچیں گے تو انھیں ایسے افراد ملیں گے جو ان کا اکرام کریں گے، یہاں یہ بات بھی واضح ہے کہ روایت میں شیخ کا لفظ مطلق آیا ہے؛ لہٰذا اس سے مراد تمام سن رسیدہ افراد ہیں خواہ ان کا تعلق کسی بھی مذہب سے ہو۔

سن رسیدہ افراد کے احترام کی اتنی اہمیت ہے کہ ان کے احترام کو اللہ کے احترام سے تعبیر کیا گیا ہے، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(۱) سنن الترمذی، باب ما جاء فی اجلال الکبیر، حدیث نمبر: ۱۹۴۵۔

إن من إجلال الله إكرام ذی الشيبة المسلم وحامل القرآن غير الغالی فيه والجافی عنه و إكرام ذی السلطان المقسط ۔ (۱)

اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں یہ بات شامل ہے کہ بوڑھے مسلمان کا احترام قرآن کا ایسا حامل جو نہ اس میں غلو کرتا ہو اور نہ اس سے دُور ہو اور انصاف پرور سلطان کا اکرام کیا جائے۔

اس روایت میں مخلوق کی تکریم وتعظیم کو خالق کی تعظیم قرار دیا گیا ہے، اور اس تکریم کا سبب کبرسنی کو بتایا گیا ہے؛ لہٰذا ہر آدمی کے لئے ضروری ہے کہ ہر بوڑھے شخص کا احترام کرے، یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ بوڑھے شخص کو حامل قرآن، اور عادل بادشاہ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، گویا بوڑھے کا احترام حامل قرآن اور منصف بادشاہ کے احترام کی طرح ہے۔

ان ارشادات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عملی زندگی پر ایک نظر ڈالیں تو ایسی متعدد مثالیں ملتی ہیں جو بوڑھوں کے احترام اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا بہترین نمونہ ہیں۔

عتبہ کے ساتھ نرم رویہ

عتبہ مشرکین مکہ کے رُوساء میں سے تھے، اور سن رسیدہ تھے، وہ آپ کے پاس تشریف لائے اور بڑی تفصیل سے باتیں کیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ادباً خاموشی اختیار کر لی، جب عتبہ نے یہ اخلاق دیکھا تو اصل موضوع پر آئے اور اپنا مدعا رکھا، اور مسلسل اس بارے میں گفتگو کرتے رہے، ان کی باتوں میں تعریض اور تشنیع بھی تھی، اور ہتک عزت بھی؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بوڑھاپے کے احترام میں ساری باتیں صبر وسکون کے ساتھ سنتے رہے، اور جب عتبہ اپنی طولانی گفتگو سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پورے ادب کے ساتھ فرمایا :

أفرغت يا ابا الوليد ! قال نعم ، قال : اسمع منی ، قال : افعل ، فقراء عليه النبی سورة فصلت ۔ (۲)

---

(۱) سنن ابی داؤد، باب فی تنزیل الناس منازلہم، حدیث نمبر: ۴۲۰۳۔ (۲) السیرۃ النبویہ: ۱/ ۵۰۴۔

اے ابو الولید! کیا آپ اپنی بات سے فارغ ہو گئے؟ اس نے کہا:
ہاں، آپ نے فرمایا: اب میری بات سنئے، اس نے کہا: سنائیے،
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے سامنے "سورۂ فصلت" تلاوت فرمائی۔

حضرت ابوقحافہؓ کی توقیر وتعظیم

فتح مکہ کے دن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد حرام میں تشریف لائے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے والد معظم کو لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے؛ تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعارف کرائیں، ہوسکتا ہے وہ اسلام قبول کرلیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ان کو آتے دیکھا تو فرمایا: اپنے بوڑھے والد کو گھر میں ہی رہنے دیتے، میں خود ان سے ملنے آجاتا، پھر آپ نے ابوقحافہ کو اپنے سامنے بٹھایا اور ان کا اکرام کیا، اس کے بعد ان کے سینہ پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا: اسلام قبول کرلیجئے، انھوں نے اسلام قبول کرلیا، ابوقحافہ کے سر کے بال بہت زیادہ سفید ہو چکے تھے؛ چنانچہ آپ نے کمال تلطف کے ساتھ فرمایا: ان کے بال ثَغَامَہ (ایک سفید پھول) کی طرح سفید ہو گئے ہیں، اس کی سفیدی کو بدل دو۔(۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیثیت فاتح کی تھی اور حضرت ابوقحافہ بوڑھے تھے، اور تقریباً بیس سال تاخیر سے اسلام قبول کر رہے تھے، اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا اتنا احترام کیا، اور ان سے ان کے گھر جا کر ملنے کی خواہش کا اظہار کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک بوڑھوں کی یہی قدر ومنزلت تھی۔

ایک بوڑھے مسلمان کی قید سے رہائی کیلئے کوشش

جنگ بدر میں عمرو بن ابوسفیان بن حرب قید کئے گئے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس قید میں تھے؛ چنانچہ ابوسفیان سے کہا گیا کہ اپنے بیٹے عمرو کا فدیہ ادا کرو اور انھیں قید سے آزاد کرالو، انھوں نے کہا خون اور مال دونوں میرے ہی ذمہ لازم ہوگا، ان لوگوں نے حنظلہ کو بھی

(۱) السیرۃ النبویۃ: ۳/۳۵۸۔

قتل کر دیا ہے اور اب ہم عمرو کا فدیہ بھی دیں، وہ لوگ جب بہتر سمجھیں گے، خود ہی آزاد کر دیں گے، اسی موقع پر جب کہ وہ مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس قید تھے، ایک بوڑھے مسلمان جن کا نام سعد بن نعمان تھا، عمرہ کی نیت سے مکہ کے لئے روانہ ہوئے؛ حالاں کہ غزوہ بدر کے بعد حالات بہت کشیدہ تھے، انھیں اندازہ نہیں تھا کہ مکہ والے انھیں گرفتار کرلیں گے، اس وقت صورت حال یہ تھی کہ مکہ آنے والا کوئی مسلمان قریش کی ایذا رسانی سے محفوظ نہیں تھا؛ چنانچہ جب سعد بن نعمان مکہ پہنچے تو ابوسفیان بن حرب ان پر ٹوٹ پڑے اور انھیں عمرو کے بدلے گرفتار کرلیا، عمرو بن عوف کے لڑکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملنے مدینہ روانہ ہوئے، انھوں نے اس واقعہ کی اطلاع دی اور یہ مطالبہ رکھا کہ سعد بن نعمان کے بدلے عمرو کو آزاد کردیں، تب ہی وہ سعد بن نعمان کو آزاد کریں گے؛ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا ہی کیا اور فوراً عمرو کو آزاد کر دیا، یہ لوگ عمرو کو لے کر ابوسفیان کے پاس پہنچے؛ چنانچہ انھوں نے بوڑھے مسلمان کو آزاد کر دیا۔(۱)

راستہ اور مجلس میں وسعت

سن رسیدہ افراد کے احترام اور توقیر کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک اُسوہ یہ بھی ہے کہ راستہ اور مجلس میں ان کے لئے وسعت پیدا کی جائے گی، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بوڑھا شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملنے آیا، لوگوں نے ان کو راستہ نہیں دیا، یہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

> لیس منا من لم یرحم صغیرنا ویوقر کبیرنا ۔ (۲)
>
> جس نے چھوٹے پر رحم نہیں کیا اور بڑے کی عزت نہیں کی ، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

---

(۱) سبل الہدیٰ والرشاد: ۴/۷۰۔

(۲) سنن الترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ما جاء فی رحمۃ الصبیان، حدیث نمبر: ۲۰۴۳۔

جذبات واحساسات کا احترام

رسول اللہ ﷺ نے اُمت کو معذور افراد کے اکرام واحترام کی جو تعلیم دی ہے، اس میں ان کے احساسات وجذبات کا لحاظ کرنا بھی داخل ہے، یعنی ان کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچائی جائے، صحیح مسلم کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ ابوسفیان کا گزر حضرت سلمانؓ، صہیبؓ، بلالؓ کے پاس سے ہوا، انھوں نے کہا: خدا کی قسم! اللہ کی تلواریں ابھی دشمنِ خدا کی گردنوں میں پیوست نہیں ہوئی ہیں، راوی کہتے ہیں یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان سے کہا کہ تم لوگ ایسی باتیں قریش کے سردار کے بارے میں کہتے ہو، پھر وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ نقل کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکرؓ! تم نے ان لوگوں کو ناراض کردیا؛ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ ان کے پاس پہنچے اور کہا: اے میرے بھائیو! کیا میں نے تم کو ناراض کردیا، انھوں نے جواب دیا: نہیں، میرے بھائی! اللہ تمہاری مغفرت فرمائے۔(۱)

معذوروں کا اکرام

اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ معذور افراد کی حیثیت محض اس لئے کم نہیں ہوجاتی کہ وہ معذور ہیں؛ بلکہ ان کی صلاحیت کا احترام کیا جائے گا، ان کی خوبیوں کی قدر کی جائے گی، اور وہ اپنی صلاحیت کے لحاظ سے سماج میں مقام پائیں گے۔

حضرت عبداللہ ابن اُم مکتوم ایک جلیل القدر صحابی ہیں، وہ بصارت سے محروم تھے، رسول اللہ ﷺ نے انھیں موذن بنایا، امامت کا منصب عطا کیا اور سب سے بڑھ کر اپنی نیابت کا منصب عطا فرمایا، حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن اُم مکتوم کو مدینہ میں دو مرتبہ اپنا نائب مقرر فرمایا، وہ لوگوں کی امامت کرتے تھے؛ حالاں کہ وہ نابینا تھے۔(۲)

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، باب من فضائل سلمان وصہیب وبلال، حدیث نمبر: ۶۵۶۸۔

(۲) مسند احمد بن حنبل: ۳؍۱۹۲، شعیب الارناؤط نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ حضرت عبداللہ بن اُم مکتوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موذن تھے؛ حالاں کہ وہ نابینا تھے۔(۱)

اسی طرح عِتبان بن مالکؓ صحابی رسول ہیں، وہ بھی بصارت سے محروم تھے، اور اپنی قوم کی امامت کرتے تھے۔(۲)

صحابی رسول عمرو بن جموحؓ کے پاؤں میں لنگ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کا یہ کہہ کر اکرام فرماتے: سیدکم الابیض الجعد عمرو بن الجموح، ''یہ تمہارے گورے رنگ اور گھونگریالے بال والے سردار عمرو بن جموح ہیں''(۳) جنگ اُحد میں ان کی شہادت ہوئی، رسول اللہ جب ان کے پاس سے گزرے تو فرمایا: میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اپنے صحیح سالم پیر کے ساتھ جنت میں چل رہے ہو۔(۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت کا نتیجہ تھا کہ مدنی معاشرہ میں معذوروں کو احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، لوگ ان پر اعتماد کرتے تھے، اور انھیں امانت دار اور قابل بھروسہ تصور کرتے تھے۔

زہری سعید بن المسیب کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ مسلمان جب جنگوں میں جاتے تو معذوروں کو گھروں میں چھوڑ جاتے تھے، اور اپنے گھروں کی چابیاں ان کے حوالہ کر جاتے، اور ان سے کہہ جاتے کہ تم جو کچھ کھانا چاہو ہمارے گھروں سے کھا سکتے ہو، ہم نے تمہارے لئے مباح کر دیا ہے۔(۵)

عزت واکرام کے مواقع پر ترجیح

سن رسیدہ افراد کے احترام کا تقاضہ یہ ہے کہ انھیں عزت واکرام کے مواقع پر دوسروں

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب الاذان للاعمی، حدیث نمبر: ۵۳۵۔
(۲) صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ، باب الرخصۃ فی المطر والعلۃ ان یصلی فی رحلہ، حدیث نمبر: ۶۳۶۔
(۳) معرفۃ الصحابۃ لابی نعیم: ۱۵۵/۱۴۔
(۴) مسند احمد بن حنبل: ۲۹۹/۵۔ (۵) التفسیر الکبیر، رازی: ۳۱/۲۴، السنن الکبری، بیہقی، کتاب الصداق، باب نسخ الضیق فی الاکل من مال، حدیث نمبر: ۱۴۹۹۵۔

سے آگے رکھا جائے ، انھیں آگے رکھنے کا حکم خود اللہ عز وجل کی جانب سے ہے ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جبرئیل نے مجھے حکم دیا کہ میں بڑوں کو آگے رکھوں :

امرنی جبرئیل ان اقدم الاکابر ۔ (۱)

عزت وتکریم کے مواقع پر بھی سن رسیدہ افراد کو ترجیح دینے کا عام حکم ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ پانی پلانے میں پہلے سن رسیدہ کو دیا جائے ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : '' ابدؤا بالکبراء ، أو قال : بالأکابر '' ۔(۲)

اسی طرح امامت کے لئے سن رسیدہ فرد کو ترجیح دینے کا حکم ہے، حضرت مالک بن حویرثؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

فإذا حضرت الصلاۃ فلیؤذن لکم أحدکم ولیؤمکم أکبرکم ۔ (۳)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسواک کر رہے ہیں، پاس میں آپ کے دو صحابہ موجود تھے، آپ نے ان دونوں میں سے جو بڑے تھے، ان کو مسواک عنایت فرمائی اور فرمایا : حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں بڑے کو دوں ۔(۴)

حضرت سہل بن سعد بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پانی پیش کیا گیا، آپ کے دائیں جانب ایک بچہ تھا اور بائیں جانب بوڑھے افراد تھے، آپ نے بچہ سے کہا کہ تم مجھے اجازت دو تو میں بائیں جانب بیٹھے ہوئے بوڑھوں کو (اپنا بچا ہوا) پانی دے دوں، بچہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں اپنے حصہ میں کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا ؛ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان ہی کے ہاتھ پر پانی رکھ دیا ۔(۵)

(۱) کتاب الفوائد الغیلانیات، باب آداب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واخلاقہ وما کان یستحب من الطعام: ۱/ ۶۸۷ ۔
(۲) مسند ابویعلی: ۲/ ۶۳۸ ۔
(۳) صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب اذا استووا فی القراءۃ فلیؤمہم اکبرہم، حدیث نمبر: ۵۹۵ ۔
(۴) السنن الکبری للبیہقی، کتاب الطہارۃ، باب دفع السواک الی الاکبر، حدیث نمبر: ۱۷۵ ۔
(۵) صحیح البخاری، کتاب الاشربہ، باب ہل یستاذن الرجل من عن یمینہ فی الشراب لیعطی الاکبر، حدیث نمبر: ۵۶۲۰ ۔

معذور افراد کے ساتھ ہمدردی

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک خاتون جن کے دماغ میں خلل تھا، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: مجھے آپ سے کچھ کام ہے، آپ نے فرمایا: اے فلاں کی والدہ! بتاؤ کس طرف چلوں ؛ تا کہ میں تمہاری ضرورت پوری کرسکوں ، آپ اس کے ساتھ بعض راستوں میں گئے ، یہاں تک کہ ان کی ضرورت پوری ہوگئی ۔(۱)

یہ روایت آپ کے حلم ،تواضع اور معذوروں کی ضرورت پوری کرنے کے سلسلہ میں مشقت کرنے کی ایک مثال ہے،اس روایت کی شرح میں امام نوویؒ لکھتے ہیں :

في هذه الاحاديث بيان بروزه صلى الله عليه وسلم للناس وقربه منهم ليصل أهل الحقوق حقوقهم ... وفيها صبره على المشقة في نفسه لمصلحة المسلمين واجابتها من سأل حاجة ۔ (۲)

ان روایات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لوگوں کے لئے نکلنے اور ان سے قریب ہونے کا ذکر ہے؛ تا کہ حق والے اپنے حقوق حاصل کرسکیں ......اور ان میں مسلمانوں کی مصلحت کی خاطر مشقت کو برداشت کرنا اور ضرورت مندوں کی ضرورت کو پورا کرنا بھی ثابت ہے۔

مذکورہ روایت بتاتی ہے کہ حاکم پر معذوروں کی نگہداشت اور ان کی ضروریات کا خیال رکھنے کی ذمہ داری ہے ، یہ نگہداشت اور ضروریات کا خیال ،صحت ، سماجی ، معاشی اور نفسیاتی ہر اعتبار سے ہونی چاہئے۔

سن رسیدہ افراد کی طرح معذور افراد کی نگہداشت اور دیکھ بھال متعلقہ سماج اور حکومت کی ذمہ داری ہے ، اسلامی تاریخ میں اس کی نظیریں ملتی ہیں ،حضرت عمر بن عبد العزیز نے

(۱) صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب قرب النبی من الناس وتبرکھم بہ، حدیث نمبر:۶۱۸۹۔
(۲) شرح نووی:۱۵/ ۸۲۔

باضابطہ معذور افراد کی مردم شماری کرائی ، اور پھر معذور افراد کی خدمت کے لئے خادم مقرر فرمائے ۔(۱)

اور اسی نقش قدم پر چلتے ہوئے اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک نے خاص معذوروں کے لئے اسپتال قائم کئے ، جہاں اطباء اور خدام متعین تھے ،جنھیں تنخواہیں ملتی تھی ، اور ان معذوروں کے لئے وظائف بھی متعین تھے ۔(۲)

معذوروں کی دیکھ بھال کی کچھ شکلیں اس طرح ہیں :

- معذوروں کے لئے شریفانہ زندگی کی فراہمی ۔
- ان کے لئے علاج اور مطلوبہ طبی تحقیقات کا انتظام ۔
- ان کی حیثیت اور صلاحیت کے مطابق ان کی شادی اور ان کی تعلیم کا انتظام ۔
- ان کے لئے ایسے افراد کی تقرری جو اُن کی دیکھ بھال اور خدمت کر سکیں ۔(۳)

معذور افراد کی ضروریات پہلے پوری کی جائیں

جہاں اسلام نے یہ نظام بنایا کہ معذوروں کی پوری نگہداشت کس طرح کی جائے اور ان کی ضروریات کی تکمیل کیسے ہوگی ؟ اس کو متعین کیا ، وہیں یہ بھی طے کیا کہ اس طبقہ کے سارے کام ترجیحی طور پر ہوں گے ، اور ان کی ضروریات تندرستوں کے مقابلہ میں پہلے پوری کی جائیں گی ، اس بارے میں مشہور صحابی رسول حضرت عبداللہ بن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ کا واقعہ مشہور ہے کہ وہ شریعت کی کوئی بات پوچھنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ، اس وقت رُوساء اور قوم کے بااثر افراد وہاں بیٹھے تھے ، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انھیں اسلام کی جانب راغب کر رہے تھے ، جس کی وجہ سے حضرت عبداللہ بن مکتوم رضی اللہ عنہ کی جانب سے بے توجہی رہی ، اگرچہ انھوں نے بصارت سے محرومی کی وجہ سے اس کیفیت کو نہیں دیکھا ؛ لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند

(۱) سیرت عمر بن عبدالعزیز ، ابن جوزی : ۱۳۰ ۔
(۲) البدایہ والنہایہ ، لابن کثیر : ۱۸۶/۹ ۔
(۳) رعایۃ الرسول للضعفاء : ۱۸ ۔

نہیں آئی؛ چنانچہ آیت: ''عَبَسَ وَتَوَلّٰی أَنْ جَاءَہُ الْأَعْمٰی'' نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ کی سرزنش کی گئی، اس کے بعد جب بھی یہ صحابی تشریف لاتے تو آپ خوشی خوشی ان سے ملتے، ان کے لئے چادر بچھاتے اور فرماتے: ''مرحبا بمن عاتبنی فیہ ربی''۔(۱)

گفتگو میں بڑوں کا خیال

سن رسیدہ افراد کے احترام کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ جب مجلس میں بڑے موجود ہوں تو انھیں گفتگو کا موقع دیا جائے، اس تعلیم سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ گفتگو شروع کرنے اور ڈائیلاگ کا آغاز کرنے کا حق بھی سن رسیدہ کو ہے، رافع بن خدیجؓ اور سہل بن ابی حثمہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سہلؓ اور محیّصہ بن مسعودؓ خیبر آئے، کھجور کے بارے میں ان دونوں کا اختلاف ہوگیا، اور عبداللہ بن سہل کا قتل ہوگیا؛ چنانچہ عبدالرحمٰن بن سہلؓ اور مسعودؓ کے دولڑکے حویصہ اور محیصہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے بھائی کے بارے میں گفتگو کی، عبدالرحمٰن جو چھوٹے تھے انھوں نے گفتگو شروع کی، آپ نے ان سے فرمایا: ''کبّر الکبر''، یعنی: بڑے کو پہلے گفتگو کا موقع دو۔(۲)

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کی تربیت اس طرح فرمائی تھی کہ صحابہ کرام اپنے بڑوں کی موجودگی میں کوئی بات کرنے سے احتیاط کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہ سے دریافت کیا کہ مسلمان کی مثال کس درخت کی ہے؟ میرے دل میں خیال آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے؛ لیکن مجھے بتاتے ہوئے اچھا نہیں لگا؛ کیوں کہ اس مجلس میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ جیسے افراد بیٹھے تھے۔(۳)

باجماعت نماز میں بوڑھوں کی رعایت

رسول اللہ ﷺ حاجت مندوں اور سن رسیدہ افراد کا اتنا خیال فرماتے کہ نماز جیسی

---

(۱) التفسیر الکبیر: ۳۱/۵۰۔
(۲) صحیح بخاری، کتاب الادب، باب إکرام الکبیر، حدیث نمبر: ۵۶۷۷۔
(۳) صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب أین یقوم الامام من المیت للصلاۃ، حدیث نمبر: ۲۲۸۱۔

اہم ترین عبادت کو ان کی دشواری کی وجہ سے مختصر فرما دیتے، حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں بچوں کے رونے کی آواز سنتے تو چھوٹی سورتیں پڑھتے اور نماز کو مختصر کر دیتے۔(۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سن رسیدہ اور حاجت مند لوگوں کی موجودگی میں طویل جماعت پسند نہیں فرماتے؛ بلکہ اس بارے میں سخت انداز میں ناراضگی کا اظہار فرمایا، ابو مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں صبح کی نماز میں اس لئے حاضر نہیں ہو پاتا ہوں کہ فلاں شخص لمبی نماز پڑھاتے ہیں، راوی کہتے ہیں کہ میں نے کبھی کسی گفتگو میں اس دن سے زیادہ غصہ نہیں دیکھا، آپ نے فرمایا:

إن منكم منفرين فأيّكم ماصلى بالناس فليتجوز فإن فيهم الضعيف والسقيم وذا الحاجة۔ (۲)

تم میں بعض لوگ نفرت پیدا کرنے والے ہیں، تو تم میں سے جو شخص نماز پڑھائے تو اس کو چاہئے کہ وہ ہلکی نماز پڑھائے؛ کیوں کہ نماز پڑھنے والوں میں بوڑھے بھی ہیں کمزور بھی ہیں اور ضرورت مند بھی۔

بوڑھے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا خصوصی حکم

بوڑھے اور سن رسیدہ افراد ماں باپ بھی ہو سکتے ہیں اور قریبی رشتہ دار بھی اور معاشرہ کے دوسرے افراد بھی، یوں تو ہر طرح کے بوڑھوں کی دیکھ بھال کا حکم ہے؛ لیکن بوڑھے ماں باپ کے بارے میں خصوصی ہدایات ہیں، والدین کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں روایتیں کثرت سے ہیں، یہاں صرف چند روایات پر اکتفا کرتے ہیں، حضرت ابو ہریرہؓ نقل کرتے ہیں کہ ایک صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے حسن سلوک کا زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہاری ماں،

(۱) صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب امر الائمۃ بتخفیف الصلاۃ فی تمام، حدیث نمبر: ۴۷۰۔

(۲) صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب تخفیف الامام فی القیام و إتمام الرکوع والسجود، حدیث نمبر: ۷۰۲۔

انھوں نے دریافت کیا: اس کے بعد کون؟ آپ نے فرمایا: تمہاری ماں، انھوں نے تیسری بار سوال کیا: اس کے بعد کون؟ آپ نے فرمایا: تمہاری ماں، اور چوتھی بار اسی سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا: تمہارے باپ۔(۱)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک صحابی رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا: میں جہاد میں جانا چاہتا ہوں، آپ نے پوچھا: کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''ففیہما فجاھد''۔(۲)

بچپن سے ہی بڑوں کے اکرام کی تعلیم

رسول اللہ ﷺ نے اُمت کو اخلاق سکھایا کہ بچے بڑوں کو سلام کریں گے؛ تاکہ ان کے ذہنوں میں بڑوں کی عزت کا نقش بیٹھے، دوسری جانب بوڑھوں کو معاشرہ میں اپنی عزت اور لوگوں کے دلوں میں ان کے لئے محبت کا احساس ہو، حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یسلم الصغیر علی الکبیر والمار علی القاعد والقلیل علی الکثیر۔ (۳)

چھوٹا بڑے کو، گذرنے والا بیٹھنے والے کو، چھوٹی جماعت بڑی جماعت کو سلام کرے۔

معذوروں کے ساتھ عفو و درگذر کا معاملہ

رسول اللہ ﷺ کی رحمت تہذیب ناآشنا معذوروں کو معاف کرنے کی شکل میں بھی ظاہر ہوتی تھی، آپ ایسے لوگوں کی گستاخیوں کو معاف فرمادیتے تھے، ان سے نرمی کے ساتھ پیش آتے تھے، شوال ۳ھ ہجری مطابق اپریل ۶۲۴ء کو جب رسول اللہ ﷺ اپنے لشکر کے

(۱) صحیح بخاری، کتاب الادب، باب من أحق الناس بحسن الصحبۃ، حدیث نمبر: ۵۶۲۶۔
(۲) صحیح بخاری، کتاب الادب، باب لا یجاہد الا باذن الابوین، حدیث نمبر: ۵۶۲۷۔
(۳) صحیح بخاری، باب تسلیم القلیل علی الکثیر، حدیث نمبر: ۵۷۶۳۔

ساتھ اُحد کے لئے روانہ ہوئے تھے، اور ایک غیر مسلم نابینا شخص کے باغ سے گزرنے کا ارادہ فرمایا تو وہ آپ کو نعوذ باللہ سب وشتم کرنے لگا اور ہتک عزت کے درپے ہوا، یہاں تک کہ اس نے اپنے ہاتھ میں ایک مٹھی مٹی لی اور کہنے لگا: اگر میں آپ پر یہ مٹی دال سکتا تو ڈال دیتا، یہ دیکھ کر صحابہ لپکے؛ تا کہ اس گستاخی پر اس کی گردن اُڑا دیں؛ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کو انگیز فرمایا اور پھر ارشاد فرمایا :

دعوه فهذ الأعمى أعمى القلب أعمى البصر ۔ (۱)

اسے چھوڑ بھی دو، یہ دل کا بھی اندھا ہے اور آنکھ کا بھی۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کی معذوری کی وجہ سے اس کی حرکت سے صَرفِ نظر کیا، ورنہ صحابہ تو جنگ کے لئے پابہ رکاب تھے ہی، اور حالات بھی کشیدہ تھے، اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے معذوری کا لحاظ کرتے ہوئے مسلمانوں کو کسی اقدام سے منع فرمایا۔

معذوروں کی عیادت اور ان سے ملاقات

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر جو حقوق عائد ہوتے ہیں، ان میں ایک مریضوں کی عیادت بھی ہے، آپ ﷺ نے خاص طور پر مریضوں کی عیادت کا حکم دیا ہے، فرمایا :

عودوا مرضاكم اتبعوا الجنائز تذكركم الآخرة ۔ (۲)

مریضوں کی عیادت کرنا خود آپ ﷺ کے معمولات میں شامل ہے، سہل بن حنیف اپنے والد کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ :

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يأتي ضعفاء المسلمين ويزورهم ويعود مرضاهم ويشهد جنائزهم ۔ (۳)

(۱) السیرۃ النبویۃ لابن ہشام: ۳/ ۵۷۔

(۲) سنن الکبریٰ، بیہقی، کتاب الجنائز، باب الامر بعیادۃ المریض، حدیث نمبر: ۶۸۱۷۔

(۳) مستدرک علی الصحیحین، کتاب التفسیر، تفسیر سورہ ق، حدیث نمبر: ۳۷۳۵۔

آپ کمزور مسلمانوں کے پاس تشریف لے جاتے ، ان سے ملتے ،
ان کے مریضوں کی عیادت کرتے ، اور ان کے جنازہ میں شریک
ہوتے ۔

مریضوں کی عیادت کا مقصد ان کی غم خواری کرنا اور ان کا دل بہلانا ہوتا ہے؛ تاکہ ان کی پریشانیوں کا بوجھ ہلکا ہو، ظاہر ہے اس ہمدردی اور غم خواری کے زیادہ مستحق معذور افراد ہوتے ہیں۔

معذوروں کی دلجوئی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے افراد سے ملنے جایا کرتے تھے، ان کے دل کو خوش کرنے کی کوشش کرتے ، ان میں اعتماد اور حوصلہ پیدا کرتے ، اور اس طرح انھیں خوشی دیتے ، اور ان کی خوشی کے لئے ان کی خواہشوں کو نہ صرف قبول فرماتے ؛ بلکہ ان کے لئے پریشانیاں بھی انگیز فرماتے ، حضرت عتبان بن مالکؓ بدری صحابی ہیں ، آنکھ سے معذور ہیں ، انھوں نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے گھر تشریف لائیں اور کسی جگہ نماز پڑھ دیں؛ تاکہ وہ اس جگہ کو نماز کے لئے متعین کرلیں ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی خوشی کے لئے اس بات کو قبول فرمالیا، صحیح بخاری کی روایت ہے کہ عتبان بن مالکؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کبھی تاریکی ہوتی ہے ، کبھی بارش ہوتی ہے ، میں بصارت سے محروم ہوں ، آپ میرے گھر کے کسی حصہ میں نماز پڑھ دیجئے؛ تاکہ میں اس جگہ کو اپنے لئے نماز گاہ بنالوں ، آپ نے فرمایا: انشاء اللہ میں ایسا ہی کروں گا، پھر دوسرے دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ ان کے گھر تشریف لائے اور پوچھا کہ کس جگہ نماز پڑھانا چاہتے ہیں؟ پھر اسی جگہ آپ نے نماز پڑھی۔(۱)

(۱) صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب الرخصۃ فی المطر والعلۃ ان یصلی فی رحلہ، حدیث نمبر:۶۳۶۔

معذوروں کیلئے دُعا کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک معمول یہ بھی تھا کہ آپ معذوروں اور پریشان حالوں کے لئے دُعا فرماتے تھے؛ تاکہ انھیں سکون ملے اور پریشانیاں جھیلنے کا حوصلہ پیدا ہو، ایک نابینا صحابی حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہمارے لئے دُعا فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صحت سے نوازے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: اگر تم چاہو تو اس دُعا کو موخر کر دیں، یہ تمہارے لئے بہتر ہے، اور اگر چاہو تو دُعا کر دیں، انھوں نے جواب دیا: میرے لئے دُعا کر دیجئے؛ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں دُعا سکھائی، اور دُعا کا طریقہ بھی سکھایا۔(۱)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب آپ کسی مریض کی عیادت فرماتے یا کوئی مریض آپ کے پاس لایا جاتا تو آپ یہ دُعاء پڑھتے تھے:

أذهب البأس رب الناس اشف وأنت الشافی لا شفاء
إلا شفائک شفاء لا یغادر سقماً۔ (۲)

انسانیت کے پروردگار مصیبت کو دُور کر دیجئے، شفاء عطا فرمائیے کہ
آپ ہی شفاء دینے والے ہیں، آپ کے سوا کوئی شفاء دینے والا
نہیں، ایسی شفاء عطا فرمائیے کہ کوئی بیماری رہ نہ جائے۔

معذوروں اور سن رسیدہ افراد سے تمسخر کی ممانعت

اکثر معاشروں میں معذور اور سن رسیدہ افراد تفریح کا ذریعہ ہوتے ہیں، ان کا مذاق اُڑایا جاتا ہے، ان سے دل لگی کی جاتی ہے، اور انھیں پریشان کر کے خوشی محسوس کی جاتی ہے، جس کی وجہ سے معذور افراد بیک وقت دو طرح کے عذاب سے دو چار ہوتے ہیں، ایک: لوگوں سے دوری ومجبوری، دوسرے: تمسخر واستہزاء، اسلام اس طرزِ عمل کو سخت ناپسند کرتا ہے؛

(۱) سنن الترمذی، کتاب الدعوات، باب اللھم انی اسئلک، حدیث نمبر: ۳۹۲۷۔
(۲) صحیح بخاری، کتاب المرضی باب دُعاء العائد للمریض، حدیث نمبر: ۵۶۵۷۔

کیوں کہ یہ احترام کے خلاف ہے، اسلام عام انسان کے ساتھ بھی تمسخر واستہزء کو حرام قرار دیتا ہے؛ چہ جائیکہ معذور افراد کے ساتھ؛ اس لئے ایسے افراد کے ساتھ استہزاء وتمسخر بدرجہ اولیٰ حرام اور سخت گناہ کی بات ہے :

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ ۔ (۱)

اے مسلمانو! (مردوں کا) ایک گروہ دوسرے گروہ کا مذاق نہ اُڑائے، ممکن ہے کہ وہ اُن سے بہتر ہوں۔

اسلام کا شعار تو یہ ہے :

لا تظهر الشماتة لاخيك فيرحمه الله ويبتليك ۔ (۲)

اپنے بھائی کو طعنہ نہ دو، ورنہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائیں گے اور تم کو مبتلا کر دیں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے سن رسیدہ افراد کے ساتھ استہزاء سے منع فرمایا ہے: حضرت ابوامامہؓ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سن رسیدہ افراد کے بارے میں ارشاد فرمایا :

ثلاثة لا يستخف بحقهم إلا منافق : ذوالشيبة فى الاسلام ، و ذوالعلم ، و إمام مقسط ۔ (۳)

تین طرح کے افراد ایسے ہیں کہ کوئی منافق ہی ان کے ساتھ استہزاء کر سکتا ہے، اول: سن رسیدہ مسلمان، دوسرے: اہل علم اور تیسرے: عادل بادشاہ۔

(۱) الحجرات: ۱۱۔
(۲) سنن الترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، باب النہی عن اظہار الشماتۃ، حدیث نمبر: ۲۶۹۴۔
(۳) المعجم الکبیر للطبرانی: ۸/ ۲۰۲، حدیث نمبر: ۷۸۱۹۔

استہزاء میں بدتمیزی، ناشائستہ القاب سے مخاطب کرنا، مذاق اُڑانا اور ہر ایسی بات جن سے ان کو تکلیف پہنچتی ہو، شامل ہے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اندھوں کو غلط راستہ بتانے اور ان کو تکلیف پہنچانے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

ملعون من كمه أعمى عن الطريق ۔ (۱)

جس نے اندھے کو غلط راستہ بتایا، اس پر لعنت ہے۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''**لعن الله من كمه اعمى عن السبيل**''۔(۲)

زہیر بن حرب بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ قریش کے کچھ نوجوان حضرت عائشہؓ کے پاس آئے، اس وقت آپ منیٰ میں تھیں، وہ سب ہنس رہے تھے، حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا: تم لوگ کس وجہ سے ہنس رہے ہو، انھوں نے جواب دیا، ایک آدمی خیمہ کی رسی پر گر پڑا، جس کی وجہ سے ہوسکتا ہے کہ اس کی گردن ٹوٹ گئی ہو یا اس کی آنکھ ضائع ہوگئی ہو، حضرت عائشہؓ نے فرمایا ہنسو مت، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ :

ما من مسلم يشاك شوكة فما فوقها إلا كتبت له بها درجة و محيت عنه بها خطيئة ۔ (۳)

مسلمان کو ایک کانٹا بھی چبھتا ہے یا اس سے بھی کم کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا درجہ بلند کرتا ہے اور اس کا ایک گناہ معاف کردیا جاتا ہے۔

جو لوگ خلقی عیوب کو تمسخر کا ذریعہ بناتے ہیں، اور اس کی وجہ سے اس کی تنقیص کرتے ہیں، ان کے لئے سخت وعیدیں ہیں، معذور افراد والد کے درجہ میں ہوں گے یا بھائی کے درجہ میں یا لڑکے کے درجہ میں، اللہ تعالیٰ نے انھیں آزمائش میں ڈالا ہے، وہ خاموش واعظ ہیں، اللہ کی قدرت کے مجسم گواہ ہیں، نہ کہ تفریح اور دل لگی کا ذریعہ۔(۴)

---

(۱) مسند احمد بن حنبل: ۲۱۷/۱۔ (۲) مسند احمد بن حنبل: ۳۱۷/۱۔ (۳) صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب ثواب المومن فیما یصیبہ من مرض أو حزن أو نحو ذلک، حدیث نمبر: ۶۷۲۶۔ (۴) رعایۃ الرسول للضعفاء: ۲۳۔

سن رسیدہ اور معذور افراد کیلئے شرعی مسائل میں تخفیف

اسلامی تعلیمات میں سن رسیدہ اور معذور افراد کو جو اہمیت حاصل ہے، ان کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ بہت سے شرعی مسائل میں ان کے لئے تخفیف رکھی گئی ہے، مثلاً :

● سن رسیدہ اور معذور افراد کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر قادر نہ ہوں تو بیٹھ کر نماز پڑھ سکتے ہیں، اور بیٹھ کر بھی پڑھنے پر قادر نہ ہوں تو لیٹ کر پڑھ سکتے ہیں۔

● اگر ایسے افراد روزہ رکھنے پر قادر نہ ہوں تو ان کے لئے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔

● سن رسیدہ اور معذور سفر حج پر قادر نہ ہوں تو اپنی طرف سے دوسرے کو حج کرانے کی اجازت ہے۔

خلاصۂ بحث

سن رسیدہ اور معذور افراد کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے اُسوہ سے درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں :

(۱) سن رسیدہ اور معذور افراد کا ہر طرح احترام کیا جائے اور سماج میں انھیں بہتر مقام دیا جائے۔

(۲) ان کے جذبات واحساسات کو بھی ٹھیس پہنچانے سے گریز کیا جائے۔

(۳) سن رسیدہ اور معذور افراد کی دیکھ بھال کی جائے، صحت کے اعتبار سے بھی اور نفسیاتی، عقلی اور سماجی ہر اعتبار سے۔

(۴) ان کے مسائل کو ترجیحی بنیاد پر حل کیا جائے اور ان کی ضروریات کو پورا کیا جائے۔

(۵) ان کی جہالت و نادانی کو انگیز کیا جائے۔

(۶) سن رسیدہ اور معذوروں کی عیادت کرنا، اور ان سے ملنا، ان کے لئے دُعائیں کرنا۔

(۷) ان کے ساتھ تمسخر واستہزاء کا برتاؤ نہ کرنا۔

(۸) ان کو الگ تھلگ نہ کیا جائے اور انھیں سماج کا حصہ بنایا جائے۔

(۹) شرعی احکام میں ان کی معذوری کی رعایت کی جائے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بچے ☆

بچے خصوصی شفقت ورحمت کے محتاج ہوتے ہیں، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا خاص خیال رکھا؛ چنانچہ آپ بچوں کو سلام کرتے، ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے اور انھیں دُعائیں دیتے، (۱) اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں کا بوسہ بھی لیتے، ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسنؓ کا بوسہ لیا تو حضرت اقرع بن حابسؓ نے عرض کیا کہ مجھے دس بچے ہیں؛ لیکن میں نے کبھی کسی بچہ کا بوسہ نہیں لیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اقرعؓ کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا: ''من لا یرحم لا یرحم'' (۲) ''جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا''۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے، ان کے ساتھ ایک بچہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بچہ کو اپنے بدن مبارک سے چمٹاتے ہوئے دریافت فرمانے لگے کہ کیا تم اس بچہ پر رحم کرتے ہو؟ صحابی نے عرض کیا: ہاں، تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہارے مقابلہ میں بچہ پر زیادہ رحم فرماتے ہیں کہ وہ تمام رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ مہربان ہیں۔ (۳)

اس طرح کی متعدد روایات اور واقعات ہیں، جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بچوں کے ساتھ شفقت ومحبت کا خوب اظہار ہوتا ہے۔

☆ مولانا شاہد علی قاسمی (استاذ: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)۔

(۱) ابن حبان، حدیث نمبر: ۲۱۴۵۔

(۲) بخاری، حدیث نمبر: ۵۹۹۷، باب من انتظر حتی تدفن۔

(۳) بخاری فی الادب المفرد، حدیث نمبر: ۳۷۷۔

لڑکیوں کی پرورش و پرداخت کی طرف خصوصی توجہ

زمانۂ جاہلیت میں لڑکیوں کے ساتھ جو سلوک ہوتا تھا، یقیناً وہ انتہائی انسانیت سوز تھا، اسلام نے ان مظالم کو یکسر بدل دیا، رسول اللہ ﷺ نے اس تعلق سے اللہ کی آیات کو پڑھ کر سنایا، لوگوں کی ذہنی تربیت فرمائی، لڑکیوں کے ساتھ عادلانہ سلوک کو جنت میں داخل کا باعث قرار دیا، حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

> من كانت له انثى فلم يئدها ولم يهنها ولم يوثر ولده عليها قال يعنى الذكور — أدخله الله الجنة ۔ (۱)
>
> جس کو کوئی لڑکی ہو اور وہ اسے زندہ دفن نہ کرے اور نہ اسے رسوا کرے اور نہ اس پر لڑکے کو ترجیح دے تو اللہ تعالیٰ جنت میں اسے داخل فرمائیں گے۔

نیز حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میرے پاس ایک عورت آئی جس کے ساتھ دو لڑکیاں تھیں، اس نے کچھ مانگا، میرے پاس سوائے ایک کھجور کے کچھ نہیں تھا، تو میں نے اسے دے دیا، اس عورت نے اسے دونوں لڑکیوں کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کر دیا اور خود نہیں کھایا اور واپس ہوگئی، اس کے بعد آپ ﷺ تشریف لائے تو میں نے واقعہ کی اطلاع دی، آپ ﷺ نے فرمایا :

> من ابتلى من هذه البنات بشيئ كن له سترا من النار ۔ (۲)
>
> جس شخص کو بیٹیاں ہوں تو وہ اس کے لئے قیامت کے دن آگ (جہنم) سے آڑ بن جائیں گی۔

رسول اللہ ﷺ کی بے مثال تربیت کا یہ اثر ہوا کہ لڑکیاں جو کل تک زندہ درگور کی جاتی تھیں، خاندان کے لئے باعث شرم و عار سمجھی جاتی تھیں، وہی لڑکیاں رحمت سمجھی جانے لگیں،

---

(۱) مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۹۵۷۔

(۲) بخاری، حدیث نمبر: ۱۴۱۸، باب من انتظر حتی تدفن۔

ان کے ساتھ خصوصی شفقت کا معاملہ ہونے لگا اور وہ منظر بھی سامنے آیا، جب یتیم بچی کی پرورش و پرداخت کے لئے مسابقت اور ایک دوسرے سے بڑھ کر بولی لگائی جانے لگی۔

رسول اللہ ﷺ کا بچوں کے ساتھ کھیل اور ان کی دلجوئی

بچوں کا فطری اور طبعی طور پر کھیل کی طرف میلان زیادہ ہوتا ہے، اس لئے بچے کے اس فطری میلان کو بالکلیہ ختم کرنا اور کسی کام یا تعلیم وغیرہ میں مسلسل مشغول رکھنا مناسب نہیں؛ کیوں کہ یہ جسمانی نشو ونما کے اعتبار سے بھی نقصان دہ ہے اور نفسیاتی اعتبار سے بھی، اس لئے بچوں کو کھیل کود کرنے کا مناسب موقع دینا چاہئے، رسول اللہ ﷺ بھی بچوں کے اس فطری تقاضا کی رعایت فرماتے تھے؛ چنانچہ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، تھوڑی کے بعد اور لوگوں کے ساتھ مجھے کھانے کے لئے بلایا گیا، راستہ میں حسینؓ دوسرے بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، تو آپ بہ عجلت ہم لوگوں سے آگے بڑھے اور اپنے ہاتھوں کو پھیلایا، تو حضرت حسین اِدھر اُدھر بھاگنے لگے، رسول اللہ ﷺ ان کو بھی ہنساتے رہے اور خود بھی مسکراتے رہے، یہاں تک کہ انھیں پکڑ لیا اور حضرت حسینؓ کی ٹھوڑی کو ایک ہاتھ سے اور سر اور کان کو دوسرے ہاتھ سے پکڑا، پھر بوسہ لیا، اور فرمایا: حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں، اللہ ان سے محبت کرے، جو حسین سے محبت کرے۔(۱)

عبداللہ بن حارثؓ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت عبداللہ، حضرت عبیداللہ اور کثیر بن عباسؓ —— جو کم عمر تھے —— کو ایک صف میں کھڑا کر دیتے، پھر (فاصلہ پر کھڑا ہونے کے بعد) فرماتے: جو میرے پاس دوڑتے ہوئے سب سے پہلے آجائے اسے فلاں اور فلاں چیز ملے گی؛ چنانچہ وہ تینوں دوڑ لگاتے، پھر آپ ﷺ کی پیٹھ اور سینہ مبارک پر آپڑتے، تو آپ ﷺ انھیں بوسہ لیتے اور چمٹا لیتے، حدیث کے الفاظ میں:

من سبق إليّ فله كذا وكذا ، قال : فيستبقون إليه
فيقعون على ظهره وصدره فيقبلهم ويلتزمهم ۔ (۲)

(۱) مستدرک علی الصحیحین للحاکم، حدیث نمبر: ۴۸۲۰۔ (۲) مجمع الزوائد، حدیث نمبر: ۱۵۵۳۷۔

خادم رسول حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایک کام کرنے کا حکم دیا، میں نے زبان سے تو کہہ دیا کہ نہیں جاؤں گا؛ لیکن دل میں تھا کہ آپ ﷺ کے حکم کے مطابق ضرور کام انجام دوں گا؛ چنانچہ میں وہاں سے نکلا، بازار میں داخل ہوا تو دیکھا کہ کچھ بچے کھیل رہے ہیں، میں وہاں سے گذر رہا تھا کہ پیچھے سے کسی نے میرے سر کے پچھلے حصہ کو پکڑا، پلٹ کر متوجہ ہوا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ہیں اور مسکرا رہے ہیں، پھر فرمایا: اے انس! کیا تم وہاں جا رہے ہو جہاں میں نے جانے کا حکم دیا تھا؟ تو میں نے عرض کیا: ہاں! اللہ کے رسول! میں جا رہا ہوں، پھر حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم میں نے نو سال آپ ﷺ کی خدمت کی؛ لیکن اس عرصہ میں کبھی آپ ﷺ نے میرے کسی کام کے بارے میں یہ نہیں فرمایا کہ تم نے اسے ایسا کیوں کیا، یا ایسا کیوں نہیں کیا؟ (۱) —— واضح ہو کہ حضرت انسؓ کا یہ واقعہ ان کے بچپن کا ہے، اس لئے حضور کے حکم پر ان کے بہ ظاہر انکار کو بچپنے کی عادت پر محمول کیا جائے گا، نہ کہ حقیقی انکار پر۔

اُم المومنین حضرت اُم سلمہؓ کو سابق شوہر سے ایک چھوٹی لڑکی حضرت زینب بھی تھیں، آپ ﷺ ان کی دلجوئی کرتے ہوئے پیار سے زوینب زوینب پکارتے؛ چنانچہ انسؓ روایت کرتے ہیں :

وکان صلی اللہ علیہ وسلم یلاعب زینب بنت أُم سلمة ویقول : یا زوینب یا زوینب مراراً۔ (۲)

بچہ کی دلجوئی کی متعدد مثالیں حیاتِ نبی ﷺ میں ملتی ہیں، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ جب حضرت انسؓ کے بھائی ابوعمیرؓ جو کم عمر تھے، حضور ﷺ ان کے پاس آتے، ایک مرتبہ حسبِ معمول آپ ﷺ ابوعمیر کے پاس آئے تو ان کے ساتھ پرندہ نہیں تھا، تو آپ ﷺ نے دلجوئی کرتے ہوئے فرمایا: ''یا ابا عمیر ما فعل النغیر'' اے ابوعمیر! نُغیر (چھوٹا پرندہ) کو کیا ہو گیا، نُغیر ایک چھوٹا پرندہ ہوتا ہے ابوعمیر اس سے کھیلتے تھے۔ (۳)

(۱) سنن ابی داؤد، حدیث نمبر: ۴۷۷۳۔ (۲) الجامع الصغیر، حدیث نمبر: ۵۰۲۵۔
(۳) بخاری، حدیث نمبر: ۶۲۰۳، کتاب الادب۔

ان واقعات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ بچوں کی نفسیات اور ان کے فطری تقاضوں کی کس قدر رعایت فرمایا کرتے تھے۔

اولاد کے درمیان عدل وانصاف

ماں باپ پر اولاد کے درمیان عدل ضروری ہے، کسی ایک بچہ کی جانبداری اور دوسرے سے پہلو تہی یا ایک کو زیادہ حق دینا اور ایک کو کم دینا انتہائی ناپسندیدہ عمل ہے، یہ ظلم ہونے کے ساتھ ساتھ مظلوم بچہ کی نفسیات پر بھی اثر انداز ہوتا ہے، وہ احساس کمتری میں مبتلا ہوجاتا ہے، اور ایسے بہت سے بچے باشعور ہونے کے بعد ماں باپ سے دُور رہنے کی کوشش کرتے ہیں اور ماں باپ کی نافرمانی کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے ہیں، اس لئے اولاد کے درمیان بھی عدل کا دامن نہیں چھوٹنا چاہئے ،حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے باپ نے ایک چیز دی تو حضرت عمرۃؓ بنت رواحہ نے میرے والد سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کو جب تک اس پر گواہ نہ بنالو میں مطمئن نہیں ہوسکتی ؛ چنانچہ والد حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا: میں نے اپنے بیٹے جو عمرہ بنت رواحہ کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں کو ایک چیز ہدیہ کے طور پر دی ہے، عمرہ نے مجھے آپ کو گواہ بنانے کہا ہے، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا تم نے اسی جیسی چیز دوسری اولاد کو بھی دی ہے، انھوں نے کہا: نہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ سے ڈرو، اولاد کے درمیان عدل سے کام لو؛ چنانچہ والد لوٹے اور مجھے ہدیہ کی ہوئی چیز واپس لے لی۔(۱)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک صحابی رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اس درمیان ان کا ایک لڑکا آیا، تو اسے بوسہ دیا اور اپنی گود میں بیٹھا لیا، پھر اس کی لڑکی آئی تو اسے پکڑ کر پہلو کی طرف بیٹھا دیا ، نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: تم نے دونوں کے درمیان انصاف نہیں کیا۔(۲)

---

(۱) بخاری، کتاب الہبۃ، حدیث نمبر: ۲۵۸۷۔

(۲) تحفۃ المودود باحکام المولود: ۱۷۹۔

اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کس قدر چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی اولاد کے درمیان عدل کا حکم دیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اگر اس طرح اولاد کے درمیان عدل کو برتا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ اولاد ماں باپ کی نافرمانی کرے۔

بچوں کی تربیت

ماں باپ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی اولاد کی تربیت کی طرف توجہ دیں؛ اس لئے کہ ماں باپ ہی بچوں کے نگراں، ولی اور ذمہ دار ہوتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

ما نحل والد ولداً من نحل أفضل من ادب حسن ۔ (۱)

کوئی باپ بچہ کو اچھی تربیت سے بہتر کوئی اور تحفہ نہیں دے سکتا۔

عن جابر بن سمرة رضی الله عنه قال : قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : لأن یؤدب الرجل ولده خیرا من أن یتصدق بصاع ۔ (۲)

جابر بن سمرہؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی شخص اپنی اولاد کو ادب سکھلائے یہ ایک صاع صدقہ کرنے سے افضل ہے۔

عن ابی سعید الخدری رضی الله عنه قال : قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : من عال ثلاث بنات فأدبهن وزوجهن وأحسن إلیهن فله الجنة ۔ (۳)

ابوسعید خدریؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے تین لڑکیوں کی اس طرح پرورش و پرداخت کی کہ انھیں ادب سکھلایا، ان کی شادی کرادی اور ان کے ساتھ بہتر سلوک کیا تو ایسے شخص کے لئے جنت ہے۔

(۱) ترمذی، حدیث نمبر:۲۰۱۸۔ (۲) ترمذی، حدیث نمبر:۲۰۱۷۔ (۳) ابوداؤد، حدیث نمبر:۵۱۴۷۔

عن انس بن مالک رضی الله عنه عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال : أكرموا أولادكم وأحسنوا أدبهم ۔ (۱)

انس بن مالکؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنی اولاد کا اکرام کرو اور انھیں بہتر ادب سکھلاؤ۔

اس طرح متعدد احادیث ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح پیغام دیا کہ بچوں کی تربیت سے پہلوتہی برتنا انتہائی نامناسب بات ہے، بچوں کو عظیم تحفہ جو ایک باپ دے سکتا ہے، وہ بہتر تعلیم و تربیت ہے۔

عبادت کی تربیت

یوں تو تربیت کا دائرہ بہت وسیع ہے، اس کی مختلف جہتیں ہیں، ان میں ایک دینی اُمور کی تربیت بھی ہے، اس سلسلہ میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صاف صاف ہدایات دی ہیں؛ چنانچہ نماز کے تعلق سے فرمایا:

عن سبرة قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : علموا الصبي الصلاة ابن سبع سنين واضربوه عليها ابن عشرة ۔ (۲)

حضرت سبرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بچہ کو نماز سکھلاؤ جب وہ سات سال کا ہوجائے اور (نماز نہ پڑھنے پر ہلکی مار) مارو جب کہ وہ دس سال کا ہوجائے۔

عن ابی الحوراء قال : قلت للحسن بن علی : ما حفظت من النبی صلی الله علیه وسلم فقال : الصلوات الخمس ۔ (۳)

---

(۱) ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۳۶۷۱۔ (۲) ترمذی، باب متی یؤمر الصبی بالصلاۃ، حدیث نمبر: ۴۰۵۔

(۳) مجمع الزوائد، حدیث نمبر: ۲۹۵۔

حسن بن علیؓ سے دریافت کیا کہ آپ نے نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے کیا یاد کیا، تو فرمایا: پانچوں نمازیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روحاء نامی مقام پہ ایک قافلہ والے ملے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: کون لوگ ہیں؟ کہا گیا کہ مسلمان ہیں، تو ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا رسول ہوں، ایک خاتون نے بچہ پیش کرتے ہوئے پوچھا: کہ کیا اس بچہ کا حج ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں، اور تمہیں اجر ملے گا، (۱) امام نوویؒ نے اس کی شرح کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ بچہ کے حج کے تعلق سے یہ استفسار اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جواب تربیت وتمرین کے طور پر ہے؛ تاکہ بچہ کو ابھی سے عادت پڑے اور بالغ ہونے کے بعد حج کا فریضہ ادا کرے۔

بچوں کی دینی تعلیم

یوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر نفع بخش علم کی دُعا مانگی ہے، اور اُمت کو اس کی تلقین بھی فرمائی ہے، تاہم آپ نے دینی علوم خصوصاً ایمانیات اور قرآن کریم کی تعلیم دینے کی طرف خصوصی توجہ فرمائی؛ چنانچہ حضرت جندب بن عبداللہؓ فرماتے ہیں :

> كنا مع النبي صلى الله عليه وسلم ونحن فتيان حذاورة فتعلمنا الايمان قبل ان نتعلم القرآن ثم تعلمنا القرآن فازددناه إيمانا ۔ (۲)
>
> ہم چند مضبوط نوعمر رفقاء نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے، ہم نے (نبی علیہ السلام سے) قرآن سیکھنے سے پہلے ایمان کو سیکھا، پھر قرآن سیکھا، تو اس سے ایمان میں اور اضافہ ہو گیا۔
>
> عن ابن عباس رضی الله عنهما قال : ضمني رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال : اللّٰهم علمه الكتاب ۔ (۳)

(۱) مسلم، باب صحۃ حج الصبی وأجر من حج بہ۔ (۲) ابن ماجہ، حدیث نمبر:۶۱۔
(۳) بخاری، کتاب العلم، حدیث نمبر:۷۵۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جسد اطہر سے چمٹاتے ہوئے فرمایا: اے اللہ! اسے قرآن سکھادے۔

قال ابن عباس رضی الله عنهما : توفی رسول الله صلی الله علیه وسلم وأنا ابن عشر سنین وقد قرأت المحکم ۔ (۱)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے وقت میں دس سال کا تھا اور اس وقت میں محکم (لمبی سورتیں) پڑھ چکا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُمت کو ہدایت دی کہ وہ اپنے بچوں کی دینی تعلیم کے تعلق سے ہرگز ہرگز بےفکر نہ ہوں، اس لئے کہ ایک مومن کے لئے دینی علوم سے بڑھ کر اور کوئی علم نہیں ہوسکتا۔

بچوں کی اخلاقی تربیت

بچوں کی تربیت کا ایک پہلو وہ ہے جس کا تعلق اخلاق سے ہے، یعنی سرپرستوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچوں کو اخلاقی اقدار سے آراستہ کریں، بُرے اخلاق سے بچنے اور اچھے اخلاق کو زندگی میں لانے کی تربیت دیں، اخلاق رذیلہ میں ایک جھوٹ بھی ہے، اگر کوئی بچہ کو آواز دے اور کہے کہ آؤ آؤ تم کو ایک چیز دوں گا، جب بچہ آجائے اور اسے کچھ نہ دیا جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بھی جھوٹ قرار دیا، حدیث کے الفاظ ہیں :

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : من قال لصبی تعال هاک ، ثم لم یعطه فهی کذبة ۔ (۲)

کچھ دینے کا وعدہ کر کے نہ دینا جھوٹ تو ہے ہی، اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی اشارہ ہے کہ بچوں کے ساتھ ایسا کر کے اسے جھوٹ سے مانوس کرنا لازم آئے گا اور اس کے اخلاق بگڑیں گے — اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ بچہ سے ایسا وعدہ نہ کیا جائے جسے پورا نہ کرنا ہو: ''الا لا یعد الرجل صبیه ثم لا یفی له''۔(۳)

(۱) بخاری، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۵۰۳۵۔ (۲) مسند احمد، عن ابی ہریرۃ، حدیث نمبر: ۹۸۳۶۔
(۳) ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۴۶۔

ایک مرتبہ حضرت حسن بن علیؓ نے صدقہ کی کھجور اُٹھا کر منہ میں رکھ لیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کخ کخ'' تاکہ وہ منہ سے نکال دیں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا :

أما شعرت أنا لا نا كل الصدقة ۔ (۱)

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہم لوگ صدقہ نہیں کھاتے ہیں!

اس طرح کے اور بھی اقوال و واقعات ہیں، جن میں رسول اللہ ﷺ نے اخلاقی تربیت کے اعتبار سے خصوصی توجہ فرمائی ہے، اس لئے والدین اور سرپرستوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچوں کی اخلاقی تربیت سے غافل نہ ہوں۔

کھانا کھانے کی تربیت

رسول اللہ ﷺ نے اخلاقی تربیت دیتے ہوئے چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی نظر انداز نہیں فرمایا، یہاں تک کہ کھانا کھانے میں بھی اسے ملحوظ رکھا؛ چنانچہ حضرت عمرو بن ابی سلمہؓ فرماتے ہیں :

كنت غلاماً فى حجر رسول الله صلى الله عليه وسلم وكانت يدى تطيش فى الصحفة ، فقال لى رسول الله صلى الله عليه وسلم : يا غلام سم الله وكل بيمينك وكل مما يليك ، فما زالت تلك طعمتى بعد ۔ (۲)

میں رسول اللہ ﷺ کی آغوش پرورش میں تھا (ایک مرتبہ حضور ﷺ کے ساتھ کھاتے ہوئے) میں ہاتھ کو پلیٹ کے مختلف حصوں کی طرف لے جا رہا تھا تو آپ ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا: اے لڑکے! اللہ کا نام لے، دائیں ہاتھ سے کھانا کھا اور سامنے کے حصہ سے کھا (چنانچہ حضرت عمرو فرماتے ہیں) اس کے بعد میرے کھانے کا طریقہ ہمیشہ اسی طرح رہا۔

---

(۱) بخاری، حدیث نمبر:۱۴۹۱۔

(۲) بخاری، کتاب الاطعمۃ، حدیث نمبر:۵۳۷۷۔

بچوں کی جان کا تحفظ

اسلام کی نگاہ میں ہر انسان بہ حیثیت انسان مکرم ہے، ناحق کسی انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے، اس لئے اسلام نے انسانی جان کے تحفظ کے تعلق سے خصوصی ہدایات دی اور قتل انسانی کے ناحق مختلف راستوں کی نشاندہی کرتے ہوئے انھیں حرام اور گناہ کبیرہ قرار دیا، اسی لئے چھوٹی لڑکیوں کو زندہ دفن کردیئے جانے کی سخت مذمت کی اور اس ظالمانہ رسم کو ختم کیا، قتل جنین (زیر حمل بچہ) کے قتل کو ایک مکمل انسان کے قتل کے مترادف قرار دیا، اسی قبیل سے اسلام کا وہ حکم بھی ہے جو آداب جنگ سے متعلق ہے کہ بے قصور لوگوں کو نہ مارا جائے، ان کا خون نہ بہایا جائے؛ لہٰذا بچوں کو بھی نہ مارا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ کے سلسلہ میں ہدایت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

... لا تغلوا ولا تغدروا ولاتمثلوا ولاتقتلوا وليدا ،
فهذا عهد الله وسيرة نبيه صلى الله عليه وسلم ـ (۱)

......حد سے تجاوز نہ کرو، دھوکہ نہ دو، لاشوں کا مثلہ نہ کرو، کسی بچہ کو قتل نہ کرو، کہ یہ اللہ کا قانون اور ان کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ بچوں کی تعلیم و تربیت، دلجوئی، ظلم و زیادتی سے حفاظت کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت میں ہمیں کامل رہنمائی ملتی ہے۔

● ● ●

(۱) مستدرک حاکم، حدیث نمبر: ۸۶۲۳۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، خاندان کے بچوں کے درمیان

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جن نعمتوں سے نوازا ہے، ان میں ایک بڑی نعمت اولاد ہے، انسان کے پاس راحت وآرام کی ساری چیزیں موجود ہیں؛ لیکن وہ اولاد سے محروم ہے تو اسے اپنی دنیا نامکمل اور ناتمام محسوس ہوتی ہے، دنیا کے بعض مذاہب میں انسان کا صاحب اولاد ہونا اور بیوی بچوں کی شرکت کے ساتھ زندگی گزارنا ناپسندیدہ ہے اور اس کو روحانی ترقی میں رکاوٹ سمجھا جاتا ہے؛ لیکن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف اپنے ارشاد؛ بلکہ اپنے عمل سے بھی اس تصور کی تردید فرمائی، ایک شفیق باپ کو اپنی اولاد کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہئے؟ آپ نے اس کی عملی مثال پیش فرمائی۔

اولاد کی پیدائش پر خوشی

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اولاد کے سلسلہ میں یہ اُسوہ پیش کیا کہ انسان کو ماں باپ بننے پر خوش ہونا چاہئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ پیدا ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کے آزاد کردہ غلام ابورافعؓ نے ولادت کی خوشخبری سنائی، آپ اس قدر خوش ہوئے کہ انھیں اس خوشخبری پر ایک غلام عطا فرمایا: ''وبشرہ به أبو رافع مولاہ فوھب له عبداً ''(۱) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدائش کے بعد دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کے کلمات کہہ کر کسی میٹھی چیز جیسے کھجور سے تحنیک فرماتے، اچھا خوبصورت سا نام رکھتے، اس کا بال مونڈاتے اور بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ فرماتے۔(۲)

---

(۱) زادالمعاد: ۱/ ۱۰۴۔

(۲) زادالمعاد: ۲/ ۲-۴۔

اولاد پر شفقت

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ بچوں اور ان کی اولاد کے ساتھ بے حد شفقت کا معاملہ فرماتے ، حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہؓ مرض وفات میں حاضر خدمت ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خوش آمدید میری بیٹی کو، پھران کو دائیں یا بائیں بیٹھایا، اوران سے رازداری کے ساتھ باتیں کی: ''مرحباً یا بنتی ، ثم أجلسها عن یمینه أو عن شماله ثم أسر إلیها حدیثاً'' (۱) اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عام معمول مبارک تھا؛ چنانچہ روایت ہے کہ جب حضرت فاطمہؓ حاضر ہوتیں تو آپ ان کے لئے کھڑے ہوتے ، ان کا ہاتھ تھامتے ، بوسہ دیتے ، انھیں اپنے دائیں طرف بیٹھاتے اور کبھی ان کے لئے اپنا کپڑا بچھادیتے ، (۲) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ عمل جہاں اولاد کی محبت کو ظاہر کرتا ہے، وہیں اس بات کو بھی بتاتا ہے کہ جیسے بیٹے قابل محبت ہیں، اسی طرح بیٹیاں بھی محبت کئے جانے کے لائق ہیں ؛ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیٹیوں کی پرورش اوران کے ساتھ حسن سلوک کو بیٹوں کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت دی اور فرمایا: جوشخص بیٹیوں کی بہتر طور پر پرورش کرے، وہ جنت میں مجھ سے اتنا قریب ہوگا، جیسے یہ دونوں انگلیاں ہیں ، (۳) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحب زادے حضرت ابراہیمؓ کو جو خاتون دُودھ پلاتی تھیں، وہ مدینہ میں تین میل کے فاصلہ پر عوالی کے علاقہ میں تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں تشریف لے جاتے ، ان کا بوسہ لیتے اوران کو سونگھتے ، پھر وہاں سے واپس ہوتے : ''والعوالی علی بعد ثلاثة أمیال من المدینة لیزور ابنه إبراهیم فیقبله ویشمه ثم یعود''۔(۴)

---

(۱) مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، باب من فضائل فاطمہؓ، حدیث نمبر: ۲۴۵۰۔

(۲) کنز العمال، حدیث نمبر: ۳۴۴۰۹۔

(۳) ترمذی، کتاب البر والصلة، باب ماجاء فی النفقة علی البنات، حدیث نمبر: ۱۹۱۴۔

(۴) مسلم، کتاب الفضائل، باب رحمة علی الصبیان، حدیث نمبر: ۲۳۱۶۔

اولاد کی اولاد سے محبت

جیسے آپ ﷺ اپنی اولاد سے محبت فرماتے تھے، اولاد کی اولاد سے بھی ایسی ہی محبت اور شفقت کا معاملہ فرماتے تھے، ایک بار حضرت حسن بن علیؓ کا آپ ﷺ بوسہ لے رہے تھے، حضرت اقرع بن حابسؓ نے دیکھا تو غالباً ان کو خیال ہوا کہ اس طرح بچوں سے پیار کرنا مقامِ نبوت کے شایانِ شان نہیں؛ اس لئے انھوں نے اس پر حیرت کا اظہار کیا، آپ ﷺ نے ان کی اصلاح کرتے ہوئے فرمایا: یہ تو رحم دلی کا تقاضا ہے اور جو رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جاتا: ''من لا یَرحم لا یُرحم''(۱) ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ حضرت حسنؓ یا حسینؓ سے کھیلتے، ان کے دونوں ہاتھوں کو تھام کر انھیں اپنے سینے پر چڑھا لیتے، پھر ان کا بوسہ لیتے، (۲) ایسا بھی ہوا کہ آپ نے حضرت حسنؓ اور حسینؓ کو پشت مبارک پر سوار کرلیا اور فرمایا: تمہاری سواری کیا بہتر سواری ہے اور تم دونوں کیا ہی بہتر سوار ہو؟ (۳) ایک بار آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے، اسی درمیان حسنؓ و حسینؓ لوگوں کو پھاندتے ہوئے آپ کے قریب آگئے، آپ ﷺ نے خطبہ روک کر انھیں گود میں لے لیا، پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سچ کہا کہ مال واولاد آزمائش ہیں، (۴) میں نے ان دونوں کو دیکھا تو صبر نہیں کر پایا، پھر آپ خطبہ دینے لگے، (۵) حضرت یعلی بن مرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ اپنے رفقاء کے ساتھ کھانے پر مدعو تھے، اتفاق سے حضرت حسینؓ گلی میں کھیل رہے تھے، آپ ﷺ نے آگے بڑھ کر ہاتھ پھیلا دیا، حضرت حسینؓ اِدھر اُدھر بھاگنے لگے، آپ انھیں ہنساتے رہے، یہاں تک کہ انھیں پکڑ لیا اور ان کا ایک ہاتھ اپنی ٹھوڑی کے نیچے رکھا، ایک سر کے پیچھے، پھر انھیں بوسہ دیا اور فرمایا: حسینؓ مجھ سے ہے اور میں حسینؓ سے ہوں، جو حسینؓ سے محبت رکھے گا، اللہ ان سے محبت رکھے گا۔(۶)

---

(۱) بخاری، حدیث نمبر: ۵۶۵۱۔ (۲) طبرانی فی الکبیر، حدیث نمبر: ۲۶۵۳۔
(۳) طبرانی فی الکبیر، حدیث نمبر: ۲۶۶۱۔ (۴) تغابن: ۱۵۔
(۵) ابوداؤد، عن عبداللہ بن بریدہؓ، حدیث نمبر: ۱۱۰۹۔
(۶) ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۱۱۸۔

ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہر یا عصر کی نماز کے لئے تشریف لائے ، اس وقت آپ نے حضرت حسنؓ یا حضرت حسینؓ کو اُٹھا رکھا تھا ، آپ نے ان کو اپنے قدم مبارک کے پاس رکھا اور نماز میں مصروف ہوگئے ، جب سجدہ فرمایا تو بہت طویل سجدہ فرمایا ، ایک صحابی کا بیان ہے کہ میں نے اپنا سر اُٹھایا تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدے میں ہیں اور حضرت حسینؓ آپ کی پشت پر بیٹھے ہوئے ہیں ، میں پھر سجدہ میں چلا گیا ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز مکمل کی تو لوگوں نے پوچھا : آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آج معمول کے خلاف سجدہ فرمایا ہے ، کیا آپ کو اس کا حکم دیا گیا تھا یا آپ پر وحی نازل ہو رہی تھی ؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : ایسا نہیں تھا ؛ لیکن مجھ پر میرا بیٹا سوار ہو گیا تھا ، مجھے یہ بات اچھی نہیں لگی کہ میں عجلت سے کام لوں ؛ اس لئے میں نے تاخیر کی ؛ تاکہ وہ اپنا شوق پورا کر لے ۔(۱)

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بار دن میں نکلے ، نہ آپ مجھ سے کچھ بات کر رہے تھے اور نہ میں آپ سے کچھ عرض کر رہا تھا ؛ چنانچہ بنی قینقاع کی مارکیٹ میں آئے ، حضرت فاطمہؓ کے مکان کی دیوار کے پاس بیٹھ گئے اور حضرت حسنؓ کے بارے میں دریافت کیا : کیا وہ یہاں موجود ہے ؟ تھوڑی دیر ہوئی ، غالباً حضرت فاطمہؓ ان کو کپڑے پہنا رہی تھیں یا نہلا رہی تھیں ، پھر وہ بھاگتے ہوئے آئے ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو گلے لگایا ، بوسہ دیا اور فرمایا : اے اللہ ! اس سے محبت فرما اور جو لوگ اس سے محبت کریں ، ان کو بھی اپنا محبوب رکھ ۔(۲)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو سلوک اپنے نواسوں کے ساتھ تھا ، وہی سلوک اپنے خادم خاص حضرت زیدؓ کے صاحبزادے حضرت اسامہؓ کے ساتھ بھی ہوا کرتا تھا ؛ چنانچہ ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ایک ران پر حضرت اسامہؓ کو بٹھایا ، ایک ران پر حضرت حسنؓ کو ، اور ان دونوں کو اپنے ساتھ چمٹا کر فرمانے لگے : اے اللہ ! آپ ان دونوں کے ساتھ مہربانی کیجئے ؛ کیوں کہ میں بھی ان دونوں پر مہربان ہوں ۔(۳)

---

(۱) نسائی ، کتاب صفۃ الصلاۃ ، باب ہل یجوز ان تکون سجدۃ أطول من سجدۃ ؟ حدیث نمبر : ۱۱۴۱ ۔

(۲) بخاری ، عن ابی ہریرہؓ ، حدیث نمبر : ۲۱۲۲ ۔ (۳) بخاری ، حدیث نمبر : ۶۰۰۳ ۔

آپ کا یہ عمل صرف حضرات حسنینؓ ہی کے ساتھ نہیں تھا؛ بلکہ خاندان کے دوسرے بچوں اور عام بچوں کے ساتھ بھی تھا، ایسا بھی ہوتا کہ آپ اس حال میں نماز پڑھتے کہ حضرت امامہ بنت زینبؓ کو اُٹھائے ہوتے، جب سجدے میں جاتے تو ان کو رکھ دیتے اور جب سجدے سے اُٹھتے تو ان کو اُٹھا لیتے، (۱) حضرت عباسؓ کے صاحبزادوں حضرت عبد اللہؓ، حضرت عبید اللہؓ وغیرہ کو بلاتے اور فرماتے: جو پہلے میرے پاس پہنچے گا، اس کو یہ اور یہ انعام ملے گا، سب دوڑ لگا کر آپ کے پاس آتے، کوئی سینہ پر چڑھ جاتا، کوئی پشت پر، آپ اِن کو سب کو چمٹاتے اور ان سب کا بوسہ لیتے، (۲) یہی معاملہ آپ کا اپنے رفقاء کے بچوں کے ساتھ بھی ہوتا، حضرت اُم خالدؓ ہمیشہ اپنے ایک واقعہ کا ذکر کرتی تھیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، میں نے زرد رنگ کی قمیص پہن رکھی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''سَنَهْ سَنَهْ'' یعنی: اچھا ہے، اچھا ہے، میں آپ کی مہر نبوت (جو دونوں مونڈھوں کے درمیان تھیں) سے کھیلنے لگی، میرے والد نے مجھے منع کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: چھوڑ دو، پھر آپ نے مجھے تین دفعہ دُعاء دی: ''پرانا اور بوسیدہ کرو'' یعنی یہ کپڑا بہت دنوں تک تمہارے کام آئے، (۳) ایسا بھی ہوتا کہ آپ بعض دفعہ بچوں کو لیتے اور وہ آپ ہی کے کپڑوں پر پیشاب کر دیتے؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا بُرا نہیں مانتے۔ (۴)

بچوں کے ساتھ خوش طبعی

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں کے ساتھ خوش طبعی بھی فرماتے، ایک کم سن صحابی حضرت ابوعمیرؓ کے پاس ایک پرندہ تھا، جس سے وہ کھیلتے تھے، جب آپ ان کے پاس تشریف لاتے تو فرماتے:

(۱) بخاری، عن قتادہ، کتاب ابواب سترۃ المصلی، باب إذا حمل جاریۃ صغیرۃ علی عنقہ فی الصلاۃ، حدیث نمبر: ۴۹۴۔
(۲) مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۸۳۶۔
(۳) بخاری، حدیث نمبر: ۳۰۷۱۔
(۴) مسند احمد، عن ام کرز خزاعی، حدیث نمبر: ۲۶۸۳۵۔

''يا أبا عمير ما فعل النغير؟''(۱) یعنی اے ابوعمیر! تمہارے ساتھ گوریئے نے کیا کیا؟ —— حضرت محمود ابن ربیعؓ فرماتے ہیں کہ مجھے یاد ہے کہ جب میری عمر پانچ سال کی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ڈول سے منھ میں پانی لیا اور اس کی پچکاری میرے منھ پر ماری،(۲) اس میں تبرک کا بھی پہلو ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جھوٹے سے بڑھ کر کسی مسلمان کے لئے برکت وسعادت کی چیز اور کیا ہوسکتی ہے اور خوش طبعی کا پہلو بھی ہے۔

اچھے ناموں کا انتخاب

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات کا خاص خیال رکھتے کہ بچوں کے نام اچھے اور بامعنی رکھے جائیں، حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت حسنؓ پیدا ہوئے تو میں نے ان کا نام ''حرب'' رکھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں ان کا نام ''حسن'' ہوگا، پھر جب حضرت حسینؓ پیدا ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نام پوچھا، میں نے پھر وہی کہا ''حرب'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں، اس کا نام ''حسین'' ہوگا، پھر جب تیسرے صاحبزادے پیدا ہوئے تو میں نے اس کا نام ''حرب'' رکھنا چاہا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں، اس کا نام ''محسن'' ہے،(۳) جب حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے آپ کے صاحبزادے پیدا ہوئے تو آپ نے ان کا نام ابراہیم رکھا اور فرمایا: میں نے اس کا نام اپنے باپ حضرت ابراہیم کے نام پر رکھا ہے: ''سميته باسم أبي ابراهيم''(۴) حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو بیٹا پیدا ہوا، وہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لائے، آپ نے ان کا نام بھی ابراہیم رکھا، کھجور سے تحنیک کی اور ان کے حق میں برکت کی دُعا فرمائی،(۵) ایک لڑکی خدمت اقدس میں لائی گئی، آپ نے لڑکی کا نام پوچھا، بتایا گیا: ''عاصیہ'' جس کے معنی نافرمان کے ہوتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کا نام ''جمیلہ'' ہے۔(۶)

(۱) ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی الصلاۃ علی البسط، حدیث نمبر: ۳۳۳۔
(۲) مسلم، کتاب الوضوء، باب استعمال فضل وضوء الناس، حدیث نمبر: ۱۸۶۔
(۳) السنن الکبریٰ للبیہقی، باب الصدقۃ فی ولد البنین والبنات، حدیث نمبر ۱۱۷۰۶۔
(۴) کنز العمال: ۱۲/ ۷۰۵، حدیث نمبر: ۳۵۵۵۰۔
(۵) بخاری، کتاب العقیق، حدیث نمبر: ۵۱۵۰۔
(۶) ترمذی، کتاب الأدب، باب فی تغییر الأسماء، حدیث نمبر: ۲۸۳۸۔

ضروریات اور جذبات کا لحاظ

آپ بال بچوں کی ضروریات کا بھی خیال رکھتے تھے، ایک بار آپ ﷺ فاقہ سے تھے، ایک صحابی نے آپ کو مدعو کیا، آپ نے وہاں سے کچھ کھانا حضرت فاطمہؓ کو بھی بھجوایا، (۱) حضرت ابراہیمؓ کی والدہ حضرت ماریہ قبطیہؓ کو دُودھ کم آتا تھا تو آپ نے ان کے لئے دُودھ پلانے والی خاتون کا انتظام کیا، (۲) آپ ﷺ اس بات کو پسند فرماتے تھے کہ آدمی سفر سے آئے، تو گھر میں کچھ تحفہ لے کر آئے، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر کوئی اور چیز میسر نہ ہو تو کوئی خوبصورت پتھر ہی لے آؤ، جو بچوں کے کھیلنے میں کام آجائے۔ (۳)

اس سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ یہ ہے کہ ایک بار آپ کو ایک خوبصورت ہار تحفے میں پیش کیا گیا، جس پر سونے کا پانی چڑھایا گیا تھا، اس وقت بارگاہ اقدس میں تمام ازواج مطہراتؓ اکٹھا تھیں اور گھر کے ایک کونے میں آپ کی نواسی حضرت امامہ بنت ابی العاصؓ کھیل رہی تھیں، آپ ﷺ نے ازواج مطہراتؓ سے دریافت فرمایا: تم لوگوں کو یہ ہار کیسا لگتا ہے؟ سبھوں نے کہا: بہت خوب، اس سے اچھا اور اس سے خوبصورت ہار تو ہم نے دیکھا ہی نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے واپس کرو، پھر آپ نے ہار اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا: یہ میں اس کو دوں گا، جو مجھے اپنے گھر میں سب سے زیادہ محبوب ہے، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں: میرے اوپر اس ڈر سے اندھیرا چھا گیا کہ کہیں آپ ﷺ میرے بجائے کسی اور زوجہ کو نہ دے دیں، جو حال میرا تھا، یہی حال آپ کی دوسری بیویوں کا بھی تھا، ہم سب پر خاموشی چھا گئی، آپ ﷺ امامہؓ کی طرف بڑھے اور ہار ان کے گلے میں ڈال دیا، اب جا کر مجھ سے یہ کیفیت ختم ہوئی۔ (۴)

خوشی اور رنجش کا خیال

آپ اپنی اولاد کی خوشی اور رنجش کا بھی خیال رکھتے تھے، حضرت علیؓ نے ابوجہل کی بیٹی

---

(۱) اسد الغابہ: ۱/۵۵۱۔ (۲) مسلم، کتاب الفضائل، حدیث نمبر: ۲۳۱۶۔
(۳) کنز العمال، حدیث نمبر: ۲۷۹۵۹۔ (۴) مجمع الزوائد: ۹/۲۵۴۔

سے نکاح کرنا چاہا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''فاطمہ میرا ٹکڑا ہے اور میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اس کو تکلیف پہنچے، خدا کی قسم! اللہ کے رسول کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک شخص کے نکاح میں جمع نہیں ہوسکتی'' اسی طرح ہشام بن مغیرہ کے لوگوں نے حضرت علیؓ سے اپنی لڑکی کے نکاح کی اجازت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو دفعہ فرمایا: نہیں، پھر فرمایا: اگر علی ایسا چاہتے ہی ہوں تو میری بیٹی کو طلاق دے دیں اور ان کے یہاں نکاح کرلیں؛ کیوں کہ فاطمہ میرا ٹکڑا ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہیں کرتا۔(۱)

آپ کے منع کرنے میں دو مصلحتیں تھیں، ایک یہ کہ ابوجہل اور مغیرہ کا خاندان فتح مکہ تک اسلام کا بدترین دشمن رہا، ایسے دشمنانِ رسول کی بیٹی کا اس گھر میں آنا، جس میں جگر گوشۂ رسالت حضرت فاطمہؓ ہوں، مصلحت کے خلاف تھا، دوسرے: انسان کے جو طبعی جذبات ہوتے ہیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اندر بھی رکھے گئے تھے اور یہ فطری بات ہے کہ سوکن کا وجود عورت کے لئے تکلیف دہ ہوتا ہے اور بیٹی کی تکلیف باپ کو متاثر کر دیتی ہے؛ اس لئے اس عمل کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت علیؓ سے تکلیف پہنچتی اور کسی مسلمان سے اللہ کے پیغمبر کو تکلیف پہنچ جائے، یہ اس کے لئے دنیا وآخرت میں سخت نقصان کا باعث تھا؛ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر چاہیں تو نکاح کرلیں؛ کیوں کہ میں کسی حلال کو حرام نہیں کرسکتا؛ لیکن ایسی صورت میں وہ میری بیٹی کو طلاق دے دیں، اس ارشاد میں حضرت فاطمہؓ کی محبت کے ساتھ ساتھ حضرت علیؓ کو دنیا وآخرت کے خسارے سے بچانا بھی مقصود تھا۔

بچوں کی رعایت

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بچوں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی رعایت کا حال یہ تھا کہ بعض اوقات مسجد نبوی میں خواتین کے ساتھ ان کے چھوٹے بچے بھی آجاتے تھے اور بچے اپنی عادت کے مطابق رونے لگتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی وجہ سے اپنی نماز مختصر کر دیتے تھے:

(۱) بخاری، حدیث نمبر: ۳۷۲۹۔

چنانچہ ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بعض دفعہ میں طویل قراءت کرنا چاہتا ہوں؛ لیکن جب بچوں کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو مختصر کر دیتا ہوں کہ اس سے ان کی ماؤں کو تکلیف نہ ہو:

قال صلى الله عليه وسلم : إني لأدخل في الصلاة وأنا أريد إطالتها فأسمع بكاء الصبي فأتجوز في صلا تي مما أعلم من شدة وجد أمه من بكائه ۔ (۱)

اولاد کی وفات پر رنج

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ کا انتقال ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو مخاطب بناتے ہوئے فرمایا:

اے ابراہیم! اگر موت برحق بات نہیں ہوتی، اللہ کا وعدہ سچا نہیں ہوتا، اور ایک دن سب کو جمع کرنے والا نہیں ہوتا، عمر محدود نہیں ہوتی اور وقت مقررہ طے نہیں ہوتا، تو تمہاری جدائی پر مجھے اس سے بھی زیادہ غم ہوتا، اے ابراہیم! ہم غم زدہ ہیں، آنکھیں آنسو بہاتی ہیں، دل غمگین ہے؛ لیکن ہم کوئی ایسی بات نہیں کہہ سکتے، جو پروردگار کو ناراض کر دے۔

پھر حضرت ابراہیمؓ کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے کہا: جب تک میں اسے دیکھ نہ لوں، کفن میں نہ لپیٹنا، آپ تشریف لائے، ان پر جھک گئے اور رونے لگے، (۲) آپ اپنے ایک نواسے کے انتقال کے وقت تشریف لائے، بچہ آخری سانس لے رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے ہاتھوں میں لیا اور آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے، حضرت سعد

(۱) بخاری، باب من أخف الصلاۃ الخ، حدیث نمبر: ۶۷۷۔
(۲) مسلم، کتاب الفضائل، باب رحمۃ الصبیان الخ، حدیث نمبر: ۲۳۱۵۔

بن عبادہؓ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ وہ جذبۂ رحم ہے، جو اللہ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھا ہے، اللہ کے بندوں میں جو رحم دل ہوتا ہے، اسی پر اللہ رحم فرماتے ہیں۔(۱)

صحت کی دیکھ ریکھ

اسی طرح بال بچوں کی صحت اور اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی دیکھ ریکھ کا بھی خیال کرتے تھے، غزوۂ بدر کا موقع ایسا موقع تھا، جب ایک ایک فرد کی اہمیت تھی؛ لیکن اس وقت حضرت رقیہؓ بہت علیل تھیں، وہ حضرت عثمان غنیؓ کے نکاح میں تھیں، آپ نے حضرت رقیہؓ کی تیمارداری کے لئے حضرت عثمانؓ کو مدینہ میں چھوڑ دیا، (۲) گھر کے چھوٹے بچوں کو آپ دم بھی کیا کرتے تھے؛ چنانچہ حضرت حسنؓ وحسینؓ کو دم کرتے ہوئے یہ دُعا پڑھتے تھے :

أعيذ كما بكلمات الله التامة من كل شيطان وهامة
ومن كل عين لامة ۔ (۳)

میں تم دونوں کو اللہ کے مکمل کلمات کے واسطہ سے ہر شیطان، موذی
جانور اور تکلیف پہنچانے والی نظر سے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔

دینی و اخلاقی تربیت

جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں کے ساتھ شفقت ومحبت اور بے تکلفی کا معاملہ فرماتے، وہیں ان کی دینی اور اخلاقی تربیت پر بھی پوری توجہ فرماتے تھے؛ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنے بچوں کو عزت دیا کرو اور ان کو بہتر ادب سکھاؤ: ''أكرموا أولادكم واحسنوا أدبهم'' (۴) حضرت حسنؓ نے ایک بار زکوۃ کی کھجور میں سے ایک کھجور کھانی چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو منع

(۱) بخاری، عن اسامہ بن زید، حدیث نمبر: ۱۲۳۸۔
(۲) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: ۲/۹۵، السیرۃ النبویۃ: ۲/۵۰۹۔
(۳) بخاری، حدیث نمبر: ۳۱۹۱۔
(۴) ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۳۶۷۱۔

فرما دیا،(۱) بعض روایات میں ہے کہ حضرت حسنؓ و حسینؓ نے کھجوریں اپنے منھ میں رکھ لی تھیں، آپ نے ان کے منھ سے اُگلوا دیں اور فرمایا: تمہیں معلوم نہیں کہ آلِ محمد زکوٰۃ نہیں کھا سکتے،(۲) حضرت عباسؓ کے صاحبزادے حضرت فضلؓ زمانۂ جاہلیت کے رواج کے مطابق نظر بد سے حفاظت کے لئے دھاگہ لٹکائے ہوئے تھے اور اس وقت بہت کم عمر تھے، آپ نے اس دھاگے کو توڑ دیا۔(۳)

قربانی کے موقع سے حضرت فاطمہؓ سوئی ہوئی تھیں، آپ ان کے پاس تشریف لے گئے، ان کو بیدار کیا اور فرمایا: اُٹھ جاؤ اور اپنی قربانی کے وقت موجود رہو،(۴) ایک موقع پر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ڈھیر سارا مالِ غنیمت آیا ہوا تھا، حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ سے کہا: مشکیزے کھینچنے کی وجہ سے میں اپنے سینے میں تکلیف محسوس کرتا ہوں، حضرت فاطمہؓ نے کہا: چکی پیستے پیستے مجھے بھی تکلیف ہو رہی ہے، حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ سے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک خادم مانگ لو، بعض روایتوں کے مطابق دونوں خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم لوگ مجھ سے خادم مانگنے کے لئے آئے ہو؟ میں تم کو اس سے بہتر چیز بتاتا ہوں، اور وہ یہ ہے کہ ہر نماز کے بعد ۳۳/دفعہ سبحان اللہ ۳۳/دفعہ الحمد للہ اور ۳۴/دفعہ اللہ اکبر پڑھا کرو، اور جب رات میں بستر پر جاؤ، اس وقت بھی پڑھ لو، اس طرح کل سو تسبیحات ہو جائیں گی،(۵) بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں تم کو دے دوں اور صُفہ والوں کو چھوڑ دوں: ''لا أعطيكما وأدع أهل الصفة''۔(۶)

---

(۱) مسلم، حدیث نمبر: ۱۰۷۹۔

(۲) بخاری، حدیث نمبر: ۱۴۲۵۔

(۳) مصنف عبدالرزاق، حدیث نمبر: ۲۰۳۴۲۔

(۴) سنن بیہقی، حدیث نمبر: ۱۸۹۴۴۔

(۵) صحیح ابن حبان، حدیث نمبر: ۵۵۲۴۔

(۶) مسند احمد: ۱/۱۰۶، حدیث نمبر: ۸۳۸۔

حضرت عمر بن ابی سلمہؓ اپنی والدہ اُم المومنین حضرت اُم سلمہؓ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی پرورش میں تھے، ایک بار آپ ﷺ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے اور بچوں کی عادت کے مطابق کبھی اِدھر سے کبھی اُدھر سے لقمہ اُٹھاتے تھے، آپ ﷺ نے نرمی کے ساتھ ان کو کھانا کھانے کا طریقہ بتایا: اے بچے! بسم اللہ کہو، داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے قریب سے کھایا کرو: ''کل مما یلیک'' (۱) — حضرت صفوان بن اُمیہؓ ایک بار سیدھے گھر میں داخل ہو گئے، نہ اجازت لی اور نہ سلام کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: باہر جاؤ، سلام کرو، پھر اجازت لے کر داخل ہو۔ (۲)

حالاں کہ بچوں سے اندیشہ ہوتا ہے کہ وہ مسجد کے احترام کا لحاظ نہ کر پائیں، اس کے باوجود آپ ﷺ بچوں کے مسجد آنے کی حوصلہ افزائی فرماتے اور مردوں اور عورتوں کے درمیان بچوں کی صف رکھتے، (۳) سرپرستوں کو بھی ایسے کسی عمل سے منع فرماتے، جو تربیتی نقطۂ نظر سے مناسب نہ ہو؛ چنانچہ ایک کم سن صحابی حضرت عبد اللہ بن عامرؓ نقل کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر میں تشریف فرماتے تھے کہ میری والدہ نے مجھے کہا: آؤ، میں تمہیں دوں گی، آپ ﷺ نے ان سے دریافت کیا: تم اس کو کیا دینا چاہتی ہو؟ انھوں نے عرض کیا: میں اسے ایک کھجور دوں گی، آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم اس کو کچھ نہیں دیتیں تو یہ تمہارے حق میں جھوٹ لکھا جاتا۔ (۴)

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ بہت کم سن تھے، آپ ﷺ ان کو سواری پر اپنے پیچھے بٹھائے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے ان سے بڑی نصیحت آمیز باتیں فرمائیں، آپ ﷺ نے فرمایا :

---

(۱) بخاری، کتاب الأطعمہ، باب التسمیۃ علی الطعام، حدیث نمبر: ۵۳۷۶۔

(۲) ترمذی عن عبد اللہ بن صفوان، ابواب الاستئذان والادب، حدیث نمبر: ۲۷۱۰۔

(۳) السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۴۹۴۷۔

(۴) سنن ابی داؤد، حدیث نمبر: ۴۹۹۳۔

يا غلام ! إني أعلمك كلمات : احفظ الله يحفظك ، احفظ الله تجده تجاهك و إذا سألت تسأل الله الخ ۔ (۱)

اے لڑکے ! میں تم کو چند نصیحتیں کرتا ہوں ، تم اللہ کے احکام کی حفاظت کرو ، اللہ تمہاری حفاظت کریں گے ، اللہ کو یاد رکھو ، تم اللہ کو اپنے سامنے پاؤ گے ، اور جب بھی مانگنا ہو ، اللہ ہی سے مانگو ، اور جان لو کہ اگر تمام لوگ مل کر بھی تم کو نفع پہنچانا چاہیں تو جو نفع تمہارے لئے اللہ تعالیٰ نے مقدر کر دیا ہے ، وہی تم کو ملے گا ، اور اگر سب مل کر تم کو نقصان پہنچانا چاہیں تو اتنا ہی نقصان پہنچے گا ، جو اللہ نے تمہارے لئے طے کر دیا ہے ۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایک شب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ گزاری ، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیام ان کی خالہ اُم المومنین حضرت میمونہؓ کے گھر میں تھا ، آپ نے تہجد کی نماز میں ان کو اپنے ساتھ رکھا ، آپ نماز پڑھا رہے تھے ، وہ آپ کے بائیں جانب کھڑے ہو گئے ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا کان پکڑ کر ان کو دائیں جانب کر دیا ، (۲) —— حجۃ الوداع میں حضرت فضل بن عباسؓ آپ کی سواری پر آپ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے ، قبیلہ بنو خشعم کی ایک لڑکی آپ سے مسئلہ پوچھنے کے لئے آئی ، حضرت فضلؓ ان کی طرف دیکھنے لگے ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے ان کا چہرہ دوسری طرف موڑ دیا ۔ (۳)

بچوں کے حقوق کا لحاظ

غرض کہ آپ جیسے بچوں کی ضروریات اور جذبات کا خیال رکھتے تھے ، ویسے ہی ان کی تربیت کی طرف بھی متوجہ رہتے تھے ؛ لیکن تربیت میں بھی بچوں کے حقوق کا پورا خیال رکھتے

(۱) سنن ترمذی ، کتاب صفۃ القیامۃ ، حدیث نمبر : ۲۵۱۶ ۔

(۲) مسلم ، باب الدعاء فی صلاۃ اللیل وقیامہ ، حدیث نمبر : ۷۶۳ ۔

(۳) بخاری ، عن عبداللہ بن عباسؓ ، باب وجوب الحج وفضلہ ، حدیث نمبر : ۱۴۴۳ ۔

تھے، حضرت سہل ساعدیؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کے پاس کوئی پینے کی چیز لائی گئی، آپ ﷺ نے اس میں سے نوش فرمایا، آپ ﷺ کے داہنے طرف ایک بچہ تھا اور بائیں طرف عمر رسیدہ لوگ تھے، آپ ﷺ نے بچے سے پوچھا: کیا تم اجازت دیتے ہو کہ میں انھیں دے دوں؟ اس نے کہا: خدا کی قسم! میں آپ کے جھوٹے کے معاملہ میں ایثار نہیں کرسکتا؛ چنانچہ آپ ﷺ نے ان ہی کو عطا فرمایا۔(۱)

بہتر رشتہ کا انتخاب

بچوں کے لئے رشتہ کے انتخاب میں بھی دین داری، حسن اخلاق اور سن و سال کی مناسبت کا لحاظ رکھتے تھے، آپ ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت زینبؓ کا نکاح حضرت ابوالعاصؓ سے فرمایا، آپ نے بحیثیت داماد ان کی تعریف کی؛ کیوں کہ جب وہ غزوۂ بدر میں گرفتار ہوکر آئے، آپ نے ان کا فدیہ متعین کیا کہ وہ حضرت زینبؓ کو مدینہ پہنچادیں اور انھوں نے اس وعدہ کو پورا کیا؛ چنانچہ جب حضرت ابوالعاصؓ ایمان لے آئے تو آپ نے دوبارہ حضرت زینبؓ کو ان کے نکاح میں دے دیا۔(۲)

حضرت رقیہؓ اور حضرت اُم کلثومؓ کو یکے بعد دیگرے خلیفہ راشد حضرت عثمان غنیؓ کے نکاح میں دیا، جو نہ صرف اسلام کی خدمت میں نمایاں مقام رکھتے تھے؛ بلکہ صاحبِ ثروت بھی تھے اور ان کی سخاوت بھی مشہور تھی، حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ نے حضرت فاطمہؓ سے نکاح کا پیغام دیا؛ لیکن آپ نے یہ کہہ کر معذرت کردی کہ فاطمہ کی عمر کم ہے، یعنی عمر کے اعتبار سے مناسبت نہیں ہے؛ چنانچہ حضرت علیؓ نے نکاح کا پیغام دیا اور آپ ﷺ نے اسے قبول فرمایا، (۳) اور حضرت علیؓ کا عالی نسبی، اسلام میں سبقت کا شرف اور فہم و ذکاوت میں جو مقام تھا، وہ عہد صحابہ میں بھی مسلّم تھا۔

---

(۱) ترمذی، باب مایقول اذا أکل طعاماً، حدیث نمبر: ۳۴۵۵۔

(۲) مستدرک حاکم، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۲۸۱۱۔

(۳) نسائی، عن بریدۃؓ، حدیث نمبر: ۳۲۲۱۔

داماد کا خیال

داماد کا رشتہ بیٹی کی نسبت سے ہوتا ہے اور داماد سے خوش گوار تعلق کا اثر بیٹی پر بھی پڑتا ہے؛ چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے تمام دامادوں سے بے حد خوش گوار تعلق رکھا اور ہمیشہ سلوک میں ان کا لحاظ کرتے رہے، حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ میں ایک بار کچھ کہا سنی ہوگئی، آپ حضرت فاطمہؓ کے یہاں تشریف لے گئے اور حضرت علیؓ کو موجود نہیں پایا، وجہ پوچھی تو معلوم ہوا کہ ناراض ہوکر کہیں چلے گئے ہیں، آپ ﷺ تلاش میں نکلے، حضرت علیؓ مسجد میں ملے، وہ زمین ہی پر لیٹ گئے تھے اور ان کی پیٹھ میں مٹی لگ گئی تھی، آپ محبت سے ان کی پیٹھ صاف کرنے لگے، ساتھ ہی ساتھ خوش طبعی کے طور پر کہتے جاتے تھے: (یا أبا تراب یا أبا تراب) ''اے مٹی والے، اے مٹی والے''۔(۱)

بچوں کیلئے دُعاء

جہاں آپ ﷺ بچوں کے ساتھ شفقت فرماتے اور ان کی تربیت پر توجہ رکھتے، وہیں ان کے لئے دُعا کا بھی اہتمام کرتے، صحابہ اپنے بچوں کو آپ کی خدمت میں لے کر آتے، آپ انھیں برکت کی دُعا دیتے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ چچازاد بھائی تھے اور کم عمر تھے، آپ ﷺ نے انھیں ایک موقع پر خوش ہوکر دُعاء دی: اے اللہ! ان کو قرآن مجید کا خصوصی فہم عطا فرما اور دین کے تفقہ سے سرفراز کر: ''اللّٰهم علمه التأويل وفقهه في الدين''(۲) حضرت انسؓ آپ کے خاص خادموں میں تھے اور ان کی والدہ ماجدہ نے اس وقت ان کو آپ ﷺ کی خدمت میں دے دیا تھا، جب ان کی عمر صرف دس سال تھی، آپ ﷺ نے ان کو مال واولاد اور عمر میں برکت کی اور مغفرت کی دُعا دی؛ چنانچہ مال میں برکت کا اثر یہ ہوا کہ ان کے دو باغ

---

(۱) بخاری، باب نوم الرجال فی المسجد، حدیث نمبر: ۴۳۰۔

(۲) مستدرک حاکم، کتاب الفضائل، باب مناقب عبداللہ بن عباسؓ، حدیث نمبر: ۶۲۸۔

میں سال میں دوبار پھل آتا تھا، اولاد میں برکت کا حال یہ تھا کہ آپ کے ۷۸ لڑکے اورلڑکیاں ہوئیں، نیز عمر تقریباً ۱۱۰ سال پائی۔(۱)

غرض کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ ایک شفیق ماں باپ، ایک کامیاب مربی اور ذمہ دار سرپرست کے لئے بہترین نمونہ ہے، جس میں بچوں کے جذبات کی رعایت، دینی و اخلاقی تربیت اور مادی نگہ داشت، تمام پہلوؤں کا لحاظ ہے؛ کیوں کہ بچے ہی سماج کا مستقبل ہیں اور وہ ماں باپ کے لئے ایسے ہی ہیں، جیسے کسی کاشت کار کے لئے کھیت کی پیداوار، کسی باغبان کے لئے اس کے باغ کے لگائے ہوئے پھل اور کسی مالی کے لئے اس کے لگائے ہوئے گلستان کے پھول۔

● ● ●

(۱) الاستیعاب فی معرفۃ الصحابۃ:۱/۳۵۔

ازواجِ مطہرات کے ساتھ

میزبان کا مہمان کے ساتھ، تاجر کا گاہک کے ساتھ، ملازم کا افسر کے ساتھ اور ایک دوست کا دوسرے دوست کے ساتھ بہتر برتاؤ کرنا دشوار نہیں، ان لوگوں کے ساتھ بھی خوش اخلاقی کا ثبوت دینا آسان ہے، جن سے گاہے گاہے ملاقات ہوتی ہو؛ لیکن شوہر اور بیوی کا رشتہ ایسا رشتہ ہے، جس میں ہر وقت کا ساتھ ہے، خلوت میں اور جلوت میں، دن کی روشنی اور رات کی تاریکی میں، صبح وشام اور شب و روز، اس ہمہ وقتی رفاقت میں خوشی کے لمحات بھی آتے ہیں، رنج وغم کی ساعتیں بھی آتی ہیں، اور غصہ و ناراضگی کے واقعات بھی پیش آتے ہیں؛ اس لئے انسان دوسروں کے ساتھ تو مصنوعی خوش اخلاقی برت کر کام چلا سکتا ہے اور دو چہروں کے ساتھ زندگی گزار سکتا ہے، ایک اس کا مصنوعی چہرہ جس میں نرمی، خوش اخلاقی، شرافت اور اظہارِ محبت ہو، وہ باہر کی دنیا میں اسی چہرے سے اپنا تعارف کرائے، دوسرا چہرہ اس کا حقیقی چہرہ ہو، جس میں بداخلاقی، سخت کلامی، غیظ وغضب اور درشتی وتندخوئی ہو۔

لیکن شوہر اور بیوی کا تعلق چوں کہ ہر سرد وگرم میں ہوتا ہے؛ اس لئے یہاں مصنوعی اخلاق کے ذریعے اپنی بداخلاقی کو چھپایا نہیں جا سکتا؛ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہترین شخص اس کو قرار دیا، جس کے اخلاق اچھے ہوں، پھر فرمایا کہ تم میں بہتر شخص وہ ہے، جس کا رویہ اس کے گھر والوں کے ساتھ بہتر ہو، اور یہ کہ میں تم سب سے زیادہ اپنے اہل خانہ کے ساتھ بہتر برتاؤ کرنے والا ہوں: ''خيركم خيركم لأهله وأنا خيركم لأهلي'' (۱) اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اپنی بیویوں کے ساتھ حسن سلوک کا بہترین نمونہ ہے!

---

(۱) سنن ترمذی، بسند صحیح، حدیث نمبر: ۳۸۹۵، ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۱۹۷۷۔

رسول اللہ ﷺ کو دعوت دین، علوم نبوت کی اشاعت اور مختلف قبائل کی دل داری کے مقصد سے خصوصی طور پر چار سے زیادہ نکاح کی اجازت دی گئی تھی؛ چنانچہ بحیثیت مجموعی گیارہ پاک بیویاں آپ کے نکاح میں رہیں: حضرت خدیجہ بنت خویلدؓ، حضرت سودہ بنت زمعہؓ، حضرت عائشہ بنت ابی بکرؓ، حضرت حفصہ بنت عمرؓ، حضرت زینب بن خزیمہؓ، حضرت اُم سلمہ بنت ابی اُمیہؓ، حضرت زینب بنت جحشؓ، حضرت جویریہ بنت حارثہؓ، حضرت اُم حبیبہ بنت ابی سفیانؓ، حضرت صفیہؓ، حضرت میمونہؓ۔

رسول اللہ ﷺ کا اپنی ازواج کے ساتھ ہمیشہ اعلیٰ درجے کا سلوک رہا، اور کیوں نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے بیویوں کے ساتھ بہتر سلوک کا حکم فرمایا: ''وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ'' (۱) یعنی بیویوں کے ساتھ بہتر طریقہ پر زندگی گزارو، یہ ایک جامع تعبیر ہے، جس میں خوش اخلاقی، مروت اور پاس ولحاظ کی تمام صورتیں داخل ہیں اور حیاتِ طیبہ بیویوں کے ساتھ اس مثالی طرز عمل کی عملی شکل پیش کرتی ہے۔

خوبیوں کا اعتراف

بیوی کے ساتھ حسن سلوک کا ایک پہلو یہ ہے کہ اس کی خوبیوں کا ذکر کیا جائے اور اس سے محبت کا اظہار ہو، یہ انسانی فطرت ہے کہ اگر اس کی تعریف کی جائے یا اس سے محبت کا اظہار کیا جائے تو اس کو خوشی ہوتی ہے؛ لیکن خاص کر اگر شوہر اپنی بیوی کی تعریف کرے تو یہ اس کے لئے سب سے قیمتی سوغات ہوتی ہے، اس کو لگتا ہے کہ اس کی محنت وصول ہوگئی؛ چنانچہ آپ ﷺ اپنی بیویوں کے لئے تعریفی کلمات بھی فرمایا کرتے تھے؛ چنانچہ حضرت عائشہؓ کے بارے میں فرمایا: جیسے تمام کھانوں میں ثرید عمدہ ہوتا ہے، اسی طرح حضرت عائشہؓ تمام عورتوں میں بہترین عورت ہے: ''إن فضل عائشة على النساء كفضل الثريد على سائر الطعام''۔(۲)

---

(۱) النساء:۱۹۔

(۲) بخاری، عن ابی موسیٰ الاشعری، کتاب الانبیاء، حدیث نمبر: ۳۲۳۰، مسلم، باب من فضل عائشہ، حدیث نمبر: ۲۴۴۶۔

اُم المومنین حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد بھی آپ ہمیشہ ان کا ذکر خیر فرماتے تھے؛ اسی لئے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حالاں کہ میں نے حضرت خدیجہؓ کو نہیں دیکھا؛ لیکن مجھے ان ہی پر سب سے زیادہ رشک آتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کا بار بار تذکرہ فرماتے، بکرا ذبح کرتے تو خود سے اس کے ٹکڑے کرتے اور حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں کو بھیجتے، حضرت عائشہؓ نے ایک بار غلبۂ رشک میں عرض کیا کہ گویا دنیا میں خدیجہؓ کے سوا کوئی عورت ہی نہیں تھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''إنها كانت وكانت وكان لي منها ولد''(۱) یعنی وہ بڑی خوبیوں کی مالک تھی،(۲) اور ان ہی سے مجھے اولاد حاصل ہوئی، ایک اور موقع پر آپ نے ان کا ذکر خیر کرتے ہوئے فرمایا: جب لوگوں نے انکار کیا، اس وقت وہ ایمان لائیں، جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا، اس وقت انھوں نے میری تصدیق کی، جب لوگوں نے مجھے محروم کرنا چاہا، اس وقت انھوں نے اپنے مال سے میری غمگساری کی اور اللہ نے ان کے ذریعے مجھے اولاد عطا فرمائی، (۳)—— اکثر جب کسی شخص کی بیوی کا انتقال ہوجاتا ہے اور وہ دوسرا نکاح کرتا ہے تو اپنی پہلی بیوی کی خدمات اور اس کی قربانیوں کو فراموش کر دیتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس ارشاد سے اس بات کا سبق دیا کہ ایسا نہ ہونا چاہئے کہ نئے رشتے کی وجہ سے پرانے رشتے کو فراموش کر دیا جائے۔

اظہارِ محبت

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ازواجِ مطہرات سے اپنی محبت کا اظہار بھی فرماتے تھے اور اس میں تکلف سے کام نہیں لیتے تھے؛ چنانچہ آپ نے حضرت خدیجہؓ کے بارے میں فرمایا کہ مجھ کو ان کی محبت عطا فرمائی گئی ہے: ''إني رزقت حبها''(۴)—— حضرت عمرو بن عاصؓ نے ایک موقع پر دریافت فرمایا کہ آپ کو سب سے زیادہ محبت کس سے ہے؟ آپ انے فرمایا: عائشہؓ سے،(۵) اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص لوگوں کے درمیان اپنی بیوی سے محبت اظہار کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۱) بخاری، باب تزویج النبیؐ خدیجہ وفضلہا، حدیث نمبر: ۳۶۰۷۔
(۲) فتح الباری: ۷/۱۳۷۔ (۳) مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۴۹۰۴۔
(۴) مسلم، کتاب الفضائل، حدیث نمبر: ۲۴۳۵۔ (۵) دیکھئے: اللؤلؤ والمرجان، حدیث نمبر: ۱۵۲۴۔

پھر آپ اپنے سلوک کے ذریعے بھی محبت کا احساس دلاتے تھے؛ چنانچہ آپ ﷺ بعض دفعہ اپنی کم سن زوجۂ مطہرہ کو پیار سے ''یا عائش'' کہتے تھے، (۱)—— اظہارِ محبت کی ایک تعبیر یہ ہے کہ آپ نے ایک بار حضرت عائشہؓ سے فرمایا: یہ جان لینے کے باوجود کہ جنت میں بھی تم میری بیوی رہوگی، مجھے موت کی پرواہ نہیں رہی: ''**ما أبا لی بالموت بعد أن عرفت أنک زوجتی بالجنة**'' (۲)——غور کیجئے کہ محبت کے اس بول نے حضرت عائشہؓ کو کس قدر شاد کام کیا ہوگا کہ اس میں جنت میں رفاقت نبوی ﷺ کا مژدہ بھی ہے اور آپ ﷺ سے محبت کا اظہار بھی، ایک موقع پر حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا کہ آپ کی مجھ سے کیسی محبت ہے؟ یعنی آپ مجھ سے کس درجہ محبت فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: رسی کی گرہ کی طرح، یعنی گرہ جیسی مضبوط ہوتی ہے اور کھولے نہیں کھلتی، اسی طرح تم سے میری محبت ہے، حضرت عائشہ نے استفسار کیا: یہ گرہ کیسی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جیسی تھی ویسی ہی ہے، یعنی اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے۔ (۳)

اظہارِ محبت کی ایک ادا وہ بھی تھی، جو حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کھانے کا برتن ہاتھ میں لیتے اور قسم دیتے کہ میں اس میں سے کھاؤں، پھر آپ برتن لیتے اور جہاں سے میں نے منھ لگایا تھا، اسی جگہ سے تناول فرماتے: ''**ویتحری موضع فمی ویضع فمه علی موضع فمی من الإناء**'' (۴) اور ایسا بھی ہوتا کہ ہڈی والے گوشت میں سے جہاں سے حضرت عائشہؓ کھینچ کر تناول فرماتیں، آپ وہیں پر سے گوشت تناول فرماتے: ''**وکان اذا تعرقت عرقاً، وهو العظم الذی علیه لحم أخذه فوضع فمه موضع فمها**'' (۵)—— رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف خود ازواج مطہرات کے ساتھ اس طرح محبت اور لگاؤ کا اظہار کیا؛ بلکہ اُمت کو بھی اس کی تلقین فرمائی؛ چنانچہ آپ ﷺ نے

---

(۱) مسلم، کتاب الفضائل، حدیث نمبر: ۲۴۴۷۔ (۲) کنز العمال، حدیث نمبر: ۳۴۳۶۴۔
(۳) حلیۃ العلماء: ۲/۴۴۔ (۴) مسلم، کتاب الحیض، حدیث نمبر: ۳۰۰۔
(۵) مسلم، کتاب الحیض، حدیث نمبر: ۳۰۰۔

ارشاد فرمایا: تم جو بھی خرچ کروگے، اس پر اجر پاؤگے، یہاں تک کہ جو لقمہ اپنی بیوی کے منھ میں رکھوگے، اس میں بھی اجر ہے: ''إنک لن تنفقه نفق إلا أجرت علیها حتی اللقمة ترفعها إلی فی إمراتک'' (۱) اس میں یوں تو انفاق کی ترغیب دینا مقصود ہے؛ لیکن ایک لطیف اشارہ بیوی کے ساتھ اظہار محبت کا بھی ہے کہ شوہر اپنے ہاتھوں سے بیوی کو لقمۂ کھلائے، یہ لقمہ محبت پیٹ ہی کی نہیں دل کی بھی غذا بن جاتا ہے۔

عمر کا لحاظ

آپ قدم قدم پر ازواج مطہرات کی دل داری کا لحاظ رکھتے تھے یہاں تک کہ سن وسال کے تقاضوں کا بھی خیال فرماتے تھے، حضرت عائشہؓ جب آپ کے نکاح میں آئیں تو ان کی عمر کم تھی اور انھیں اس طرح کے کھیل کا شوق تھا، جو کم عمر بچیوں میں ہوا کرتا ہے، ایک دفعہ عید کے موقع سے حضرت ابوبکرؓ حاضر خدمت ہوئے، آپ نے کپڑا اوڑھ رکھا تھا اور دو کم عمر لڑکیاں حضرت عائشہؓ کے سامنے دف بجا رہی تھیں، حضرت ابوبکرؓ نے اس پر ناگواری ظاہر کی تو آپ نے روئے انور سے کپڑا ہٹا دیا اور حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا: انھیں چھوڑ دو، یہ عید کا دن ہے — حبشی لوگ ایسے خوشی کے موقع پر اپنے کرتب دکھاتے تھے، حضرت عائشہؓ کو ان کے دیکھنے کی خواہش ہوئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے، اور حضرت عائشہؓ آپ کے مونڈھے پر ٹیک لگا کر حبشیوں کا نیزے کا کھیل دیکھتی رہیں اور جب تک خود تھک نہ گئیں، آپ ان کی رعایت میں کھڑے رہے۔ (۲)

حضرت عائشہؓ کی ہم عمر سہیلیاں ان کے پاس آتیں اور ساتھ کھیلتیں، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تو مارے شرم کے بھاگ جاتیں؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو حضرت عائشہؓ کے پاس بھیج دیتے: ''فکان یسر بهن إلیّ'' (۳) — حضرت عائشہؓ کی کم سنی کی وجہ سے اگر چہ

(۱) نسائی، کتاب عشرۃ النساء، حدیث نمبر: ۹۱۸۶۔
(۲) مسلم، حدیث نمبر: ۸۹۲۔
(۳) مسلم، کتاب الفضائل، حدیث نمبر: ۲۴۴۰۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خصوصی طور پر ایسی باتوں میں ان کا لحاظ فرماتے تھے؛ لیکن حسن سلوک اور دل داری کا یہ معاملہ ہر بیوی کے ساتھ ہوتا، اُم المومنین حضرت صفیہؓ کو اونٹ پر بیٹھنا تھا، تو آپ نے اپنا گھٹنہ کھڑا کردیا؛ تاکہ آپ کے گھٹنے پر قدم رکھ کر حضرت صفیہؓ اونٹ پر چڑھ سکیں: ''ثم يجلس عند بعيره فيضع ركبته فتضع صفية رجلها على ركبته حتى تركب''(۱) — ایک سفر میں انجشہ نامی ایک غلام اس سواری کو ہانک رہا تھا، جس میں بعض اُمہات المومنین سوار تھیں، انجشہ اس طرح نظم پڑھ رہے تھے کہ اونٹ بہت تیز دوڑنے لگا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: انجشہ! آہستہ آہستہ، تم آبگینوں کو لے کر جارہے ہو: ''رويدك يا انجشه سوقك بالقوارير''۔(۲)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعتکاف میں تھے، حضرت صفیہؓ آپ سے ملاقات کے لئے تشریف لائیں، جب واپس ہونے لگیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو رُخصت کرنے کے لئے مسجد کے دروازے تک آئے، (۳) یہ بھی اظہار محبت کا ایک انداز تھا، ازواج مطہرات کے درمیان بھی کبھی کبھی چشمک ہوجاتی تھی، یہ فطری بات ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ایسی تمام باتوں کا پیش آنا ضروری تھا، جن سے اُمت کو سابقہ پیش آسکتا ہو؛ چنانچہ ایک بار حضرت حفصہؓ نے حضرت صفیہؓ کو یہودی کی بیٹی کہہ دیا، جب حضور تشریف لائے تو حضرت صفیہؓ رو رہی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رونے کا سبب پوچھا، انھوں نے حضرت حفصہؓ کی بات نقل کی، آپ نے ان سے فرمایا: تم ایک نبی (حضرت ہارون علیہ السلام) کی بیٹی ہو، ایک نبی (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کی بھتیجی ہو، اور ایک نبی کی بیوی ہو، تمہارے مقابلہ کیسے کوئی فخر کرسکتا ہے، پھر آپ نے حضرت حفصہؓ سے فرمایا: اللہ سے ڈرو، (۴) — ایک سفر میں حضرت صفیہؓ آپ کے ساتھ تھیں اور اس

---

(۱) بخاری، کتاب المغازی، حدیث نمبر: ۳۹۷۴۔

(۲) بخاری، کتاب الادب، حدیث نمبر: ۵۸۰۹۔

(۳) بخاری، حدیث نمبر: ۱۹۳۰، مسلم، حدیث نمبر: ۲۱۷۵۔

(۴) سنن ترمذی، باب فضل ازواج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حدیث نمبر: ۳۸۹۴، بسند صحیح۔

دن ان ہی کی باری تھی، اتفاق سے سست رفتار سواری پر ان کا سفر ہوا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا استقبال کیا تو وہ رو رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں: آپ نے مجھے ایک سست رفتار سواری پر بیٹھا دیا، آپ اپنے ہاتھوں سے ان کے آنسو پونچھنے اور ان کو خاموش کرنے لگے: ''**فجعل رسول الله يمسح بيديه عينيها ويسكتها**''۔(۱)

بے تکلفی

بیویوں کے ساتھ حسن سلوک کا ایک مظہر وہ بے تکلفی ہے، جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ساتھ برتا کرتے تھے، جس کو آپ روا رکھتے تھے؛ چنانچہ دو موقعوں پر حضرت عائشہؓ کے ساتھ آپ نے دوڑ بھی لگائی، پہلی بار حضرت عائشہ آگے بڑھ گئیں، اس وقت ان کا جسم ہلکا تھا، پھر دوسری مرتبہ جب حضرت عائشہؓ کا جسم بھاری ہو گیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے بڑھ گئے، اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اُس کا بدلہ ہو گیا: ''هذه بتلك'' (۲) اس بے تکلفی کا اظہار اس وقت بھی ہوتا تھا، جب کوئی نوک جھونک ہو جاتی، ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور حضرت عائشہؓ کے درمیان کوئی بات ہو گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: کیا تم عمر (رضی اللہ عنہ) کو حکم بناؤ گی؟ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا: نہیں؛ کیوں کہ حضرت عمرؓ سخت مزاج کے آدمی ہیں، پھر آپ نے پوچھا: کیا تم اس بات سے راضی ہو کہ تمہارے والد میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کریں؟ حضرت عائشہ نے کہا: ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو بلا بھیجا، جب حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے تو آپ نے دریافت فرمایا کہ تم بات کرو گی یا میں بات کروں؟ اُم المومنین نے عرض کیا: آپ ہی بات کریں؛ لیکن صحیح صحیح بولیں، حضرت ابوبکرؓ یہ سن کر بے قابو ہو گئے، اور حضرت عائشہؓ کی ناک پر تھپڑ رسید کر دیا، حضرت عائشہؓ بھاگیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیٹھ کے پیچھے چُھپنے لگیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا: میں نے آپ کو اس لئے نہیں بلایا تھا، پھر جب حضرت ابوبکرؓ تشریف لئے گئے تو آپ نے حضرت عائشہؓ کو قریب بلایا، مگر انھوں نے آنے سے انکار کر دیا،

---

(۱) اُسد الغابۃ: ۱/۱۳۷۶۔ (۲) ابوداؤد، کتاب الجہاد، حدیث نمبر: ۲۵۷۸۔

آپ مسکرائے اور فرمایا: ابھی کچھ پہلے تو تم میری پیٹھ سے چمٹی جارہی تھیں، پھر جب حضرت ابوبکر تشریف لائے اور دونوں کو ہنستے ہوئے دیکھا، تو فرمایا: آپ دونوں نے اپنے اختلاف میں ہمیں شریک کیا تھا، تو اپنی صلح میں بھی ہمیں شریک کرلیں: ''أشر کانی فی سلمکما کما أشر کتمانی فی حر بکما''۔(۱)

نازبرداری

آپ ﷺ اپنی ازدواجی زندگی میں اُمہات المومنین کو روٹھنے کا حق دیتے تھے؛ تاکہ خواتین کی فطرت میں ناز کرنے کا جو وصف پایا جاتا ہے، یا وہ سمجھتی ہیں کہ ان کو شوہر سے سوال و جواب کا حق ہے، اس کی رعایت ہو اور اُمت کے لئے نمونہ مہیا ہو؛ چنانچہ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے ایک دفعہ اپنی بیوی پر غصہ کا اظہار کیا تو اہلیہ نے بھی پلٹ کر جواب دیا، حضرت عمرؓ نے اس بات پر ناگواری کا اظہار کیا کہ تم میری بات کا جواب دیتی ہو؟ زوجۂ محترمہ نے عرض کیا: آپ میرے اس عمل پر کیوں نکیر کرتے ہیں، جب کہ حضور ﷺ کی ازواج آپ کو جواب دیتی ہیں، اور بعض تو رات ترک گفتگو تک کردیتی ہیں؟ ''إن إحداهن لتهجره الیوم حتی اللیل'' (۲) — پھر اگر کوئی بیوی ناراض ہوجاتیں تو آپ کا رویہ نہایت مشفقانہ، کریمانہ اور دل دارانہ ہوتا، آپ ان کے مونڈھے پر دست مبارک رکھتے اور دُعائیہ کلمات ارشاد فرماتے :

اللّٰهم اغفر لها ذنبها واذهب غيظ قلبها وأعذها من الفتن ۔ (۳)

اے اللہ! ان کو معاف فرمادیجئے، ان کے دل کے غصے کو دُور کردیجئے اور ان کو فتنوں سے محفوظ رکھئے۔

(۱) ابوداؤد، کتاب الادب، حدیث نمبر: ۴۹۹۹۔

(۲) سیرت ابن حبان: ۱/ ۳۶۰، امیر المومنین عمر الخطاب: ۱/ ۷۶، حیات الصحابہ: ۴/ ۶۵۔

(۳) کنز العمال، حدیث نمبر: ۱۸۴۰۹۔

تفریحِ طبع

ازواج مطہرات کے ساتھ بے تکلفی اور زنانہ ناز و انداز کے پاس و لحاظ کا ایک لطیف مظہر حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ ایک بار سرکار دو عالم ﷺ نے مجھ سے فرمایا: جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو اور جب ناراض ہوتی ہو، دونوں کو میں اچھی طرح سمجھ لیتا ہوں، میں نے پوچھا: آپ کیسے سمجھ لیتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: جب تم خوش رہتی ہو اور قسم کھانی ہوتی ہے تو کہتی ہو: محمد ﷺ کے رب کی قسم! اور جب ناراض ہوتی ہو تو کہتی ہو: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے رب کی قسم! میں نے کہا: اللہ کے رسول! خدا کی قسم میں صرف آپ کا نام ہی چھوڑتی ہوں: ''ما أهجر إلا اسمک'' (۱) یعنی یہ صرف زبان سے ہوتا ہے؛ لیکن دل میں ہمیشہ آپ ﷺ کا ذکرِ خیر بسا رہتا ہے۔

ازواج کے ساتھ بے تکلفی کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ آپ بعض دفعہ ان کی آپسی نوک جھونک اور ایک دوسرے کے ساتھ تفریح سے بھی لطف اندوز ہوتے تھے، اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ ایک بار حضرت سودہؓ میرے پاس آئیں، رسول اللہ ﷺ ہم دونوں کے درمیان اس طرح بیٹھ گئے کہ آپ کا ایک پاؤں میری گود میں تھا اور ایک پاؤں ان کی گود میں، میں نے ان کے لئے حریرہ بنایا اور ان سے کھانے کو کہا، انھوں نے انکار کیا، میں نے کہا: یا تو آپ کھائیں یا میں آپ کے چہرے پر مَل دوں گی، انھوں نے پھر انکار کیا تو میں نے پیالے میں سے تھوڑا سا حریرہ لے کر ان کے چہرے پر مَل دیا، آپ ﷺ نے ان کی گود سے اپنا پاؤں ہٹا لیا؛ تاکہ وہ بھی مجھ سے بدلہ لے سکیں؛ چنانچہ انھوں نے بھی تھوڑا سا حریرہ لے کر میرے چہرے پر بھی مَل دیا، رسول اللہ ﷺ اس منظر کو دیکھتے اور ہنستے رہے۔ (۲)

اسی طرح بعض اوقات ایک ہی برتن سے آپ ﷺ اور حضرت عائشہؓ غسل فرماتے اور دونوں اس سے پانی لیتے، کبھی آپ ﷺ حضرت عائشہؓ سے فرماتے کہ تم میرے لئے پانی

(۱) بخاری، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۴۹۳۰۔ (۲) نسائی، کتاب عشرۃ النساء، حدیث نمبر: ۸۹۱۷۔

چھوڑ دو، اور کبھی حضرت عائشہؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کرتیں کہ آپ میرے لئے پانی چھوڑ دیں: ''حتی یقول لھا دعي لي و تقول له دع لي''۔(۱)

کبھی کبھی آپ ازواج مطہرات سے مزاح بھی فرماتے تھے، ایک زوجۂ مطہرہ نے ایسا کپڑا پہنا، جو بہت ڈھیلا ڈھالا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پہنو اور اللہ کا شکر ادا کرو، اور فرمایا کہ تمہارا دامن اس طرح گھسٹ رہا ہے، جیسے لباس عروسی کا دامن ہو: ''وجری من ذیلک ھذا کذیل العروس'' (۲) — حضرت عائشہؓ جب حرم مبارک میں آئیں تو کم عمر تھیں اور گڑیا بھی بناتی تھیں، انھوں نے ایک گھوڑا بنایا اور اس میں پَر بھی لگا دیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھ کر مسکرائے اور ارشاد فرمایا: اس گھوڑے کے پَر بھی ہیں؟ حضرت عائشہؓ بھی بڑی ذہین اور ذکی خاتون تھیں، کہنے لگیں: حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کے تو پَر ہوتے تھے۔(۳)

کاموں میں مدد

آپ ایک ایسے محبت کرنے والے شوہر تھے، جو نہ صرف بیویوں کی دل داری کا خیال رکھتے تھے؛ بلکہ ان کے کاموں میں بھی مدد فرماتے تھے، حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا گیا کہ آپ جب اپنے گھر میں ہوتے تو کیا کرتے تھے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: گھر کے کاموں میں مدد فرماتے ''کان فی مھنة أھله'' (۴) ایک اور روایت میں ہے: کپڑے میں پیوند لگا دیتے، بکرے کا دُودھ دُوہ دیتے اور عام طور پر مرد اپنے گھر میں جو کام کرتے ہیں، اسے انجام دیتے تھے: ''وکان یرقع ثوبه ویحلب الشاة ویعمل ما یعمل الرجال فی بیته''۔(۵)

---

(۱) مسلم، کتاب الحیض، حدیث نمبر: ۳۲۱۔
(۲) کنز العمال: ۷/۲۰۶، حدیث نمبر: ۱۸۶۴۶۔
(۳) ابوداؤد، کتاب الادب، حدیث نمبر: ۴۹۳۲۔
(۴) بخاری، حدیث: ۶۷۶، ترمذی، حدیث نمبر: ۲۴۸۹۔
(۵) مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۹۴۷، مسند ابی یعلی، حدیث نمبر: ۴۸۷۳۔

بیویوں کے ساتھ وقت گذارنا

یہ بھی معمول مبارک تھا کہ روزانہ دو دفعہ تمام ازواج مطہرات کے یہاں تشریف لے جاتے، ان کی خیریت دریافت کرتے اور کچھ وقت ان کے ساتھ گزارتے، ایک تو عصر کے بعد آپ کی تشریف آوری ہوتی: ''وکان إذا صلی العصر دار علی نسائه ، فدنا منهن واستقرأ أحوالهن''(۱) چنانچہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ تمام ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے، اظہار محبت کے لئے ان پر ہاتھ رکھتے اور ایسا عمل کرتے جس سے تعلق کا اظہار ہو، یہاں تک کہ آخری گھر تک پہنچتے، اور جن کی باری ہوتی، ان کے یہاں قیام فرماتے: ''قلّ یوم إلا وهو یطوف علی نسائه فیدنو من أهله فیضع یده ویقبل کل امرأة من نسائه حتی یأتی علی آخرهن فإن کان یومها قعد عندها''(۲) —— دوسرے: فجر کے بعد مسجد میں تشریف فرما ہوتے اور صحابہ استفادہ کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد بیٹھ جاتے، پھر جب سورج طلوع ہوجاتا تو ایک ایک بیوی کے پاس تشریف لے جاتے، ان کو سلام کرتے، انھیں دُعا دیتے اور جس کی باری ہوتی، ان کے پاس مقیم ہوجاتے۔(۳)

مغرب بعد معمول مبارک تھا کہ جن زوجۂ مطہرہ کی باری ہوتی، آپ ان کے یہاں مقیم ہوجاتے اور تمام ازواج مطہرات وہیں جمع ہوجاتیں، کبھی کبھی ایک ساتھ اجتماعی کھانا ہوتا، جب آرام فرماتے تو جن کی باری ہوتی، ان کے ساتھ ایک ہی بستر پر اور ایک ہی لحاف میں آرام فرماتے، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ کسی بیوی کی گود میں سر رکھ کر سہارا لیتے، اگر کوئی زوجۂ مطہرہ حیض کی حالت میں ہوتیں، تب بھی ان کے ساتھ بے گانگی کا عمل نہ ہوتا؛ بلکہ ان کے ساتھ ہی سوتے: ''کان یباشر نساءه فوق الإزار وهن حیض''۔(۴)

---

(۱) بخاری، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۴۹۱۸۔ (۲) ابوداؤد، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۲۱۳۵۔
(۳) فتح الباری: ۹۶/۱۵۔ (۴) مسلم، کتاب الحیض، حدیث نمبر: ۲۹۴۔

جذبہ آرائش کی رعایت

عورتوں میں زینت و آرائش کا جذبہ بہ مقابلہ مردوں کے زیادہ ہوتا ہے؛ اسی لئے شریعت میں انھیں سونا اور ریشم کی بھی اجازت دی گئی ہے، جس سے مردوں کو منع فرمایا گیا ہے، آپ عورتوں کے اس فطری جذبہ کا بھی پورا خیال رکھتے تھے، حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، جب ہم واپس لوٹے اور مدینہ میں داخل ہونا چاہا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ٹھہر جاؤ، رات ہوجانے دو؛ تاکہ جن کے بال بکھرے ہوئے ہوں، وہ کنگھی کرلیں اور جسم کو فاضل بال سے صاف ستھرا کرلیں: ''حتی تمتشط الشعثۃ وتستحد المغیبۃ'' (۱) —— حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کیا تم نے اس کی زکوٰۃ ادا کی ہے؟ اگر تم نے اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی تو یہ آگ کے کنگن ہیں، (۲) یعنی آپ نے کنگن پہننے کو ناپسند نہیں کیا؛ بلکہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر ناگواری ظاہر فرمائی، اسی طرح واقعہ افک مشہور ہے، جس میں حضرت عائشہؓ کا ایک قیمتی ہار گم ہوگیا تھا، غرض کہ باوجود اس کے کہ آپ کی زندگی نہایت سادہ تھی اور ازواج مطہرات کے یہاں تعیش کا کوئی تصور نہیں تھا؛ لیکن عورتوں میں زیب وزینت کا جو فطری جذبہ ہوتا ہے، آپ نے اپنی ازواج مطہرات کے لئے اس کا لحاظ رکھا؛ تاکہ اُمت کے لئے نمونہ ہو۔

بیوی کیلئے زینت

جیسے شوہر یہ چاہتا ہے کہ بیوی اس کے لئے زیب وزینت اختیار کرے، اسی طرح بجا طور پر عورتوں کو بھی یہ چاہنے کا حق ہے کہ اس کا شوہر اس کے لئے جائز حدود میں بن سنور کر رہے، آپ ﷺ کے یہاں اس کا بھی لحاظ تھا، یوں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے حسن سے نوازا تھا، جس کی تاریخ انسانی میں کوئی مثال ہی نہیں، یہاں تک کہ بعض روایات کے مطابق

(۱) ابوداؤد، کتاب الجہاد، حدیث نمبر: ۲۷۷۸۔

(۲) ابوداؤد، کتاب الزکوٰۃ، حدیث نمبر: ۱۵۶۵، ترمذی، کتاب الزکوٰۃ، حدیث نمبر: ۶۳۷۔

آپ کے رُخ روشن کی روشنی میں بعض ازواج مطہرات سوئی میں دھاگہ بھی پہنا لیا کرتی تھیں؛(۱) لیکن اس کے علاوہ ظاہری اسباب کے اعتبار سے بھی آپ کو اس کا لحاظ تھا، آپ زلف مبارک میں تیل لگانے اور کنگھی کرنے کا اہتمام فرماتے، ریش مبارک میں بھی کنگھی کرتے، صاف ستھرے کپڑے پہنتے، کبھی کبھی قیمتی لباس بھی زیب تن فرماتے؛ حالاں کہ آپ کے پسینے کی خوشبو بھی مشک سے بڑھی ہوئی تھی؛ لیکن اس کے باجود آپ عطر کا بھی بکثرت استعمال کرتے اور مسواک کا بھی خصوصی اہتمام فرماتے۔

سفر میں رفاقت

مرد ہوں یا عورت، ان میں ایک جذبہ تفریح کا بھی رکھا گیا ہے، آدمی جب نئے مقامات کو دیکھتا ہے تو اس کو نشاط حاصل ہوتا ہے، آپ اپنی ازواج کے معاملے میں اس کو بھی ملحوظ رکھتے تھے اور سفر میں ان کو اپنے ساتھ لے جاتے تھے، پھر اپنی طرف سے کسی ایک زوجہ کا انتخاب کرنے کے بجائے قرعہ اندازی کیا کرتے تھے؛ قرعہ میں جن کا نام نکل آیا، ان کو ساتھ لے جاتے تھے، کبھی ایک ساتھ دو بیویاں بھی ہمراہ ہوتی تھیں: ''كان إذ خرج أقرع بين نسائه ، فطارت القرعة لعائشة وحفصة'' (۲) — سفر کا رفیق بنانے میں جہاں اپنے تعاون کا پہلو ہے، وہیں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جیسے مرد تفریح کے لئے جاتے ہیں، جائز حدود میں بیویوں کے لئے بھی اس کا اہتمام ہونا چاہئے۔

دُکھ سُکھ میں شرکت

مخلص شریکِ زندگی وہی ہے جو سُکھ کے ساتھ ساتھ دُکھ میں بھی شریک ہو، آپ ﷺ نے اپنی ازدواجی زندگی میں اس کا عملی نمونہ پیش فرمایا، جس سال اُم المومنین حضرت خدیجہؓ کی وفات ہوئی، آپ نے اس سال کو 'عام الحزن' (غم کا سال) قرار دیا، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اُم المومنین کی علالت کے زمانے میں آپ نے کس قدر محبت وغمگساری کا معاملہ فرمایا ہوگا،

(۱) خصائص الکبریٰ: ۱/۱۰۹۔ (۲) بخاری، حدیث نمبر: ۵۲۱۱، مسلم، حدیث نمبر: ۲۴۴۵۔

اسی طرح جب اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ منافقین کے تہمت لگانے کے صدمہ سے بیمار ہوگئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ ان کی خیریت دریافت کرتے رہتے، اور جب وہ اپنے والدین کے گھر چلی گئیں، ان کے گھر جا کر عیادت کی، آپ خبر گیری کرنے کے ساتھ ساتھ اہل خانہ میں سے بیماروں کو دُعا پڑھ کر دم بھی فرمایا کرتے تھے؛ چنانچہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب آپ کے اہل خانہ میں سے کوئی بیمار ہوتا تو آپ اس پر معوذات پڑھ کر پھونکتے تھے: ''كان إذا مرض أحد من أهل بيته نفث عليه بالمعوذات''۔(۱)

مالی ذمہ داریاں

بیوی کا ایک اہم حق اس کی مالی ذمہ داریاں ہے، جس کو اسلام نے شوہر پر لازم قرار دیا ہے، عام طور پر لوگ اپنے بیوی بچوں پر خرچ کرنے کو ثواب کا کام نہیں سمجھتے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی نفی کی اور ارشاد فرمایا: بہترین صدقہ وہ دینار (سونے کا سکہ) ہے، جو تم اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتے ہو: ''أعظم الصدقة دينار تنفقه على أهلك'' (۲) اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص اپنی بیوی کو پانی پلائے تو اس میں بھی اجر ہے: ''إن الرجل إذا سقى إمراته من الماء أجر'' (۳) پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول مبارک تھا کہ جب فدک کے باغات سے کھجوریں آتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام ازواج مطہرات کو ان کی ضرورت کے بقدر نفقہ عطا فرما دیتے؛ (۴) لیکن چوں کہ آپ کو اپنی زندگی میں ان لوگوں کے لئے بھی عملی نمونہ پیش کرنا تھا، جو معاشی اعتبار سے کمزور ہوں؛ اس لئے آپ کی زندگی بہت سادہ ہوتی تھی، اور ازواج مطہرات پوری خوش دلی کے ساتھ اس میں آپ کا تعاون کرتی تھیں، جب وسعت پیدا ہوئی، خوش حالی آئی اور لوگوں کا معیار زندگی بلند ہوا تو ازواج مطہرات کو بھی خیال ہوا کہ اب ہمارے گھر میں بھی اس خوش حالی کا اثر آنا چاہئے؛ چنانچہ انھوں نے اجتماعی طور پر آپ سے اس کا مطالبہ کیا، آپ اس پر ناراض نہیں ہوئے؛ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے انھیں تنبیہ کی گئی

(۱) مسلم، کتاب السلام، حدیث نمبر: ۲۱۹۲۔ (۲) مسلم، حدیث نمبر: ۲۳۱۱۔
(۳) مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۷۱۹۵۔ (۴) المغازی: ۱/۳۷۱۔

اور ان کو اختیار دیا گیا کہ اگر چاہیں تو آپ ﷺ کی رفیقۂ حیات ہونے سے مشرف رہیں یا الگ ہوجائیں، ازواج مطہرات کا یہ مطالبہ خدانخواستہ اس لئے نہیں تھا کہ انھیں حضور کی رفاقت عزیز نہیں تھی؛ بلکہ انھوں نے گنجائش دیکھتے ہوئے ایک جائز حق کا مطالبہ کیا تھا؛ اس لئے تمام ہی ازواج اپنے مطالبہ سے دستبردار ہوگئیں اور انھوں نے آپ کی رفاقت کو ترجیح دی، آپ کی حیاتِ طیبہ میں اس طرح کے واقعات اللہ کی طرف سے اس لئے پیش آئے؛ کہ جو مسائل آئندہ پیش آئیں، رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں ان کا نمونہ موجود ہو۔

اہم اُمور میں مشورہ

آپ ازواج مطہرات سے بعض اہم اُمور میں مشورے بھی فرماتے تھے اور ان کے مشوروں کو اہمیت دیتے تھے، صلح حدیبیہ کے موقع پر صحابہ کو احساس تھا کہ یہ صلح مشرکین مکہ کی شرطوں پر ہوئی ہے، اور ایک طرح سے مسلمانوں نے اپنی شکست کو تسلیم کرلیا ہے، اس لئے دینی حمیت کے تحت ان کا حال یہ تھا کہ آپ کے یہ اعلان کردینے کے باوجود کہ 'احرام کھول دیا جائے' صحابہ نے احرام نہیں کھولا، وہ چاہتے تھے کہ عمرہ کرکے ہی واپس ہوں، آپ ﷺ نے اس موقع پر اُم المومنین حضرت اُم سلمہؓ سے صورت حال بیان کی، حضرت اُم سلمہؓ نے عرض کیا: آپ کسی سے کچھ کہیں نہیں؛ بلکہ خود باہر نکل کر اپنے جانور کی قربانی کردیں اور بال مونڈانے والے کو بلاکر بال منڈالیں، آپ نے اس مشورہ کو پسند فرمایا اور اسی پر عمل کیا، نتیجہ ہوا کہ صحابہ نے بھی اپنے جانوروں کی قربانی کردی، بال منڈالیا اور احرام کھول دیئے۔(۱)

کوئی ٹھیس نہ پہنچے

آپ اس بات کا بھی پورا خیال رکھتے تھے کہ ازواج مطہرات کو آپ کے ذریعہ کوئی تکلیف نہ پہنچے، حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ آپ ﷺ نے کسی بیوی یا خادم پر کبھی ہاتھ نہیں اُٹھایا، کبھی ان کے رُخسار پر تھپڑ نہیں لگایا، نہ آپ کسی کو برا بھلا کہتے تھے، نہ ترش زبانی کرتے تھے،

(۱) بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد والمصالحہ مع اہل الحرب وکتابۃ الشروط، حدیث نمبر: ۲۵۸۱۔

نہ سخت دل تھے: ''ما ضرب رسول الله صلى الله عليه وسلم إمرأة له ولا خادماً ولا ضرب بيده شيئاً قط'' (۱) — اسی کا ایک پہلو یہ ہے کہ آپ ہمیشہ بیویوں کے درمیان عدل کا خیال فرماتے تھے، جس دن جس کی باری ہوتی، اس کے یہاں قیام فرماتے، ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دیتے تھے، حضرت عائشہؓ کا بیان ہے: ''كان لا يفضل بعضنا على بعض في مكثه عند هن في القسم'' (۲) یہاں تک کہ مرض وفات میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک مکان سے دوسرے مکان میں منتقلی دشوار ہونے لگی تو آپ نے دوسری ازواج مطہرات کی اجازت سے حضرت عائشہؓ کے یہاں قیام فرمایا۔

سفر میں ازواج مطہرات کو ساتھ رکھنے کا ایک مقصد یہ بھی ہوتا تھا کہ آپ کو سہولت ہو، صلاحیت وقوت کے لحاظ سے بعض عورتیں سفر کی رفاقت کے لئے زیادہ موزوں ہوتی ہیں؛ اس لئے آپ چاہتے تو اپنی طرف سے کسی زوجہ مطہرہ کو نامزد فرمادیتے؛ لیکن آپ اپنی طرف سے نامزد کرنے کے بجائے ہمیشہ قرعہ اندازی فرماتے اور قرعہ اندازی میں جس کا نام نکل آئے، ان ہی کو اپنے ساتھ لے جاتے؛ تاکہ دوسری ازواج کو یہ احساس نہ ہو کہ آپ کی ان کی طرف رغبت نہیں ہے۔

عدل وانصاف

عدل وانصاف کے معاملے میں احتیاط کا حال یہ تھا کہ حضرت عائشہؓ کی ذہانت اور صلاحیت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کی طرف زیادہ رغبت تھی، تو اگرچہ ظاہری سلوک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے؛ لیکن قلبی جھکاؤ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ میں جس چیز کا مالک ہوں، یہ اس میں میری (مساویانہ) تقسیم ہے؛ لیکن خدا وندا! جس چیز کے آپ مالک ہیں، میں مالک نہیں ہوں، اس کے بارے میں آپ گرفت نہ فرمائیے: ''هذا قسمي في ما أملك فلا تلمني فيما تملك ولا أملك''۔ (۳)

(۱) ابوداؤد، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۲۱۲۴، نسائی، کتاب عشرۃ النساء، حدیث نمبر: ۹۱۶۴۔

(۲) ابوداؤد، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۲۱۳۵۔ (۳) ترمذی، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۱۴۰۔

دینی تربیت

جیسے آپ ﷺ ازواج مطہرات کی ضروریات اوران کی دل داری کا خیال رکھتے تھے، اسی طرح آپ ان کی تربیت پر بھی متوجہ رہتے تھے، رمضان المبارک کے اخیر عشرے میں ازواج مطہرات کو آخر شب میں بیدار کرتے تھے ؛ تاکہ وہ عبادت میں شامل ہوں: ''کان یوقظ أهله فی العشر الأواخر من رمضان'' (۱) حضرت عائشہؓ کو شب قدر کی دُعا سکھائی: ''اللّٰهم إنک عفو تحب العفو فاعف عنی'' (۲) — ایک موقع پر حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ گن کر خرچ نہ کرو ؛ تاکہ تم کو بھی اللہ کی طرف سے حساب کتاب سے گن کر نہ ملے، یعنی خوب خرچ کرو ؛ تاکہ اللہ کی طرف سے خوب ملے: ''أنفقی ولا توٴکی فیوٴکیٰ علیک''۔ (۳)

جہاں آپ نے ازواج مطہرات کو عبادت کی تلقین فرمائی، وہیں غلو سے منع بھی فرمایا، آپ ﷺ حضرت زینب بنت جحشؓ کے یہاں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ دوستونوں کے درمیان رسی باندھی ہوئی ہے، آپ ﷺ نے اس کا سبب پوچھا، عرض کیا گیا: یہ حضرت زینب نے باندھ رکھی ہے، جب نماز پڑھنے کے دوران تکان ہوجاتی ہے تو اس سے لٹک جاتی ہیں، آپ ﷺ نے اس سے منع کیا اور حکم دیا کہ اسے کھول دو، جب تک نشاط ہو، اس وقت تک نماز پڑھو، اور جب نشاط نہ ہو، اس وقت چھوڑ دو۔ (۴)

غرض کہ رسول اللہ ﷺ جیسے زندگی کے دوسرے شعبوں میں انسانیت کے لئے آئیڈیل تھے، اسی طرح اپنی ازدواجی زندگی میں بھی ایک محبت کرنے والے شفیق وکریم، قدردان، مزاج شناس اور بردبار شوہر تھے ؛ چوں کہ آپ ﷺ پوری انسانیت کے لئے نمونہ تھے

---

(۱) ترمذی، کتاب الصوم، حدیث نمبر: ۷۹۵۔ (۲) سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۳۸۵۰۔

(۳) إتحاف المهرة: ۱۰/۳، حدیث نمبر: ۲۱۳۱، بخاری، کتاب الهبة، حدیث نمبر: ۲۴۵۱۔

(۴) بخاری، باب ما یکرہ من التشدید فی العبادہ، حدیث نمبر: ۱۰۹۹۔

اور زندگی کے ہر شعبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل تمام انسانوں کے لئے مشعل راہ ہے؛ اس لئے آپ کی نجی زندگی کا ریکارڈ بھی اللہ کی طرف سے محفوظ ہوگیا، اور اللہ تعالیٰ بے حد رحمتیں نازل فرمائے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک بیویوں اور اُمت کی محسن ماؤں پر، کہ انھوں نے قیامت تک آنے والے صاحب ایمان بیٹوں اور بیٹیوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک اُسوہ کو پیش فرمایا اور نجی زندگی کی جو باتیں نقل کی جاسکتی تھیں، ان کو بھی ذکر کرنے میں کسی تکلف سے کام نہیں لیا، رضی اللہ عنہن ورضین۔

● ● ●

دوستوں اور ہم عصروں کے ساتھ سلوک

انسان عام طور پر اپنے بزرگوں سے جھک کر ملتا اور تواضع اختیار کرتا ہے، اکثر اس جھکاؤ اور بچھاؤ میں مذہب، زبان اور علاقہ کا فرق بھی رکاوٹ نہیں بنتا، اسی طرح انسان چھوٹوں اور بچوں کے ساتھ شفقت اور پیار سے پیش آتا ہے، اس میں بھی مذہب، علاقہ، زبان کا کوئی فرق نہیں ہوتا، یہ انسانی فطرت کا حصہ ہے، جیسے پھول کو دیکھ کر انسان کو اس کو دیکھنے اور سونگھنے کی رغبت ہوتی ہے؛ اسی طرح بچوں کو دیکھ کر دل میں شفقت کا جذبہ اُبھرتا ہے اور اس سے پیار کرنے کو دل چاہتا ہے، مگر انسان کے برتاؤ اور مزاج کا امتحان اس وقت ہوتا ہے، جب وہ اپنے دوستوں اور ساتھیوں کے ساتھ ہو، بالخصوص ایسی صورت میں جب کہ اللہ نے اس کو اپنے ہم عمروں اور ہم عصروں کے مقابلہ بلند مقام و مرتبہ سے نواز دیا ہو، جو لوگ کم ظرف ہوتے ہیں، وہ ایسے مواقع کو اپنی بڑائی کے اظہار اور دوسروں کو نیچا دیکھانے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

اعتراف اور حوصلہ افزائی

رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ جہاں زندگی کے دوسرے پہلوؤں میں بہترین اُسوہ ہے؛ اسی طرح آپ ﷺ کے یہاں دوستوں کے ساتھ سلوک و برتاؤ کے سلسلہ میں بھی بہترین رہنمائی موجود ہے، آپ ﷺ اپنے ساتھیوں سے محبت کا اظہار کرتے، ان کی خوبیوں کا اعتراف فرماتے، ان کے خصوصی وصف اور امتیازی مقام کو برسرِعام بیان کرتے، جیسے: آپ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کے بارے میں فرمایا کہ یہ اہل زمین میں میرے وزیر ہیں: ''وأما وزیر ای من أهل الأرض فأبو بکر و عمر''(١) حضرت عثمان غنیؓ کے بارے

(١) سنن ترمذی، حدیث نمبر: ٣٦٨٠۔

میں فرمایا کہ وہ سب سے زیادہ حیا کرنے والے ہیں: ''أحیاهم عثمان'' (۱) حضرت علیؓ کے بارے میں ارشاد ہوا کہ میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے: ''أنا مدینة العلم وعلی بابها''۔(۲)

حضرت زبیر بن عوامؓ کو اپنا حواری قرار دیا، (۳) حضرت حذیفہ بن یمانؓ کو اپنا محرم راز بنایا، (۴) حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کو امین اُمت کہا، (۵) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے بارے میں فرمایا کہ جو بات ان کو پسند ہے میں نے بھی اس کو اپنی اُمت کے لئے پسند کیا: ''رضیت لأمتی ما رضی لها ابن أم عبد'' (۶) اس طرح کے توقیر واحترام کے بہت سے الفاظ ہیں، جو آپ ﷺ نے اپنے اپنے مختلف رفقاء کے لئے ارشاد فرمائے ہیں، اس سے سبق ملتا ہے کہ ایک مسلمان کے اندر اپنے ہم عصروں کی خوبیوں، صلاحیتوں اور کارناموں کے اعتراف کا جذبہ ہونا چاہئے ؛ البتہ یہ ضرور ہے کہ اس میں مبالغہ نہ ہو، رسول اللہ ﷺ اللہ کے پیغمبر اور اشرف الانبیاء ہے، اس کے باوجود آپ ﷺ نے خود اپنے بارے میں مبالغہ کرنے سے منع فرمایا، آپ ﷺ نے فرمایا: تم میری تعریف میں اس طرح کا مبالغہ نہیں کرنا، جو عیسائیوں نے عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں کیا تھا، حقیقت یہ ہے کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔(۷)

ربط وتعلق

آپ ﷺ اپنے رفقاء سے گہرا رابطہ رکھتے تھے، ایسا تعلق ہوتا جیسے گھر کے افراد کا

(۱) کنز العمال، حدیث نمبر: ۳۳۱۲۱۔
(۲) المعجم الکبیر، حدیث نمبر: ۱۱۰۶۱۔
(۳) صحیح بخاری، کتاب الجہاد، حدیث نمبر: ۲۶۹۱۔
(۴) صحیح بخاری، باب مناقب عمار وحذیفہ، حدیث نمبر: ۳۵۳۳۔
(۵) صحیح بخاری، باب قصۃ اہل نجران، حدیث نمبر: ۴۱۳۱۔
(۶) مستدرک حاکم: ۳/۳۱۷۔
(۷) صحیح بخاری، عن ابن عباس، باب قول اللہ واذکر فی الکتاب مریم، حدیث نمبر: ۳۴۴۵۔

ایک دوسرے سے ہوتا ہے اور آپ ﷺ کا برتاؤ ایسا دل موہ لینے والا ہوتا تھا کہ ہر ساتھی کو گمان ہوتا تھا کہ آپ ﷺ کو سب سے زیادہ محبت ان ہی سے ہے، آپ ﷺ کے ایک نسبتاً نو عمر صحابی حضرت عبداللہ بجلیؓ کا بیان ہے کہ آپ جب بھی ان کو دیکھتے تبسم فرماتے، یہاں تک کہ ان کو خیال ہو گیا کہ آپ ﷺ ان کو تمام صحابہ میں سب سے زیادہ محبوب رکھتے ہیں؛ چنانچہ انھوں نے یہ بات آپ ﷺ سے پوچھ ہی لی کہ آپ ﷺ کو سب سے زیادہ محبت کس سے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ابوبکر سے، (۱) اسی دوستانہ رفاقت کا اثر تھا کہ آپ ﷺ پنے رفقاء کے ساتھ کھانے پینے میں شریک رہتے، حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ میں اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا، رسول اللہ ﷺ کا میرے پاس سے گذر ہوا، آپ ﷺ نے مجھے اشارہ کیا، میں آپ ﷺ کے پاس آ گیا، آپ ﷺ نے میرا ہاتھ تھام لیا، ہم دونوں چلے، یہاں تک کہ بعض ازواجِ مطہرات کے حجرہ کے پاس تشریف لائے، آپ ﷺ اندر چلے گئے، پردہ گرا دیا، پھر مجھے حاضری کی اجازت دی، میں بھی اندر داخل ہوا، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کھانے کی کوئی چیز ہے؟ عرض کیا گیا: ہاں، اور روٹی کے تین ٹکڑے لائے گئے، ایک ٹکڑا آپ ﷺ نے اپنے سامنے رکھا، ایک میرے سامنے، تیسرے کے دو حصے کر دیئے، آدھا خود رکھا، آدھا مجھے عنایت فرمایا، پھر دریافت کیا: کوئی سالن بھی ہے؟ جواب ملا: نہیں، صرف سرکہ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: لاؤ تو سہی، یہ تو بہت اچھا سالن ہے۔ (۲)

اسی طرح آپ ﷺ بے تکلف اپنے رفقاء کی دعوت قبول فرماتے تھے، اگر دوسرے رفقاء بھوکے ہوں، تو جو بھی میسر ہوتا، ان میں سب کو شامل فرماتے، غزوۂ خندق کے موقع سے بڑی تنگی تھی، صحابہ فاقہ سے دوچار تھے، خود رسول اللہ ﷺ کی کیفیت بھی یہی تھی، اس موقع پر حضرت جابرؓ نے تنگی کے باوجود آپ ﷺ کے لئے تھوڑا سا کھانا بنایا، اور دعوت پیش کی، ان کا منشا تھا کہ صرف آپ ﷺ تشریف لائیں؛ لیکن آپ ﷺ نے تمام صحابہ کو دعوت دے دی،

---

(۱) کنز العمال: ۱۳/ ۱۲۳، حدیث نمبر: ۳۶۴۴۶۔

(۲) مسلم، باب فضیلۃ الخل والتأدم بہ، حدیث نمبر: ۲۰۵۲۔

حضرت جابر اس صورت حال سے پریشان ہو گئے؛ لیکن اہلیہ نے اطمینان دلایا؛ کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صورت حال سے واقف ہونے کے باوجود سبھوں کو دعوت دی ہے تو انشاء اللہ کمی نہیں ہوگی؛ چنانچہ یہی ہوا کہ آپ کی برکت سے تمام لوگوں نے سیر ہو کر کھایا۔(۱)

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لائے، تو حضرت سلمان فارسیؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے رُطَب کھجور پیش کی، جو وہاں کی عمدہ کھجور سمجھی جاتی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بارے میں دریافت فرمایا: حضرت سلمانؓ نے عرض کیا: یہ آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کے لئے صدقہ ہے، ارشاد ہوا: اسے اُٹھالو؛ کیوں کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے، حضرت سلمانؓ نے اُٹھالیا، اگلے دن پھر اسی طرح کھجور لائے، خدمت اقدس میں پیش کیا، آپ نے آج بھی کھجور کے بارے میں دریافت فرمایا، کہنے لگے: یہ آپ کے لئے ہدیہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دسترخوان بچھاؤ؛ چنانچہ سب نے مل کر تناول کیا،(۲) —— دراصل حضرت سلمان فارسیؓ تورات کے بڑے عالم تھے اور وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دعویٰ نبوت صحیح ہے یا نہیں؛ کیوں کہ انبیاء صدقہ نہیں کھاتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنے ساتھیوں کی ضیافت کرنے اور ان کے ہم طعام ہونے کے بہت سے واقعات حدیث وسیرت کی کتابوں میں موجود ہیں۔

غرض کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام معاملات میں ان کے ساتھ شریک رہتے تھے، تقریبات میں بھی، کھانے پینے میں بھی، خوشی اور غم میں بھی؛ اسی لئے آپ کا اپنے صحابہ سے بے حد قریبی تعلق تھا اور وہ آپ کو اس طرح ٹوٹ کر چاہتے تھے کہ گویا ایک شمع کے گرد پروانے ہوں، ابوسفیان نے مسلمان ہونے سے پہلے اس بات کا اعتراف کیا کہ جس طرح محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھی ان سے کرتے ہیں، میں نے کسی شخص کو دوسرے شخص کے ساتھ ایسی محبت کرتے ہوئے نہیں دیکھا:
''ما رأیت من الناس أحدا یحب أحدا کحب أصحاب محمد محمداً''۔(۳)

---

(۱) بخاری، کتاب الجہاد والسیر، حدیث نمبر: ۳۰۳۹۔

(۲) مسند احمد، عن بریدہ اسلمی، حدیث نمبر: ۲۲۹۹۷۔

(۳) سیرت ابن ہشام: ۲/۱۷۲۔

مالی اعانت

باوجودیکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی خود قناعت کے ساتھ گذرتی اور کئی کئی وقت فاقہ کی نوبت آجاتی؛ لیکن اس کے باوجود آپ اپنے ساتھیوں کی مالی اعانت کا بھی خیال رکھتے، کوئی تحفہ آتا تو اسے لوگوں میں تقسیم کردیتے، یہاں تک کہ رمضان المبارک میں آپ کا جود وسخا تیز ہوا سے بھی بڑھ جاتا، (۱) دوستوں کے ساتھ داد ودہش کا مختلف انداز اختیار فرماتے، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سفر میں آپ کے ساتھ تھے، ان کی اونٹنی بڑی سست رفتار تھی، آپ نے ان سے ڈنڈا لیا اور چند دفعہ اونٹنی کو ہلکے طور پر مارا، پھر کیا تھا اونٹنی اتنی تیز چلی کہ وہ آپ کی اونٹنی کے برابر میں چلنے لگی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا: کیا وہ اونٹنی فروخت کریں گے؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے پیشکش کی کہ آپ اسے ہدیتاً قبول فرمالیں؛ لیکن آپ نے اسے خرید کرنے پر ہی اصرار کیا، ایک درہم سے بات شروع ہوئی، آپ قیمت بڑھاتے چلے گئے، یہاں تک کہ چالیس درہم تک بات پہنچی، پھر مدینہ پہنچنے کے بعد آپ نے پیسے بھی ادا کردیئے اور اونٹنی بھی ہدیتاً واپس کردی، (۲) —— ایک موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک سامان خریدا، اور ان ہی کے صاحبزادے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کو ہدیہ کردیا۔ (۳)

یہ عطا کرنے کے مختلف طریقے تھے، اس کا نتیجہ تھا کہ آپ کے پاس کثرت سے مال غنیمت آتا، مختلف علاقوں کے محصولات آتے؛ لیکن کوئی چیز آپ کے پاس باقی نہیں رہتی، ایک دن چند درہم بچ گئے، تو آپ بے چین تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی بے چینی دیکھ کر خیال کیا کہ شاید کوئی تکلیف ہوگی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں، میں اس لئے بے قرار ہوں کہ کہیں اس حال میں میری موت نہ آجائے کہ یہ سکے میرے پاس موجود ہوں، (۴) خاص طور پر نومسلموں کا آپ اتنا گرانقدر تعاون فرماتے کہ خود انھیں بھی حیرت ہوئی، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اسلام قبول کرنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو بھی مانگا جاتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عطا فرما

---

(۱) کنز العمال: ۶/۵۱۵۔ (۲) مسلم، باب استحباب نکاح البکر، حدیث نمبر: ۷۱۵۔

(۳) کنز العمال: ۴/۲۸۳۔ (۴) مسند حمیدی، حدیث نمبر: ۲۸۳، بخاری، حدیث نمبر: ۱۱۶۳۔

دیتے، ایک ایسے ہی صاحب آئے تو آپ نے دو پہاڑوں کے درمیان موجود پوری بکریاں انھیں عطا فرما دیں، وہ جب اپنی قوم کی طرف واپس ہوئے تو کہنے لگے: اے لوگو! اسلام قبول کرلو، محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اتنا عطا فرماتے ہیں کہ اپنے فقر و فاقہ کا بھی کوئی خوف نہیں کرتے۔(۱)

بے تکلفی اور مزاح

دوستوں کے ساتھ حسن سلوک کا ایک پہلو بے تکلفی ہے، اس بے تکلفی کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ آپ ساتھیوں سے مزاح بھی فرمایا کرتے تھے، اور آپ کی بے تکلفی کو دیکھتے ہوئے آپ کے رفقاء بھی آپ سے مزاح کرتے تھے، حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ زاہر نام کے ایک صاحب دیہات سے آتے تھے اور دیہات کی چیزوں کا تحفہ آپ کو پیش کرتے تھے، پھر جب واپس ہونے لگتے تو آپ ان کو سامان واسباب دے کر رُخصت فرماتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا: زاہر ہمارے دیہاتی ساتھی ہیں اور ہم ان کے شہری ساتھی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے بڑی محبت فرماتے تھے، وہ خوش شکل آدمی نہیں تھے، ایک دن جب وہ اپنا سامان بیچ رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور ان کو پیچھے سے اس طرح اپنی گود میں لے لیا کہ وہ دیکھ نہ سکے، کہنے لگے: مجھے چھوڑ دو، یہ کون شخص ہے؟ پھر انھوں نے محسوس کرلیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، آپ فرمانے لگے: کون ہے جو اس غلام کو خرید لے؟ حضرت زاہرؓ نے عرض کیا: اللہ کے رسول تب تو آپ مجھے کھوٹا مال پائیں گے، ارشاد ہوا؛ لیکن تم اللہ کے پاس کھوٹے نہیں ہو، یا فرمایا: تم اللہ کے پاس بہت قیمتی ہو: ''لكن عند الله أنت غالي''۔(۲)

جیسا کہ عرض کیا گیا، آپ کی خوش اخلاقی اور بے تکلفی سے حوصلہ پاکر بعض دفعہ خود صحابہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مزاح کرلیتے تھے، غزوۂ تبوک کے موقع سے حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، سلام کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا اور فرمایا: اندر آجاؤ،

(۱) مسلم، باب ما سئل رسول اللہ شیئاً قط الخ، حدیث نمبر: ۲۳۱۲۔

(۲) مسند احمد، عن انس، حدیث نمبر: ۱۲۶۶۹۔

حضرت عوف ابن مالکؓ نے ازراہ مزاح عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا پورا کا پورا آجاؤں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پورے پورے آجاؤ؛ چنانچہ عوف ابن مالکؓ اندر تشریف لائے،(۱) ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صہیبؓ کو کھجور کھاتے ہوئے دیکھا؛ حالاں کہ ان کے آنکھ میں تکلیف تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری آنکھ میں تکلیف ہے، پھر بھی کھجور کھاتے ہو، حضرت صہیبؓ نے عرض کیا: جس طرف تکلیف نہیں ہے، اس طرف سے کھاتا ہوں، آپ ان کے اس بے ساختہ جواب پر ہنس پڑے۔(۲)

لیکن مزاح میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کوئی ایسی بات نہیں نکلتی تھی، جو حق اور سچائی کے خلاف ہو، آپ کے مزاح کرنے پر تعجب کرتے ہوئے بعض صحابہ نے دریافت کیا: کیا آپ بھی ایسا کرتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں؛ لیکن میں کوئی ایسی بات نہیں کہتا، جو حق اور سچائی کے خلاف ہو: ''انی لا اقول إلا حقا''۔(۳)

البتہ آپ کو یہ بات گوارا نہیں تھی کہ ہنسی مذاق تکلیف دہ اور اہانت آمیز ہوجائے، یا کسی کو اس بہانے سے دل آزار بات کہی جائے، عبد اللہؓ نام کے ایک صاحب تھے، جن کو لوگ غالباً مذاق سے حمار (گدھا) کہا کرتے تھے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسایا کرتے تھے، ایک دن اُن پر آپ کے حکم سے شراب پینے کی سزا جاری کی گئی، لوگوں میں سے ایک صاحب کہنے لگے: یہ کس قدر بار بار یہ حرکت کرتا ہے، اس پر اللہ کی لعنت ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس پر لعنت نہیں بھیجو، خدا کی قسم! جہاں تک مجھے معلوم ہے، وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے،(۴) اسی طرح جب بھی آپ کے سامنے کوئی ایسی بات آتی، جس سے بے توقیری کا پہلو ظاہر ہوتا ہو تو آپ اس کی نفی فرماتے، ایک بار حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ مسواک توڑنے کے لئے

(۱) ابوداؤد، باب ماجاء فی المزاح، حدیث نمبر: ۵۰۰۰۔
(۲) مستدرک حاکم، باب ذکر مناقب صہیب، حدیث نمبر: ۵۳۰۳۔
(۳) مسند احمد، حدیث نمبر: ۸۴۸۱۔
(۴) بخاری، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۶۳۹۸۔

ایک درخت پر چڑھے، ان کی پنڈلیاں بہت پتلی تھیں، ایسا محسوس ہونے لگا کہ جیسے ہوا ان کو اُڑا لے جائے گی، لوگ ہنسنے لگے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: کیوں ہنستے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا: ان کی پتلی پتلی پنڈلیوں کی وجہ سے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اللہ کی ترازو میں ان کا وزن اُحد پہاڑ سے بھی بڑھا ہوا ہے۔(۱)

رفقاء کی دلداری

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قدم قدم پر اپنے ساتھیوں کی دلداری کا خیال رکھتے تھے، غزوۂ حنین کے بعد جب مالِ غنیمت کی تقسیم کے سلسلہ میں انصار میں سے بعض نوجوانوں کو شکوہ پیدا ہوا تو آپ نے ان کو الگ جمع کیا اور ایسا اثر انگیز خطبہ دیا کہ ان کی ڈاڑھیاں آنسوؤں سے تر ہوگئیں، آپ نے اس موقع پر جہاں انصار مدینہ پر اسلام کے احسانات کا ذکر فرمایا، وہیں انصار کے احسانات کا بھی کھلے دل سے اعتراف فرمایا اور اخیر میں ارشاد فرمایا: کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں ہے کہ لوگ بکریاں اور اونٹ لے کر جائیں اور تم نبی کو اپنے کجاوہ میں لے کر جاؤ؟ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار ہی میں پیدا ہوا ہوتا، اگر لوگ ایک وادی میں چلیں تو میں اس وادی میں چلوں گا، جس میں انصار چلیں، میرے لئے انصار کی حیثیت اس لباس کی سی ہے، جو اوپر سے پہنا جاتا ہے: ''الانصار شعار والناس دثار''۔(۲)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کی ضرورتوں کا پورا پورا خیال رکھتے، ایک صاحب کی کھجوروں کی فصل خراب ہوگئی اور ان پر بہت سارا دَین ہوگیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رفقاء سے فرمایا، ان کی مدد کرو، لوگوں نے مدد کی؛ لیکن دَین ادا نہیں ہو پایا، آپ نے ان کے قرض خواہوں سے کہا: جو موجود ہو، وہ لے لو، اور تم کو صرف اسی کا حق حاصل ہے۔(۳)

---

(۱) مسند احمد، عن عبداللہ ابن مسعود، حدیث نمبر: ۳۹۹۱۔

(۲) بخاری، عن عبداللہ ابن زید، باب غزوۃ الطائف، حدیث نمبر: ۴۳۳۰۔

(۳) مسلم، باب استحباب وضع الدین، حدیث نمبر: ۱۵۵۶۔

اگر آپ ﷺ کے رفقاء میں سے کسی کو تکلیف دہ بات پیش آئی تو ان کی تسلی اور دلداری کا پورا اہتمام فرماتے، عبد اللہ ابن جحشؓ نے جب ہجرت کی تو مکہ مکرمہ میں ان کے مکان پر ابوسفیان نے قبضہ کرلیا اور بیچ ڈالا، جب انھوں نے آپ ﷺ سے شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: تمھیں یہ بات پسند نہیں ہے کہ اللہ تم کو اس کے بدلے جنت میں اس سے بہتر گھر عطا فرمادے، انھوں نے عرض کیا: کیوں نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم کو یہ چیز، یعنی: اس کے بدلہ میں جنت ملے گی، (۱) —— ایک صاحب اپنے چھوٹے بچے کو لے کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا کرتے تھے، بچہ آپ کی پشت مبارک کی طرف آجاتا تو آپ ﷺ اسے سامنے بٹھالیا کرتے، بچے کا انتقال ہوگیا، اس صدمہ سے ان کے والد حاضر نہ ہوسکے، آپ ﷺ کو معلوم نہیں تھا، ان کے بارے میں دریافت کیا، بتایا گیا کہ ان کے صاحبزادے کا انتقال ہوگیا ہے، آپ ﷺ نے ان سے ملاقات کی، ان کے بچہ کے بارے میں دریافت فرمایا اور تعزیت کی، پھر آپ نے فرمایا: تمھیں یہ بات زیادہ محبوب ہے کہ وہ تمہارے ساتھ زندگی گذارتا، یا یہ بات کہ تم جنت کے کسی دروازے پر آؤ، اور تم دیکھو کہ وہ تم سے پہلے پہنچ چکا ہے اور تمہارے لئے دروازہ کھول رہا ہے؟ انھوں نے عرض کیا: یہ دوسری بات مجھے زیادہ محبوب ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ چیز تم کو حاصل ہوگئی، صحابہ نے عرض کیا: یہ صرف ان کے لئے ہے یا سبھوں کے لئے، آپ ﷺ نے فرمایا: سبھوں کے لئے۔ (۲)

مشکل کاموں میں ساتھیوں کے ساتھ شرکت

اسی طرح آپ مشکل کاموں میں بھی صحابہ کے ساتھ شریک رہتے، غزوۂ خندق کے موقع سے سرد موسم تھا، صحابہ بھوکے پیاسے خندق کھودنے میں مشغول تھے اور تھک کر چور ہوجاتے تھے، ایسے وقت آپ ﷺ تشریف لاتے اور فرماتے :

---

(۱) سیرت ابن ہشام: ۳/۱۲۸، الروض الانف: ۴/۱۶۶۔

(۲) نسائی، عن قرہ بن ایاس، باب فی التعزیہ، حدیث نمبر: ۲۰۸۸۔

اللّٰهم إن العيش عيش الآخرة ، فاغفر للأنصار والمهاجرة ۔ (۱)

اے اللہ! عیش وآرام تو آخرت ہی کا عیش وآرام ہے؛ اس لئے انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرمادیجئے۔

ہم لوگ جواب میں کہتے کہ ہم نے آخری دم تک کے لئے جہاد پر (محمد ﷺ) سے بیعت کی ہے، (۲) —— ایک موقع پر مدینہ میں شور مچ گیا، لوگوں کو خیال ہوا شاید دشمن حملہ آور ہو گیا ہے، سب سے آگے آپ ﷺ بڑھے اور اس حال میں واپس آئے کہ آپ حضرت ابوطلحہؓ کے گھوڑے پر تھے، جس پر زین بھی نہیں تھی اور گردن مبارک سے تلوار لٹکی ہوئی تھی، آپ فرما رہے تھے: کہ کیوں گھبراتے ہو؟ کیوں گھبراتے ہو؟ (۳)

ایک دفعہ اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ سفر پر تھے؛ چنانچہ ایک بکرا کو ذبح کرنے کی بات طے پائی، ایک صحابی نے کہا: اس کو ذبح کرنا میرے ذمہ ہے، دوسرے نے کہا: اس کے چمڑے نکالنے کا کام میں کروں گا، تیسرے نے کہا: میں اسے پکاؤں گا، رسول اللہ ﷺ نے کہا: میں ایندھن کی لکڑیاں جمع کروں گا، صحابہ نے عرض کیا: آپ کا کام ہم کر دیں گے، یعنی: آپ زحمت نہ فرمائیں! ارشاد فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ تم لوگ میری طرف سے کفایت کر دو گے؛ لیکن مجھے پسند نہیں ہے کہ میں تم لوگوں کے مقابلہ امتیاز اور بڑائی اختیار کروں، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے ایسے شخص کو پسند نہیں کرتے ہیں، جو اپنے ساتھیوں میں بڑے بنتے ہوں: ''فإن الله سبحانه وتعالى يكره من عبده أن يراه متميزا بين أصحابه''۔ (۴)

---

(۱) بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الخندق، حدیث نمبر: ۴۰۹۹۔

(۲) بخاری، عن انس، باب التحریض علی القتال، حدیث نمبر: ۲۸۳۴۔

(۳) بخاری، عن انس، باب الحمائل وتعلیق السیف بالعنق، حدیث نمبر: ۲۹۰۸۔

(۴) کشف الخفاء: ۱/ ۲۵۱۔

اُن ہی میں سے ایک

آپ اپنے رفقاء کے ساتھ اس طرح رہتے تھے کہ گویا آپ ﷺ ان ہی میں سے ایک ہیں، حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ انصار کے یہاں تشریف لے جاتے تھے، ان کے بچوں کو سلام کرتے تھے، بچوں کے سر پر ہاتھ پھیرتے تھے اور انھیں دُعائیں دیتے تھے، (۱) حضرت سہل بن حنیفؓ سے روایت ہے کہ آپ مسلمانوں میں سے کمزور لوگوں کے پاس تشریف لاتے تھے، ان سے ملاقات کرتے تھے، ان کے بیماروں کی عیادت فرماتے تھے اور ان کے جنازوں میں شریک ہوتے تھے، (۲) حضرت عبداللہ ابن ابی اوفیؓ نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کو بیواؤں اور مسکینوں کے لئے چلنے اور ان کی ضرورت پوری کرنے میں کوئی عار نہیں ہوتا تھا۔ (۳)

تحمل و بُردباری

بہت سے لوگ جو دیہاتوں کے رہنے والے تھے، عام طور پر تہذیب ناآشنا ہوتے تھے؛ لیکن آپ ﷺ ان کی باتوں کو بھی خندہ پیشانی سے سہ جاتے تھے، ایک موقع پر ایک دیہاتی شخص نے اس زور سے چادر مبارک کھینچ دی کہ گردن مبارک پر نشان پڑ گیا، آپ نے صرف اس قدر فرمایا کہ تم اسے بھلے طریقہ پر بھی تو کہہ سکتے تھے، (۴) حضرت جبیر ابن مطعمؓ کہتے ہیں کہ غزوۂ حنین سے واپس ہوئے تھے جب ڈھیر سارا مالِ غنیمت آیا تھا، لوگوں نے آپ ﷺ سے مانگتے ہوئے اس قدر دِق کر دیا کہ آپ ایک درخت سے جا لگے، ایک دیہاتی نے چادر مبارک تک کھینچ لی، آپ کھڑے ہو گئے اور ارشاد فرمایا: اگر میرے پاس ان درختوں کے

(۱) سنن بیہقی، عن انس، باب ابناء الانصار، حدیث نمبر: ۸۲۹۱۔
(۲) مستدرک حاکم، باب تفسیر سورۃ ق، حدیث نمبر: ۳۷۳۵۔
(۳) نسائی، باب ما یستحب من تقصیر الخطبۃ، حدیث نمبر: ۱۴۱۳۔
(۴) بخاری، کتاب فرض الخمس، حدیث نمبر: ۳۱۴۹۔

میدان کے برابر جانور ہوتے تو میں اس کو بھی تمہارے درمیان تقسیم کر دیتا، تم مجھے بخیل، جھوٹا اور بزدل نہیں پاؤ گے۔(۱)

مشورہ میں شریک رکھنا

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رفقاء کے ساتھ نہ صرف مالی جہت سے حسن سلوک کرتے تھے؛ بلکہ ان کو مشورہ میں بھی شامل رکھتے تھے؛ حالاں کہ آپ کا ہر عمل وحی الٰہی پر مبنی ہوتا تھا؛ اس لئے آپ کو مشورہ کی ضرورت نہیں تھی؛ لیکن اپنے ساتھیوں کی دل داری اور مشورہ کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشورہ فرمایا کرتے تھے، کثرت سے اپنے ساتھیوں سے کہتے تھے: اے لوگو! مجھے مشورہ دو: ''اشیروا علیّ أیها الناس''(۲) چنانچہ غزوۂ خندق کے موقع پر خندق کھودنے کا فیصلہ حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ سے ہوا؛ بلکہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض اوقات اپنی رائے پر اپنے رفقاء کی رائے کو ترجیح دیتے تھے، جیسا کہ غزوۂ اُحد میں ہوا؛(۳) حالاں کہ بعد کے حالات نے ثابت کیا کہ آپ ہی کی رائے درست تھی؛ لیکن کبھی آپ نے ان ساتھیوں پر کوئی نکیر نہیں فرمائی، جن کے مشورہ پر عمل کیا گیا تھا اور جو بظاہر مسلمانوں کے لئے نقصان کا سبب ہوا۔

دینی تربیت

جہاں آپ اپنے رفقاء کی مادی ضرورتوں کا اور دل داری وحسن سلوک کا لحاظ رکھتے تھے، وہیں ان کی دینی تربیت پر بھی متوجہ رہتے تھے، آپ نے ایک صاحب کو تیز تیز نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، پوری توجہ سے ان کی نماز کا جائزہ لیا اور پھر ان کو اعتدال ومیانہ روی کے ساتھ نماز پڑھنے کی تلقین کی،(۴) ایک موقع پر اپنے رفقاء سے فرمایا: جس طرح مجھے نماز پڑھتے

(۱) صحیح بخاری، باب ماکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعطی المؤلفة قلوبهم الخ، حدیث نمبر: ۳۱۴۸۔
(۲) مسلم، باب نقض الکعبة وبنائها، حدیث نمبر: ۴۰۲۔
(۳) سیرۃ ابن ہشام: ۲/۶۰۔
(۴) مسلم، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۳۹۷۔

ہوئے دیکھتے ہو، اسی طرح نماز پڑھا کرو: ''صلوا کما رأیتمونی أصلي''(۱) حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: شاید اس کے بعد پھر میرا اور تمہارا حج ایک ساتھ نہ ہو پائے؛ اس لئے مجھ سے ضرور ہی حج کا طریقہ سیکھ لو: ''لتأخذوا مناسکم''(۲) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے قرآن پڑھوا کر سنا، (۳) حضرت ابوبکرؓ سے اپنے سامنے ایک مقدمہ کا فیصلہ کروایا، (۴) حضرت معاذ بن جبلؓ کو اجتہاد کے اُصول بتلائے، (۵) حضرت علیؓ کو قضاء کا کام سپرد کرتے ہوئے نئے پیش آنے والے مسائل کے حل کا منہج سمجھایا، کہ ان مسائل میں انفرادی رائے قائم کرنے کے بجائے اجتماعی غور وفکر کا طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔(۶)

دینی تربیت ہی کا ایک پہلو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی تمام تر نرمی، رحم دلی، تواضع اور خوش اخلاقی کے باوجود احکام شریعت کے معاملہ میں سختی سے کام لیتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت اسامہ بن زیدؓ کو بہت چاہتے تھے، عرب کے ایک معزز قبیلہ کی ایک خاتون نے چوری کر لی تھی اور اس پر شرعی سزا جاری کرنے کا مسئلہ تھا، حضرت اسامہؓ نے اس کے حق میں سفارش کی، تو آپ کے چہرے کا رنگ بدل گیا، آپ نے نہ صرف ان کی تنبیہ کی؛ بلکہ اس موقع سے خطبہ بھی ارشاد فرمایا: گذشتہ قومیں اسی بنیاد پر ہلاک کر دی گئیں، کہ ان میں کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو لوگ انھیں چھوڑ دیتے اور کوئی معمولی آدمی چوری کرتا تو اس پر سزا جاری کرتے، خدا کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو اس کے بھی ہاتھ کاٹے جاتے۔(۷)

صلح صفائی

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات کا بھی خیال رکھتے کہ اگر اپنے رفقاء کے درمیان کوئی رنجش پیدا ہو جائے تو اسے دُور فرما دیں، ایک بار تو ایسا ہوا کہ آپ قبیلہ بنو عوف میں صلح کرانے کے لئے

(۱) بخاری، باب رحمۃ الناس والبھائم، حدیث نمبر:۶۰۰۸۔ (۲) مسلم، حدیث نمبر:۱۲۹۷۔
(۳) مسلم، حدیث نمبر:۸۰۱۔ (۴) کنز العمال:۱۲۸/۵۔
(۵) ترمذی، کتاب الاحکام، حدیث نمبر:۱۳۲۷۔ (۶) المعجم الاوسط:۱۶۱۸۔
(۷) بخاری، باب حدیث الغار، حدیث نمبر:۳۴۷۵۔

تشریف لے گئے اور اس کوشش میں اتنی تاخیر ہوگئی کہ حضرت بلالؓ نے نماز کے لئے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو آگے بڑھا دیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعد میں آکر شریک ہوئے، (۱) اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض صحابہ کے درمیان، مہاجرین وانصار کے درمیان، اور انصار کے دو قبائل اَوس وخزرِج کے درمیان اختلاف کو دُور کرنے کی کامیاب کوشش کی اور میل ملاپ کے ماحول کو باقی رکھنے کا سبق دیا۔

اپنے احباب کے ساتھ اس حسن سلوک کا نتیجہ تھا کہ ہر صحابی کا دل آپ کی محبت سے لبریز ہوتا، حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ بعض لوگ وہ تھے، جو دنیاوی مفاد کے لئے اسلام قبول کرتے تھے؛ لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد ان کو مسلمان ہونا دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے عزیز تر ہوجاتا تھا۔ (۲)

غرض کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والا صفات اپنے دوستوں، بے تکلف ساتھیوں، ہم عمروں اور رفقاءِ کار کے ساتھ خوشگوار برتاؤ کی ایک بہترین مثال ہے!

● ● ●

(۱) بخاری، عن سہل ابن سعد ساعدی، باب من دخل لیوم من الناس الخ، حدیث نمبر: ۶۸۴۔

(۲) مسلم، باب ماسئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیئاقط، فقال: لا، وکثرۃ عطائہ، حدیث نمبر: ۲۳۱۲۔

یتیموں اور بیواؤں کے ساتھ سلوک ☆

انسانی سماج میں کچھ ایسے بچے بھی مل جائیں گے جو شفقت پدری سے محروم ہیں، جن کے سر سے والد کا سایہ اُٹھ چکا ہے، عہد نبوی سے قبل — جس کو زمانۂ جاہلیت کہا جاتا ہے — میں روزمرہ کی قتل وغارت گری اور بدامنی کی وجہ سے یتیموں کی کثرت تھی؛ لیکن ان کی ذہنی وفکری اور اخلاقی ومذہبی تربیت کا کوئی انتظام تو دُور کی بات ہے تصور تک نہیں تھا، والد کی متروکہ جائداد پر دوسرے رشتہ دار زبردستی قبضہ کر لیتے تھے، مالِ مفت سمجھ کر جتنا جلد ہو سکے، اس پر قبضہ کر لیتے، یتیموں کو بے یار ومددگار چھوڑ دیتے، بڑے ہونے پر شادی بیاہ کی فکر کرنے والا کوئی نہ ہوتا، قرآن کریم نے ان کی اس سنگ دلی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا :

> اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ ، فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ ۔ (۱)
>
> کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو روزِ جزا کا انکار کرتا ہے، تو یہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔

بعض لوگ ایسا کرتے تھے کہ یتیم کا مال جتنا جلد ہو سکے، ختم کرنے کے لئے جلد سے جلد اسراف کے ساتھ مال خرچ کرتے؛ چنانچہ قرآن کہتا ہے :

> کَلَّا بَلْ لَّا تُکْرِمُوْنَ الْیَتِیْمَ ، وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ ، وَتَاْکُلُوْنَ التُّرَاثَ اَکْلًا لَّمًّا ، وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا۔ (۲)

☆ مفتی اشرف علی قاسمی (استاذ: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)۔

(۱) الماعون: ۱-۲۔ (۲) الفجر: ۱۷-۲۰۔

ہرگز نہیں ؛ بلکہ تم لوگ یتیموں کی عزت نہیں کرتے اور مسکینوں کے
کھلانے کی ایک دوسرے کو ترغیب نہیں دیتے اور (مُردوں) کی
میراث سمیٹ سمیٹ کر کھاتے ہو اور مال کو جی بھر کر عزیز رکھتے ہو۔

غرض کہ ہر طرف انسانیت کے اس کمزور طبقہ کے مفاد کا خیال رکھنے والا کوئی نہ تھا؛ بلکہ اُلٹا ان کی کمزوری و بے سہارگی کا غلط فائدہ اُٹھاتے ہوئے دُور کے رشتہ دار تو دُور کے ہوتے ہیں، ان کے مفاد کا خیال وہ کہاں سے رکھتے ؟ قریب کے رشتہ دار —— جن سے ان بے سہارا و بے یار و مددگار طبقہ کے بارے میں کچھ ہمدردی و شفقت اور نصرت وحمایت کی بجا توقع ہوتی ہے —— بھی ''مالِ مفت دلِ بے رحم'' کے مصداق بے رحمی کے ساتھ مال پر قابض ہوجاتے، اور ان کی بے مائگی و بے سہارگی کی وجہ سے ان کا مال ہڑپ کر جاتے، عربوں میں تو یہ ظالمانہ وجابرانہ قانون تھا کہ جو تلوار اُٹھا سکے اور میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت دے سکے، وہی میراث کا مستحق ہوتا تھا؛ چوں کہ عورتیں اس معیار پر کھڑا نہیں اُتر سکتی تھیں، اس لئے بچوں کے مقابلہ عورتیں اس ظالمانہ قانون کی بہت شکار ہوتی تھیں اور اسلام کے آنے تک یہ ظالمانہ سلسلہ چلتا رہا۔

جب اسلام کا آفتاب عالم تاب طلوع ہوا اور قدرت خداوندی دیکھئے کہ اسلام کے طلوع آفتاب کا ذریعہ ایسی ذات اقدس کو بنایا جن کے ظہور قدسی سے قبل ہی والد کا سایہ اُٹھ جاتا ہے، چھ ماہ بعد ہی والدہ محترمہ کا بھی انتقال ہوجاتا ہے اور اس دریتیم کی پرورش و پرداخت دادا کے ذریعہ اور پھر چچا کے ذریعہ ہوتی ہے، قرآن کریم میں اللہ پاک نے ان مصائب کو اور پھر اپنے احسانات کو ذکر کیا ہے :

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ، وَ وَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ، وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ، فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۔ (۱)

کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پایا؟ پھر بھی ٹھکانہ دیا، آپ کو راستہ سے ناواقف پایا پھر راستہ دکھایا، آپ کو غریب پایا اور دولت مند کر دیا، تو یتیم پر سختی نہ کیجئے۔

---

(۱) الضحیٰ:۶-۹۔

ظاہر ہے کہ یتیمی کا احساس اور یتیمی کے درد کی چبھن اس شخص کے علاوہ کس کو صحیح طور پر محسوس ہوسکتی ہے، جسے خود یتیمی کی کڑی دُھوپ میں جھلسنا پڑا اور ماں باپ کی محرومی کی تمازت جھیلنی پڑی ہو، اسی لئے آپ ﷺ کی تعلیم میں اور اسلام کے نظام حیات میں جو اہمیت وفضیلت اور ترغیب وتحریص، یتیموں کی پرورش کے بارے میں ہے، وہ دنیا کے کسی مذہبی فرماں روا اور مذہبی شخصیت کی تعلیم میں نہیں ملے گی۔

آج دنیا لاکھ دارالایتام (Orphan House) بنالے، دارالمعمرین کا انتظام کرے؛ لیکن اپنے کمزوروں اور ضعیفوں کے استحصالی زمانہ میں ان کے حق میں آواز اُٹھانا آسان کام نہیں تھا اور پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کے حق میں نہ صرف آواز اُٹھائی؛ بلکہ ممکن طور پر آپ ﷺ نے یتیموں کی دستگیری کی اور ان پر دست شفقت پھیرا۔

یتیم کی نگہداشت سے جنت میں رسول اللہ ﷺ کی رفاقت

اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا: میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح (قریب قریب) ہوں گے اور آپ ﷺ نے اپنی انگشت شہادت اور بیچ والی انگلی سے اشارہ اور ان کے درمیان تھوڑی سی کشادگی رکھ کر فرمایا، (۱) مطلب یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی کلمہ والی انگلی اور اس کے برابر والی انگلی اس طرح اُٹھایا کہ ان کے درمیان فاصلہ رکھ کر بتلایا کہ جتنا تھوڑا فاصلہ تم میری ان دو انگلی کے درمیان دیکھتے ہو، بس اتنا ہی فرق جنت میں میرے اور اس مردمومن کے مقام میں ہوگا، جو اللہ کے لئے اس دنیا میں کسی یتیم کی کفالت اور پرورش کا بوجھ اُٹھائے، چاہے یتیم وہ اپنا ہو یا پرایا ہو، اس کے ساتھ رشتہ داری کا تعلق ہو یا نہ ہو۔ (۲)

یتیم کی کفالت سے جنت میں داخلہ

یتیم کی کفالت کی وجہ سے اللہ کے رسول ﷺ نے جنت کی بشارت دی ہے؛ چنانچہ ترمذی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے جس مومن بندے نے کسی یتیم

(۱) ترمذی، حدیث نمبر: ۲۰۴۲۔ (۲) معارف الحدیث: ۱۰۶/۶۔

بچے کو گود لے لیا، اپنے کھانے پینے میں شریک کرلیا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں ضرور داخل فرمائیں گے، بشرطیکہ کوئی ایسا گناہ نہ کیا ہو، جو اللہ کے یہاں نا قابل معافی ہیں، جیسے شرک وکفر یا قتل ناحق ہو۔(۱)

اس حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یتیم کی کفالت پر جنت کی بشارت کے لئے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ وہ آدمی ایسے گناہ کا عادی نہ ہو جو اللہ کے نزدیک نا قابل معافی ہو، جیسے شرک وکفر اور ناحق خون وغیرہ، اور حقیقت یہ ہے کہ قرآن واحادیث میں فضیلت وبشارت کی جتنی حدیثیں آتی ہیں، ہر ایک کے لئے بنیادی شرط ہے کہ نا قابل معافی گناہ کا ارتکاب نہ کیا گیا ہو۔

یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرنا

حضرت ابواُمامہؓ کی ایک روایت میں یہ بھی منقول ہے کہ صرف اللہ کو خوش کرنے کے لئے کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا تو سر کے جتنے بال پر ہاتھ لگایا، اتنی نیکیاں لکھی جائیں گی،(۲) گویا یتیم کے ساتھ حسن سلوک خالصتاً لوجہ اللہ ہو، کوئی دنیوی مفاد پیش نظر نہ ہو تو اس کے لئے اتنی نیکیاں لکھی جائیں گی، جتنے بالوں پر اس نے دستِ شفقت رکھا ہے۔

جس گھر میں یتیم ہو، وہ سب سے بہتر

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ گھرانہ سب سے بہترین ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ بہتر سلوک کیا جاتا ہو اور سب سے بدترین گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ بُرا سلوک کیا جاتا ہو۔(۳)

اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یتیم کے کسی گھر میں ہونے کو گھر میں خیر وبرکت کی دلیل فرمایا اور گھر میں اس کے نہ ہونے کو نامسعود فرمایا۔

---

(۱) ترمذی، حدیث نمبر:۲۰۴۱۔ (۲) مسند احمد، حدیث نمبر:۲۲۲۰۷۔

(۳) ابن ماجہ، حدیث نمبر:۳۸۱۰۔

دل کی سختی کا روحانی علاج

یتیموں کے ساتھ شفقت و ہمدردی اس بات کی علامت ہے کہ انسان میں دردمندی کا اور رحمت وشفقت کا جذبہ موجود ہے، اگر کسی کا دل اس عظیم صفت سے خالی ہو، دل سخت ہوتو اس کا علاج یہ ہے کہ کسی یتیم کے سر پر دست شفقت پھیرے، دل کی سختی وقساوت دُور ہوجائے گی؛ چنانچہ ایک حدیث میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دل کی سختی کی شکایت کی ، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یتیموں کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو اور مسکینوں اور حاجت مندوں کو کھانا کھلایا کرو۔(۱)

چنانچہ اس تعلیم نے عربوں کی کایا پلٹ دی، وہ دل جو یتیموں اور مجبوروں ، بے کسوں کے سلسلہ میں زیادہ سخت تھے، موم سے زیادہ نرم ہوگئے اور ہر صحابی کا گھر یتیم خانہ ہوگیا، ایک ایک یتیم کی پرورش کے لئے کئی کئی ہاتھ بڑھنے لگے اور ہر صحابی یتیم کی پرورش کے لئے بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے۔

چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کسی یتیم کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے،(۲) حضرت عائشہؓ کے بارے میں مؤطا امام مالک میں ہے وہ اپنے خاندان اور انصار وغیرہ کی یتیم لڑکیوں کو اپنے گھر لاکر پرورش کرتی تھیں۔(۳)

صحابہ کرام یتیموں کی پرورش ہی نہیں کرتے تھے؛ بلکہ مختلف طریقوں سے ان کی امداد اور دستگیری کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک یتیم نے آپ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص پر ایک نخلستان کا دعویٰ کیا، مگر اس کا ثبوت پیش نہ کرسکا، اس لئے آپ ﷺ نے مدعا علیہ سے فرمایا کہ تم یہ نخلستان اس کو دے دو، اللہ تم کو اس کے بدلہ میں جنت دے گا، وہ اس کے لئے آمادہ نہ ہوا، ایک صحابی حضرت ابوالدحداحؓ موجود تھے انھوں نے اس شخص سے کہا کہ تم اس نخلستان کو

(۱) مسند احمد، حدیث نمبر:۹۰۱۸۔
(۲) ادب المفرد، باب فضل من یعول یتیماً من بین ابویہ، حدیث نمبر: ۱۳۴۔
(۳) مؤطا امام مالک، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر:۵۸۶۔

میرے نخلستان سے بدل سکتے ہو، وہ تیار ہوگیا، حضرت ابوالدحداح ؓ نے اس کا نخلستان اپنے نخلستان سے بدل کر یتیم کے حوالہ کر دیا۔(۱)

مال کی حفاظت ونگرانی

جیسے ہی یتیم باپ کے سایۂ شفقت سے محروم ہوتا، زمانۂ جاہلیت میں اس کے باپ کے رشتہ دار اس کے مال پر قبضہ کر لیتے اور آج بھی تقریباً یہی کیفیت جاہلانہ سماج میں موجود ہے، رسول اللہ ﷺ کی رحمت وشفقت دیکھئے کہ اولیاء کو اس سے منع فرمایا اور حکم دیا کہ یتیموں کے مال ان کے حوالہ کر دیں، اس میں کسی قسم کا ناجائز تصرف نہ کریں، قرآن کریم میں صاف اور واضح ہدایت ہے کہ :

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۔ (۲)

اور یتیموں کا مال ان کے حوالہ کر دو، ان کے اچھے مال کو اپنے بُرے مال سے نہ بدلو اور نہ ان کے مال میں اپنا مال ملا کر کھا جاؤ، یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

یہاں تک کہ یتیم کے مال کھانے کو آگ کا انگارہ کھانے کی وعید سنائی گئی اور فرمایا گیا کہ یہ لوگ جہنم کا ایندھن بنیں گے :

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۔ (۳)

جو لوگ ظلماً یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں، وہ دراصل آگ کا انگارہ کھا رہے ہیں اور وہ عنقریب دوزخ میں جائیں گے۔

---

(۱) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ذکر ابوالدحداح: ۱۶۴۵/۴۔

(۲) النساء:۲۔

(۳) النساء:۱۰۔

اور کتنے ہی لوگ مال محفوظ تو رکھتے ہیں؛ لیکن اس ڈر سے کہ بڑے ہوجائیں گے تو یہ ہم سے مال کا مطالبہ کرنے لگیں گے، جلدی جلدی ان کی ذات پر خرچ کرتے ہیں، اس سے بھی منع فرمایا گیا: ''لَا تَاْكُلُوْهَاۤ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا''۔(۱)

مال کی نگرانی کا معاوضہ

رہ گئی یہ بات کہ یتیم اور اس کے مال کی نگرانی کا معاوضہ اور حق الخدمت، یتیم کے مال سے لیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ اہم مسئلہ تھا، قرآن نے اس سلسلہ میں صاف صراحت کردی کہ جو سرپرست مالدار ہو، خود کفیل ہو، اس کو یتیم کے مال سے بچنا چاہئے اور جو محتاج ہو وہ دستور کے مطابق لے سکتا ہے۔(۲)

یتیم لڑکیوں کی شادی

اس بے سہارا طبقہ کے ساتھ ایک بڑا ظلم یہ بھی تھا کہ بعض اولیاء خود ہی دولت مند یتیم لڑکیوں سے شادی کرلیتے تھے اور ان کے ساتھ بدسلوکی کرتے تھے، ظاہر ہے کہ یہ اس بدسلوکی کے پس پردہ یہی جرأت کارفرما تھی کہ اس بدسلوکی و ناانصافی پر کون گرفت کرے گا؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ قرآن نے اس غلط سوچ کی تردید کی اور کہا کہ اگر تم ان یتیموں کو انصاف کے ساتھ نہیں رکھ سکتے اور اندیشہ ہو کہ ان کے بے سہارا ہونے کی وجہ سے تم سے ظلم و ناانصافی سرزد ہوسکتی ہے، تو پھر ان کے علاوہ دوسری غیر یتیم عورتوں سے نکاح کرلو کہ اس میں ان کے والدین اور رشتہ داروں کے خوف کی وجہ سے ناانصافی کے امکانات کم سے کم رہیں گے:

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ۔(۳)

اگر تم کو اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے ساتھ انصاف نہیں کرسکو گے (تو ان کو چھوڑ کر) دوسری عورتوں سے شادی کرو۔

(۱) النساء:۶۔ (۲) النساء:۹۔ (۳) النساء:۳۔

مالِ غنیمت میں یتیموں کا حصہ

اسلام نے محض پرورش و پرداخت کی ہی ترغیب نہیں دی؛ بلکہ فئے اور مالِ غنیمت میں یتیموں کا حصہ مقرر کیا؛ چنانچہ اللہ کا ارشاد ہے :

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۔ (۱)

اور مسلمانو! جان لو کہ تم کو جنگ میں سے جو مالِ غنیمت حاصل ہوا، اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول کا ہے اور قرابت داروں اور یتیموں، محتاجوں اور مسافروں کا ہے۔

یتیم خانہ

اسلامی بیت المال میں دوسرے ابوابِ خیر کے ساتھ یتیموں کی امداد کے لئے بھی ایک مد رکھی گئی، اسلامی حکومتوں نے اس کے لئے مستقل یتیم خانے قائم کئے، جن میں یتیموں کی پرورش اور نگہداشت کے ساتھ ساتھ ان کی تعلیم و تربیت کا پورا پورا انتظام ہوتا تھا۔

سب سے پہلے یتیم خانہ کی تعمیر

اس سلسلہ میں کسی اور مذہب کے پیروکاروں کو نہیں؛ بلکہ اسلام کے پیروکار کو ہی سب سے پہلے یتیم خانہ کی تعمیر کا کریڈٹ جاتا ہے، اس کے بعد اس کا سلسلہ برابر قائم رہا، ہر اسلامی حکومت میں یتیم خانہ ضرور ہوتا تھا، اور کتنے ہی اصحابِ خیر تھے، جنھوں نے ذاتی یتیم خانہ قائم کر رکھا تھا، جو اس کے علاوہ تھے، ان کے لئے وہ بڑی بڑی جائدادیں وقف کرتے تھے — دیکھا جائے تو یتیم خانوں کی تعمیر و بنیاد درحقیقت مسلمانوں نے رکھی، جس کی تقلید دوسری قوموں اور حکومتوں نے کیا ہے، ان سے پہلے اس کی مثال نہیں ملتی۔(۲)

(۱) الانفال:۴۱۔ (۲) دینِ رحمت:۱۵۴۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں :

آج دنیا کے شہر شہر میں یتیم خانے قائم ہیں، مگر اگر یہ سوال کیا جائے، کیا محمد رسول اللہ (ﷺ) سے پہلے بھی یہ بدقسمت گروہ اس نعمت سے نا آشنا تھا، تو تاریخ کی زبان سے جواب نفی میں ملے گا، اسلام پہلا مذہب ہے جس نے اس مظلوم فرقہ کی دادرسی کی، عرب پہلی سرزمین ہے، جہاں کسی یتیم خانہ کی بنیاد پڑی اور اسلام کی حکومت دنیا کی پہلی حکومت ہے جس نے اس ذمہ داری کو محسوس کیا، عرب، مصر، شام، عراق، ہندوستان، جہاں جہاں مسلمانوں نے اپنی حکومت کی بنیادیں ڈالیں، ساتھ ساتھ ان مظلوموں کے لئے بھی امن وراحت کے گھر بنوائے، ان کے لئے وظیفہ مقرر کئے، مکتب قائم کئے، جائدادیں وقف کیں اور دنیا میں ایک نئے انسٹی ٹیوشن کی طرح ڈالی اور قانوناً قاضیوں کا یہ فرض قرار دیا کہ وہ بے والی وسرپرست یتیموں کے سرپرست ہوں، ان کی جائدادوں کی نگرانی، ان کے معاملات کی دیکھ بھال اور ان کی شادی بیاہ کا انتظام کریں اور یہ وہ دستور ہے جس کی پیروی آج یورپ کے ملکوں میں کی جاتی ہے اور لندن کے لارڈ میر یا آفس آرٹ کے حکام مسلمان قاضیوں کے ان فرائض کی نقل کرتے ہیں۔(۱)

بیواؤں کے حقوق کے بارے میں آنحضرت ﷺ کی تعلیمات

انسانی معاشرہ میں یتیموں کی طرح ایک مجبور اور کمزور طبقہ ان افراد کا بھی ہے، جن کو اللہ نے شوہر کے سایہ سے محروم کردیا ہے، ان کو بیوہ کہتے ہیں، بیواؤں کے حقوق کے سلسلہ میں دنیا کے دوسرے مذاہب میں عجیب وغریب تعلیمات ملتی ہیں، یہودی مذہب میں بیوہ عورت

(۱) سیرت النبی: ۶/ ۱۴۴۔

شوہر کے انتقال کے بعد شوہر کے دوسرے بھائی کی ملک ہوجاتی تھی ، وہ جیسا چاہتا اس کے ساتھ سلوک کرتا ، عیسائی مذہب میں گو کہ قانون نہیں تھا ؛ لیکن کوئی صاف اور واضح حکم بھی ان کے بارے میں موجود نہیں ہے ، آج کے خودغرض ماحول میں ایسی بے آسرا عورتوں کو سہارا ملنا مشکل ہوتا ہے ، بالخصوص ہندوستان میں کہ جہاں برادرانِ وطن کے ساتھ معاشرتی اختلاط کے نتیجہ میں تہذیبی اثرات قبول کرنے کی وجہ سے بیواؤں کے نکاح کا مسئلہ سنگین صورت اختیار کرگیا ہے ؛ جب کہ اسلام نے نصیحت کے انداز میں نہیں ؛ بلکہ صریحاً حکم کے انداز میں بیواؤں کا نکاح کرانے کا حکم دیا ہے : '' وَاَنْکِحُوْا الْاَ یَامیٰ مِنْکُمْ '' (۱) (اور اپنے میں سے بے شوہر عورتوں کا نکاح کردو) ۔

اور قربان جایئے پیغمبرِ اسلام ﷺ کی ذات اقدس پر کہ اس حکم کے اُترنے سے پہلے ؛ بلکہ نبوت سے پہلے اس کمزور اور قابل رحم طبقہ کی مدد کی طرف آپ ﷺ نے توجہ فرمائی اور اوجِ شباب کے زمانہ میں ، اپنی عمر کے پچیسویں برس میں چالیس سال کی ایک ادھیڑ عمر خاتون سے عقد فرمایا ، اور پچیس برس تک ان کے ساتھ کامل رفاقت اختیار فرمائی اور جب تک وہ حیات سے رہیں ، کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا ، ان کی وفات کے بعد دس عورتوں سے نکاح کیا ، جن میں سے آٹھ (حضرت سودہؓ ، حضرت حفصہؓ ، حضرت زینبؓ ، حضرت اُم المساکینؓ ، حضرت اُم سلمہؓ ، حضرت جویریہؓ ، حضرت میمونہؓ ، اور حضرت صفیہؓ) بیوہ تھیں ، جن کی کفالت کا بار آپ ﷺ نے اپنے دوش مبارک پر اُٹھایا اور اپنے پیروکاروں کے سامنے اس کے لئے عملی نمونہ پیش فرمایا —— نہ صرف عملی نمونہ بلکہ اپنے ارشادات کے ذریعہ بھی اس مظلوم طبقہ کی امداد کی ترغیب دلائی ؛ چنانچہ فرمایا :

الساعی علی الارملة والمساکین ، کالمجاھد فی سبیل اللہ
أو کالذی یصوم النھار ویقوم اللیل ۔ (۲)

(۱) النور : ۴ ۔
(۲) بخاری ، حدیث نمبر : ۶۰۰۶ ۔

بیوہ اور مساکین کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا یا اس کی طرح ہے جو دن میں روزہ رہتا ہے اور رات کو نماز پڑھتا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے :

الساعی علی الارملة والمساکین کالمجاهد فی سبیل الله واحسبه قال : یشک القعنبی کالقائم لا یفتر وکالصائم لا یفطر ۔ (۱)

بیوہ اور غریب کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والا، خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے (راوی کہتا ہے) میں گمان کرتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ وہ ایسے نمازی کی طرح ہے جو نماز سے نہیں تھکتا اور ایسے روزہ دار کی طرح ہے جو ہمیشہ روزہ رکھتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیوہ عورتوں کو جو حقوق عطا فرمائے، وہ حسبِ ذیل ہیں :

نکاح ثانی

اللہ تعالیٰ نے عام مردوں اور عورتوں کے لئے یہی پسند فرمایا کہ وہ نکاح کر کے ازدواجی زندگی گذاریں، خواہ مخواہ تجرد کی زندگی نہ گذاریں، اس طرح بیوہ عورتوں کے بارے میں بھی اسلام کی تعلیم یہی ہے کہ وہ نکاح میں آجائیں، سابق کی طرح عزت وآبرو اور آسائش وحفاظت کے لئے دوسرا نکاح کرلیں، (۲) اگر کوئی عورت اپنے بچوں کی خیر خواہی کے لئے یا کسی اور شرعی عذر کی وجہ سے دوسرا نکاح نہ کرے تو اس کی اجازت ہے۔

غیر مسلم تہذیبی اثرات کی وجہ سے نکاح بیوگان ایک معیوب بات سمجھی جاتی ہے؛ لیکن یہ ایک طرح سے حلال چیز کو حرام کرنا ہے، جس کا گناہ سخت ترین ہے، حقیقت یہ ہے کہ نکاح بیوگان یا نکاح ثانی کی اجازت اللہ کی طرف سے ایک نعمت سے کم نہیں ہے۔

(۱) بخاری، ۶۰۰۷۔ (۲) النور: ۳۲۔

رشتہ منتخب کرنے کا اختیار

اس کا دوسرا حق نکاح کے انتخاب میں مکمل خود مختار ہونا ہے، کوئی اسے اپنی رائے کا پابند و مجبور نہیں کر سکتا، مرحوم شوہر کے رشتہ دار اور نہ اس کے اپنے کوئی رشتہ دار، رشتہ منتخب کرنے میں اس کو خود مختار رکھا گیا۔

زیب و زینت

بیوہ عورت جب اپنی عدت (یعنی چار مہینے دس دن) پوری کر لے تو وہ شرعی حدود میں رہتے ہوئے زیبائش و آرائش سے کام لے، بیوہ کے بارے میں خیال رکھنا کہ اب اسے بننے، سنورے اور زیبائش و آرائش اختیار کرنے کا حق حاصل نہیں رہا، جاہلانہ خیال ہے، بیوہ کو بھی اچھا کھانے، اچھا پہننے اور خوش و خرم رہنے کا اتنا ہی حق حاصل ہے، جتنا دوسروں کو ہے۔

بیواؤں کے ساتھ حسن سلوک کی فضیلت

اسی لئے بیوہ خواتین کے ساتھ حسن سلوک اور ہمدردی کرنے کو بڑے اجر و ثواب کا کام قرار دیا ہے، صحیح بخاری میں عمر بن میمونؒ کی روایت نقل کی گئی ہے کہ جس میں وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ فرمایا: اگر خدا نے مجھے سلامت رکھا تو میں عراق کی بیواؤں کو اتنا خوش حال کر دوں گا کہ پھر میرے بعد وہ کبھی کسی کی محتاج نہیں ہوں گی، عمرو بن میمونؒ کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے چوتھے دن ہی حضرت عمرؓ شہید کر دیئے گئے۔(۱)

حضرت زید بن اسلمؒ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن خطابؓ ایک جوان عمر کی ایک خاتون ملی اور کہنے لگی اے امیر المؤمنین! میرا شوہر مر گیا ہے اور چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ گیا ہے، خدا کی قسم ان کے پاس بکری کا ایک پایہ بھی پکانے کے لئے نہیں، نہ ان کے پاس کھیتی ہے اور نہ دُودھ والا جانور، مجھے خطرہ ہے کہ قحط انھیں ہلاک نہ کر دے اور میں حفاف بن ایماء غفاری کی بیٹی ہوں، میرا باپ صلح حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا،

(۱) صحیح بخاری، کتاب اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حدیث نمبر: ۳۷۰۰۔

حضرت عمرؓ ان کے پاس کھڑے ہو گئے اور آگے نہ گئے اور پھر فرمایا: مرحبا! تمہارا نسب تو میرے نسب سے ملتا ہے، پھر ایک توانا اونٹ جو گھر میں بندھا ہوا تھا، اس پر دو بوریاں رکھیں اور انھیں اناج سے بھر دیا، اور ان کے درمیان نقدی اور کپڑے رکھ دیئے اور اونٹ کی رسی عورت کے ہاتھ میں تھما دی اور فرمایا کہ اسے لے جاؤ، اس کے ختم ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو اس سے بہتر عطا کر دے گا، اس پر ایک آدمی نے کہا، امیر المومنین! آپ نے اس عورت کو بہت دے دیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا: تیری ماں تجھے کھوئے، خدا کی قسم! میں نے اس کے باپ اور بھائی کو دیکھا کہ انھوں نے ایک مدت تک ایک قلع کا محاصرہ کئے رکھا، یہاں تک کہ اسے فتح کرلیا۔(۱)

آخری بات

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات صرف اللہ کی عبادت ہی تک محدود نہیں؛ بلکہ مخلوق کی خدمت اور خلق خدا کے حقوق کا لحاظ وخیال بھی آپ کی تعلیمات کا حصہ ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ ہر انسان پر دوسرے انسانوں؛ بلکہ اس کو مزید وسعت دیا جائے تو حیوانوں اور دیگر جانداروں کے بھی حقوق ہیں اور جن کی ادائیگی ہر مسلمان کا بنیادی حق ہے، اس کے بغیر کوئی مسلمان حقیقی مسلمان ہی نہیں ہوسکتا، حقوق کے سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف قولی طور پر بلکہ عملی طور پر ان حقوق کو ادا فرمایا ہے، ان واقعات کو سپردِ قلم کرنا ان تنگ دامن صفحات میں ناممکن ضرور ہے؛ لیکن ان تفصیلات کو پڑھ کر ہر سلیم الطبع، غیر متعصب سنجیدہ فکر رکھنے والا پڑھا لکھا شخص ضرور پکار اُٹھے گا: ''وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ''۔

آئے دنیا میں بہت پاک مکرم بن کر
مگر آیا نہ کوئی رحمتِ عالم بن کر

• • •

(۱) صحیح بخاری، کتاب المغازی، حدیث نمبر: ۴۱۶۰۔

غریبوں کے ساتھ سلوک ☆

ذیل میں ہم آپ ﷺ کی زندگی کے ایک پہلو یعنی غریبوں کی ضروریات پوری کرنے سے متعلق آپ ﷺ کے طریقہ اور عمل کا مشاہدہ کریں گے؛ تا کہ ہمارے سامنے ایک عمدہ نمونہ آسکے، اوراس کی روشنی میں ہم اپنے لئے عمل کا راستہ طے کرسکیں۔

حلف الفضول میں شرکت

رسول اللہ ﷺ کی عمر شریف بیس سال کی ہوگی کہ مکہ میں ایک واقعہ ہوا، جس نے اشراف مکہ میں سے کئی افراد کو فکر مند بنادیا، ہوا یوں کہ قبیلہ زبید کا ایک آدمی اپنا سامان لے کر مکہ آیا، ایک ذی اثر اور مالدار شخص عاص بن وائل نے سامان خریدا، اور قیمت روک لی، زبیدی نے شہر میں اپنے حلیفوں سے مدد طلب کی؛ لیکن کوئی بھی عاص بن وائل کے اثر ورُسوخ کی بنا پر مدد کو تیار نہ ہوا، یہ دیکھ کر زبیدی نے صبح سویرے ابوقُبیس نامی پہاڑ پر چڑھ کر اپنی مظلومیت کا رونا رویا، اور قریش کی عزت وکرامت کی دہائی دی، صبح کے وقت تمام قبائل کعبہ کے گرد بیٹھا کرتے تھے، سب سے پہلے حضرت محمد ﷺ کے چچا زبیر نے اس کی مدد کا بیڑا اُٹھایا، اور کئی افراد کو مظلوم کی حمایت کے لئے تیار کیا، یہ لوگ عبداللہ بن جُدعان نامی ایک سردار کے گھر جمع ہوئے، ایک تنظیم بنائی، اور معاہدہ کیا کہ مکہ میں کسی بھی مظلوم کا حق مارا نہ جائے گا، اورسب مل کر ظالم کو ظلم سے روکیں گے اور مصیبت زدوں کی معاشی امداد بھی کریں گے، (۱) یہ لوگ اُٹھ کر عاص بن وائل کے پاس گئے، اور اس سے بزور وقوت سامان واپس لے کر

☆ مولانا سید عبدالرشید (سابق استاذ: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)۔

(۱) سیرت ابن ہشام: ۱/ ۱۳۳، الروض الانف: ۲/ ۴۷۔

زبیدی کو دیا، اس وقت اگرچہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قوم کے عادات واطوار سے اتفاق نہ کرتے تھے؛ لیکن مظلوموں کی اعانت کے لئے آپ نے پورے شعور اور شوق کے ساتھ اس میں شرکت کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے :

شَهِدتُ مَعَ عُمومَتِي حِلفَ المُطيِّبينَ ، فَمَا أُحِبُّ أنْ أَنكُثَهُ وأَنَّ لِي حُمْرَ النَّعَمِ ۔ (۱)

میں نے اپنے چچاؤں کے ساتھ مطیبین کے معاہدہ میں شرکت کی ہے، میں سرخ اُونٹوں کے بدلہ میں بھی اس کو نہیں توڑ سکتا۔

ایک روایت میں ہے کہ اگر اسلام کی آمد کے بعد بھی مجھے اس میں شرکت کے لئے بلایا جاتا تو میں اس میں ضرور شرکت کروں گا۔ (۲)

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر پچیس برس کی ہوئی تو بی بی خدیجہؓ سے شادی ہوئی، جو ایک تجربہ کار اور عقل مند خاتون تھیں، ان کے ساتھ برسوں کی رفاقت رہی، عمر کے بڑھنے کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اندر مذہبی رسم ورواج اور سماجی برائیوں پر سوچ بچار بڑھتا جارہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ کی آبادی کی رونقوں اور شور شرابے سے دُور حرا نامی ایک پہاڑ کے غار میں چلے جاتے، اور دنیا کی اصلاح کے بارے میں غور وفکر کرتے، ایک تڑپ تھی، جو انسانیت کے غلط راستے پر چلنے کی وجہ سے بڑھتی جارہی تھی، یہاں تک کہ کھانا پینا بھی بار بن گیا، کئی کئی دن تک اپنے گھر واپس نہ آتے، بے چینی، بے قراری بڑھتی جارہی تھی، شاید کسی چیز کا انتظار تھا، اور کہیں سے اُمید پوری ہونے والی تھی، اس کی کچھ علامتیں بھی نظر آنے لگی تھیں، یہاں تک کہ ایک روز اسی غم اور فکر میں غار حرا میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک فرشتہ آیا، اور اس نے آسمانوں کے اوپر سے اللہ کا پیغام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنایا، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم تھا کہ یہ ایک بہت بڑی ذمہ داری دی جارہی ہے، جس کو اُٹھانا شاید کسی دوسرے انسان کے بس کی بات نہ تھی، یہ ذمہ داری خدا کا پیغام

(۱) الادب المفرد، عن عبدالرحمٰن بن عوف: ۵۶۷۔ (۲) سیرت ابن ہشام: ۱/ ۱۳۴۔

بندوں تک پہنچانے کی خدمت تھی، ان بندوں تک جو اب تک خدا سے دُور تھے، اور اس کو پہچانتے نہ تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس ذمہ داری کا بہت زیادہ بوجھ محسوس کرتے تھے، اس وقت حضرت خدیجہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جن صفات کو خصوصیت سے ذکر کیا وہ یہ تھیں :

بخدا اللہ آپ کو تنہا نہیں چھوڑے گا، آپ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرتے ہیں، دوسروں کا بوجھ اُٹھاتے ہیں، محتاج کی حاجت روائی کرتے ہیں، مہمان کی ضیافت کرتے ہیں اور حق کی راہ میں آنے والی مشکلات میں مددگار بنتے ہیں۔(۱)

پندرہ برس کی رفاقت میں بیوی کو شوہر کے جن عادتوں اور کاموں کا تجربہ ہوا، وہ یہی تھے، اور یہ رفاہی سرگرمیاں نبوت کے کام میں معاون بننے والی تھیں۔

بہر حال جو کام دیا گیا تھا، شروع کیا، اور اسلام کی تبلیغ کو پھیلانے لگے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو پکار لگائی، اس کو لوگ آسانی سے قبول کرنے والے نہ تھے، مذہبی پیشوا دشمن بن گئے، سرداروں کو ایسا محسوس ہوا کہ اب آقا اور غلام برابر قرار دیئے جائیں گے؛ لہٰذا لوگوں نے آپ کو ستانا شروع کیا، مکہ کے لوگ نہ تو مذہب میں اصلاح چاہتے تھے، اور نہ سماج میں جو ظلم وزیادتی اور طبقہ واریت تھی، اس کو ختم کرنا چاہتے تھے، اس کے باوجود اگر کسی کمزور ولاچار کی مدد کا مسئلہ درپیش ہوتا تو آپ فوراً اس کی فکر کرتے، اور اس کو حل کرنے کے لئے اپنے سخت سے سخت دشمن کے پاس جانے سے بھی نہیں کتراتے تھے۔

● ایک دفعہ کا ذکر ہے، قبیلہ اراش کا ایک شخص کچھ اونٹ لے کر مکہ آیا، ابوجہل نے اس کے اونٹ خرید لئے، اور قیمت دینے میں ٹال مٹول کرنے لگا، وہ بے چارہ بہت پریشان ہوا، حرم گیا، وہاں قریشی سرداروں سے فریاد کی اور کہا کہ میں اس شہر میں اجنبی ہوں، مسافر ہوں، میری مدد کرو، قریشی سرداروں نے کہا: ہم تو کچھ نہیں کر سکتے، تم اس کونے میں بیٹھے ہوئے شخص سے جا کر کہو، وہ تمہارا روپیہ دلا دیں گے، اراشی ناواقف تھا، اور اس کو معلوم نہ تھا کہ ابوجہل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کتنا زیادہ دشمن ہے، وہ شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور ابوجہل کی

---

(۱) صحیح بخاری، عن عائشۃ: ۳۔

شکایت کی کہ ابوجہل نے میرا حق مارا ہے، میں نے فریاد کی تو لوگوں نے آپ کا پتا بتایا، آپ میرا حق دلا دیں، آپ ﷺ اسی وقت اُٹھ کھڑے ہوئے، اور اسے لے کر ابوجہل کے گھر کی طرف چل دیئے، کنڈی کھٹکھٹائی اور ابوجہل سے کہا: اس کا حق ادا کرو، ابوجہل کے چہرہ کا رنگ فق ہوگیا، اس نے کوئی جواب نہ دیا، اور قیمت لاکر اونٹ والے کو دیدی، (۱) یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کی جرأت اور حق کی حمایت میں آپ کی سرگرمی کو ظاہر کرتا ہے، باوجود یہ کہ اس وقت آپ کے سامنے بے شمار مسائل تھے، اور ابوجہل کو آپ سے سخت نفرت تھی؛ لیکن مظلوم کی فریادرسی کے لئے آپ ﷺ نے فوری قدم اُٹھایا۔

● ایک دن رسول کریم ﷺ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حرم میں تشریف فرما تھے کہ قبیلہ زبید کا ایک آدمی آیا، اس نے پکارا: قریش کے لوگو! تمہارے یہاں کون تجارتی مال لانے کی ہمت کرے گا، جب کہ تم باہر سے آنے والوں کو لوٹ لیتے ہو؟ وہ شخص کعبہ کے پاس لگے ہوئے قریش کے حلقوں میں ہر حلقہ کے پاس جا کر آواز لگاتا رہا؛ لیکن کہیں سے اس کو مدد کی اُمید نہ نظر آئی، یہاں تک کہ وہ حضور ﷺ کے حلقہ کے پاس پہنچا اور فریاد کی، حضور ﷺ نے اس سے پوچھا: کس نے تجھ پر ظلم کیا ہے؟ زبیدی نے جواب دیا: ابوالحکم نے، میں اپنے علاقہ کے سب سے عمدہ تین اونٹ لے کر آیا ہوں، ابوجہل نے مجھ سے تین اونٹ خریدنے کی بات کی اور قیمت کم لگائی، وہ صرف ایک تہائی قیمت دینا چاہتا ہے، اب اس کے مقابلہ کوئی شخص ان اونٹوں کو اس سے زیادہ قیمت پر خریدنے تیار نہیں، میرا بہت گھاٹا ہوجائے گا، یہ دیکھ کر حضور ﷺ اس کے اونٹوں کے پاس گئے، دیکھا کہ بہت فربہ اونٹ ہیں، آپ نے اس کی مرضی کی قیمت لگائی، اور تینوں اونٹوں کا سودا کیا، پھر ان میں سے دو اونٹ بیچ کر اس کی قیمت ادا کی، اور تیسرا اونٹ بیچ کر رقم اپنے قبیلہ کی بیواؤں کو پہنچایا، ابوجہل دُور بیٹھا یہ سب دیکھ رہا تھا، آپ اس کے پاس گئے، اس کو ڈانٹا کہ خبردار! تم نے پھر کسی کے ساتھ یہ حرکت کی، جو اس بدو کے ساتھ کی ہے تو میں بری طرح پیش آؤں گا۔(۱)

(۱) سیرت ابن اسحاق: ۱۹۶۔

(۱) الاکتفاء بما تضمنہ من مغازی رسول اللہ ﷺ والثلاثۃ الخلفاء: ۱/ ۲۳۰، امتاع الاسماع: ۶/ ۲۳۷۔

● ایک بار کا واقعہ ہے، ایک شخص کا چھوٹا بچہ تھا، وہ شخص مرنے لگا، تو اس نے ابوجہل کو بلایا، گھر کا مال اور بچہ اس کے سپرد کیا کہ وہ نگرانی کرے، اور وصیت کر کے مر گیا، ایک دن وہ بچہ اس حال میں ابوجہل کے پاس آیا کہ اس کے بدن پر کپڑے تک نہ تھے، وہ بہت گڑگڑایا کہ اس کے باپ کے مال میں سے کچھ دیدے، مگر اس ظالم نے رحم نہ کھایا، بچہ کھڑے کھڑے مایوس ہو کر چلا گیا، قریشی سرداروں نے شرارتاً اس بچہ سے کہا کہ وہ محمد کے پاس جائے، وہ مال دلا دیں گے، بچہ بھولا تھا، سیدھا حضور ﷺ کے پاس پہنچا، اپنا حال کہا، آپ اسی وقت اُٹھ کھڑے ہوئے، بچہ کو ساتھ لے کر اپنے بدترین دشمن ابوجہل کے گھر آئے، اس نے جیسے ہی حضور ﷺ کو دیکھا استقبال کے لئے بڑھا، جب آپ نے فرمایا کہ اس بچہ کا حق ادا کرو تو وہ فوراً مان گیا، اور مال لا کر بچہ کے سپرد کر دیا۔(۱)

۶۲۲ء میں جب کہ آپ کی عمر ۵۳ سال کی تھی، مدینہ منتقل ہوئے، یہاں آپ ﷺ کی ذمہ داریاں بڑھ چکی تھیں، آپ کو نبی کی حیثیت سے دین کی تبلیغ بھی کرنی تھی، سربراہ مملکت کی حیثیت سے تمام شہریوں کی خبر گیری بھی کرنی تھی، ان حالات میں آپ نے غریبوں کی حاجت روائی کا انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح سے انتظام فرمایا۔

فقرائے مہاجرین کی ضرورتوں کے حل کی تدبیر

ہجرت مدینہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کو اجتماعی طور پر فقرائے مہاجرین کی ضرورتوں کو پورا کرنے کا مسئلہ درپیش ہوا، یہاں انفرادی طور پر حاجت روائی مسئلہ کا حل نہ تھی، آپ نے ان کا اجتماعی بندوبست فرمایا، اور مواخات کا نظام قائم کیا، یہ نظام دراصل ایثار، بے لوثی اور احسان پر قائم تھا، اور مکہ سے آنے والے مہاجرین اور مدینہ کے رہنے والے انصار کے درمیان ہونے والے اس بھائی چارہ نے ہمدردی، غمگساری اور ایثار کا ایسا نقش قائم کیا جو رہتی دنیا تک تاریخ کے صفحات پر ثبت رہے گا، انصار نے مہاجرین کی حاجت روائی کی، مدینہ میں

---

(۱) السیرۃ الحلبیۃ: ۱/ ۴۴۵۔

قائم ہونے والی اس نوخیز ریاست نے مہاجرین کے مسئلہ کو بڑی خوش اُسلوبی سے حل کیا، روایت میں آتا ہے کہ اس بھائی چارہ کا ایک عہد نامہ بھی تیار کیا گیا تھا، جو انسؓ کے گھر میں اور ایک روایت کے مطابق مسجد نبوی میں تحریر کیا گیا تھا، جس میں لکھا تھا کہ میراث کا نظام اب رشتہ داروں کے بجائے مواخات میں شریک ہونے والوں کے درمیان چلے گا،(۱) ابوداؤد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت انسؓ کے گھر میں رسول اللہ ﷺ نے دو تین مرتبہ بھائی چارہ کرایا تھا،(۲) بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے جیسے مہاجرین کی آمد ہوتی جاتی تھی، حضرت محمد ﷺ نئے آنے والوں اور انصار کے درمیان بھائی چارہ کراتے تھے،(۳) جو کبھی مسجد میں انجام پاتا، اور کبھی کسی کے گھر میں، انصار مدینہ نے اس سلسلہ میں یہاں تک دلچسپی دکھائی کہ مہاجرین کو اپنے گھر لے جانے میں ایک دوسرے پر بازی لے جانے لگے، اور جب بات نہ بنتی تو قرعہ نکالنے کی نوبت آتی۔(۴)

ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے پانچ ماہ بعد بھائی چارہ کرایا،(۵) مواخات کا نظام مدینہ سے پہلے مکی زندگی میں بھی مسلمانوں کے درمیان قائم کیا گیا تھا،(۶) ابن حجرؒ کہتے ہیں: متعدد علماء نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کے درمیان دو مرتبہ بھائی چارہ کروایا تھا، ایک مرتبہ آپس میں صرف مہاجرین کے درمیان، اور دوسری مرتبہ مہاجرین اور انصار کے درمیان، حافظ ابن حجرؒ نے ابن عبدالبرؒ سے نقل کیا ہے کہ مہاجرین کے درمیان جو بھائی چارہ ہوا تھا وہ مکہ میں ہوا تھا، اور دوسری مرتبہ مدینہ آمد کے بعد ہوا۔(۷)

(۱) دیکھئے: صحیح بخاری، عن ابن عباس: ۲۲۹۲، عن انس: ۲۲۹۵۔
(۲) سنن ابی داؤد، عن انس: ۲۹۲۶۔
(۳) دیکھئے: صحیح بخاری، عن انس: ۶۰۸۲۔
(۴) دیکھئے: صحیح بخاری، عن اُم العلاء الانصاریہ: ۲۶۸۷۔
(۵) الاستیعاب: ۱/ ۴۲۔
(۶) فتح الباری: ۱۰/ ۵۰۱۔
(۷) فتح الباری: ۷/ ۲۷۰۔

مواخات کے اس نظام کی وجہ سے فقرائے مہاجرین کو بڑا سہارا ملتا تھا، مدینہ میں ان کے لئے سر چھپانے کی جگہ نہیں تھی، اپنا گھر بار، کاروبار اور زمینیں وغیرہ اپنے وطن میں چھوڑ کر انھیں ہجرت پر مجبور ہونا پڑا تھا، انصار ان کو گھر میں ٹھہراتے، کاروبار اور کھیتی باڑی میں شریک کرتے، ان کی دلجوئی کرتے، اور وطن کی فرقت کا غم دُور کرتے، (۱) اگر وہ بیمار ہوتے تو ان کی تیمار داری کرتے، انتقال ہوتا تو تجہیز وتکفین کرتے، (۲) اور اگر انصاری کا انتقال ہوتا تو رشتہ داروں کے بجائے مہاجر بھائی ان کے وارث ہوتے، انصار کے اس احسان وایثار کا مہاجرین نے غلط فائدہ نہیں اُٹھایا، وہ ان پر بوجھ بننے کے بجائے ان کی مدد کرتے، اور محنت کر کے اپنی روزی مہیا کرتے، مدینہ کے انصار کو کھیتی باڑی کا تجربہ تھا، اور مکہ سے آنے والے تجارت اور کاروبار کے ماہر تھے، اگر چہ کہ مدینے کی آمدنی کے ذرائع کے حساب سے مہاجرین کی تعداد زیادہ تھی؛ لیکن محبت اور ایثار کے جذبات کے ساتھ ہونے والے اس بھائی چارہ نے مدینہ کی معیشت پر اچھا اثر ڈالا، جس گھر میں ایک ذمہ دار تھا، وہاں دو کمانے والے ہو گئے، باغ والے کو مزدور مہیا ہوئے، تاجروں کو تجربہ کار معاون ملے۔

جلد ہی اس کے نتیجے ظاہر ہوئے، عبدالرحمٰن بن عوفؓ جب ہجرت کر کے آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو سعد بن ربیع انصاریؓ کا بھائی بنایا، جو صاحبِ حیثیت تھے، سعد نے بھائی کے سامنے مال واسباب کی پیشکش کی، عبدالرحمٰن نے کہا: مجھے ان سب کی ضرورت نہیں؛ البتہ بازار کی رہنمائی چاہتا ہوں، سعد نے بنوقینقاع کے بازار کا راستہ بتایا، جہاں سناروں کی دُکانیں تھیں، دن بھر کی محنت کے بعد عبدالرحمٰن رات کو نفع میں کچھ پنیر اور گھی بچا کر لائے، اور چند ہی دن میں اتنی حالت بہتر کر لی کہ شادی کا انتظام ہو گیا، اور شادی کر لی۔ (۳)

اصحابِ صفہ

مدینہ میں ایک اور گروہ کے معاشی مسائل کا حل بھی ایک اہم مسئلہ تھا، یہ مکہ مکرمہ

---

(۱) الروض الانف: ۱۷۸/۴۔

(۲) صحیح بخاری، عن اُم العلاء الانصاریہ: ۲۶۸۷۔

(۳) صحیح بخاری، عن عبدالرحمٰن بن عوف: ۲۰۴۸۔

اور دیگر مقامات سے مدینہ منورہ کی طرف اسلام کو قبول کرتے ہوئے اپنے وطن کو چھوڑ کر ہجرت کر کے آنے والے متعدد غریب الدیار افراد تھے، جن کے لئے رہنے سہنے کا کوئی ٹھکانہ اور کھانے پینے کا کوئی انتظام نہ تھا، اپنے وطن میں انھوں نے گھر بار، مال و دولت اور اسباب چھوڑا تھا، ان نو وارد افراد کے لئے مدینہ میں فوراً کسی کام میں جڑنے کی گنجائش نہ تھی، مدینہ کی معیشت کا اصل دار و مدار کھیتی باڑی اور نخلستانوں پر تھا، جب کہ مکہ سے آنے والے تجارتی پس منظر رکھتے تھے، نیز ان کے پاس کوئی سرمایہ بھی نہ تھا کہ اس کے ذریعہ کاروبار شروع کر سکتے، انصار مدینہ نے ان مہاجرین کی دلداری اور امداد میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی، اس کے باوجود بعض مہاجرین کو ٹھکانہ نہ مل سکا، غزوۂ خندق سے پہلے تک مہاجرین کی آمد کا سلسلہ مستقل طور پر جاری رہا۔

دائمی طور پر نقل مکانی کرنے والوں کے علاوہ مدینہ طیبہ کی طرف علم اور دین کو حاصل کرنے والے وفود کا سلسلہ بھی شروع ہو چکا تھا، یہ وہ افراد تھے، جو اپنے قبیلوں کے نمائندوں کے طور پر یا خود ذاتی شوق و رغبت سے طلب علم کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتے، (۱) ان میں متعدد وارد ین ایسے ہوتے جن کی جان پہچان مدینہ کے کسی قبیلہ سے نہ ہوتی؛ چنانچہ ان کو بھی مستقل یا محدود مدت کے لئے ٹھکانہ فراہم کرنے کی ضرورت تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان تمام افراد کی رہائش اور ضروریات کو پورا کرنے کی فکر کرتے تھے۔

مدینہ آنے کے سولہ ماہ بعد جب قبلہ بیت المقدس سے مکہ مکرمہ کی طرف پھیر دیا گیا، تو مسجد نبوی کی پچھلی دیوار جو قبلہ کی تھی، خالی ہوگئی، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے اس پر چھت ڈال دی گئی، اس کے اطراف میں کوئی آڑ نہ تھی، جس کی وجہ سے دھوپ، سردی، گرمی اور ہواؤں سے بچاؤ نہیں ہوتا تھا، یہ ایک وسیع چبوترہ تھا، جو بڑی تعداد میں لوگوں کے لئے کافی تھا، حضرت ابوہریرہؓ ان کے امیر بنائے گئے تھے، اور وہ تمام اہل صفہ کو ان کے حالات اور عبادت کے اعتبار سے پہچانتے تھے، ان غریب الدیار حضرات کے پاس کبھی تن ڈھانکنے کے لئے پورا کپڑا

(۱) صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب نوم الرجال فی المساجد۔

بھی نہ ہوتا تھا، حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اصحابِ صفہ میں سے ستر افراد کو اس حال میں بھی دیکھا ہے کہ ان کے پاس کپڑے کا پورا جوڑا نہیں تھا، یا تو اوپر کی چادر تھی، یا نیچے کی چادر تھی، جس کو انھوں نے گردن سے باندھ لیا ہوتا، کسی کی ٹخنے تک اور کسی کی پنڈلیوں تک ستر پوشی ہوتی، چادر کو بیچ میں اپنے ہاتھ سے پکڑ لیتے؛ تاکہ بے ستری نہ ہو۔(١)

رسول اللہ ﷺ ان کی مختلف طریقوں سے خبر گیری فرماتے، ان کے پاس بیٹھتے، ان کی دلجوئی فرماتے، ان کو خود قرآن سکھاتے، ان سے مزاح فرماتے، ٹھکانہ تو چبوترہ پر مل چکا تھا؛ لیکن سب سے اہم مسئلہ ان کے کھانے کا تھا، حدیث اور سیرت کی کتابوں میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے لئے حضور ﷺ نے مستقل نظام بنایا تھا، جس سے ان کے خورد ونوش کی ضروریات پوری ہوتی رہتیں۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے نمازِ مغرب کے بعد اعلان کیا: جس کے پاس دو آدمی کا کھانا ہے وہ تیسرے کو اپنے ساتھ لے جائے، اگر چار آدمی کا کھانا ہو تو پانچویں شخص کو اور پانچ کا ہے تو چھٹے آدمی کو لے جائے، اور اپنا مہمان بنائے، حضرت ابوبکرؓ نے تین آدمی کو مہمان بنایا، اور خود رسول اللہ ﷺ نے دس آدمیوں کے کھانے کا انتظام کیا۔(٢)

ایک روایت میں ہے: رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا مغرب کی نماز کے بعد اہل صفہ کے پاس تشریف لے جاتے، اور انصار ومہاجرین میں سے جو لوگ نماز میں موجود ہوتے ان کے ساتھ اصحابِ صفہ میں سے ایک ایک فرد کو روانہ کرتے، فرماتے: اے فلاں! تم اس آدمی کے ساتھ جاؤ، اور تم فلاں آدمی کے ساتھ جاؤ، صفہ کے ایک فرد کہتے ہیں: میں پانچ افراد کے ساتھ بچ گیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم سب میرے ساتھ آؤ، ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے، اور اماں جان عائشہؓ کے پاس پہنچے، یہ پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: عائشہ! کھانا کھلاؤ، انھوں نے ثرید کی قسم کا کھانا پیش کیا، آپ ﷺ نے

(١) صحیح بخاری: ٤٤٢۔ (٢) صحیح بخاری، عن عبدالرحمٰن بن ابی بکر: ٦٠٢۔

مزید طلب کیا، انھوں نے دوسرا کھانا پیش کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: پینے کے لئے کچھ لاؤ، انھوں نے دُودھ کا بڑا برتن پیش کیا، جب کھا پی چکے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چاہو تو میرے گھر میں سو جاؤ، چاہو تو مسجد چلے جاؤ، مہمانوں نے مسجد جانا پسند کیا۔(۱)

حضرت ابوہریرہؓ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میں بھوک کی وجہ سے اپنا جگر زمین سے چمٹا کر پڑا رہتا، اور کبھی اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیتا، ایک دن میں راستہ میں بیٹھ گیا، حضرت ابوبکرؓ کا اِدھر سے گذر ہوا، تو ان سے قرآن کی ایک آیت کے بارے میں سوال کرنے لگا، مقصد یہ تھا کہ وہ ساتھ لیتے جائیں گے، اور کچھ کھلا دیں گے؛ لیکن انھوں سوال کا جواب دیا اور چلے گئے، پھر حضرت عمرؓ کا اِدھر سے گذر ہوا، تو ان سے بھی میں نے قرآن کے بارے میں سوال کیا، مقصد یہ تھا کہ ساتھ لیتے جائیں گے، اور کچھ ضیافت کر دیں گے؛ لیکن انھوں نے بھی ساتھ نہ لیا، پھر حضرت محمد ﷺ کا گذر ہوا، آپ نے چہرے سے دل کا حال جان لیا، اور کہا: ابوہریرہ! ساتھ چلو، میں ساتھ ہولیا، گھر میں جا کر حضور ﷺ نے میرے لئے اجازت لی اور اندر بلایا، گھر میں ایک پیالہ دُودھ آیا تھا، پوچھا: یہ کہاں سے آیا، جواب ملا: فلاں صاحب نے آپ کے لئے ہدیہ بھیجا ہے، آپ نے ارشاد فرمایا: ابوہریرہ! جاؤ، اہل صفہ کو بلا لاؤ، ابوہریرہ کہتے ہیں: اہل صفہ اسلام کے مہمان تھے، جن کا نہ گھر بار تھا، نہ ٹھکانہ، حضور ﷺ کے پاس جب کہیں سے صدقہ کا مال آتا تو ان کے پاس روانہ کرتے، اور جب کوئی ہدیہ بھیجتا تو ان کو بلاتے، اور خود بھی تناول فرماتے، ان کو بھی شریک کرتے، مجھے اس موقع پر انھیں یاد کرنا اچھا نہ لگا، میں نے دل میں کہا: اتنا ذرا سا دُودھ اہلِ صفہ کے کیا کام آئے گا، مجھے ہی دو گھونٹ میسر ہوجاتا تو بدن میں کچھ قوت آجاتی، جب وہ آئیں گے تو مجھے ہی پلانے کا حکم ہوگا، پھر میرے لئے کیا بچے گا؛ لیکن اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے چارہ کار نہ تھا، میں گیا، اور ان کو بلا لایا، اہل صفہ آئے، اور اجازت لے کر بیٹھ گئے، حضور ﷺ نے فرمایا: ابوہریرہ! میں نے کہا: لبیک یا رسول اللہ، فرمایا: اُٹھو اور سب کو

(۱) سنن ابی داؤد: ۵۰۴۰، سنن کبریٰ نسائی: ۶۵۸۶۔

دُودھ پیش کرو، میں نے پیالہ لیا، ایک ایک کر کے پیش کیا، مہمان پیالہ لیتے، اور آسودہ ہو کر نوش کرتے، پھر مجھے پیالہ واپس کر دیتے، میں دوسرے کو دیتا، وہ بھی سیر ہو کر پیتے اور واپس کرتے، میں سب سے فارغ ہو کر حضور ﷺ تک پہنچا، سب لوگ آسودہ ہو چکے تھے، آپ ﷺ نے پیالہ ہاتھ میں لیا، مجھے دیکھ کر تبسم فرمایا، اور کہا: ابو ہریرہ! میں نے عرض کیا: لبیک یا رسول اللہ! فرمایا: صرف میں اور تم باقی رہ گئے!! میں نے کہا: بے شک صرف میں اور آپ ہی باقی رہ گئے، فرمایا: بیٹھو اور پیو، میں نے بیٹھ کر پیا، فرمایا: اور پیو، میں نے پھر پیا، حضور ﷺ بار بار فرماتے رہے: پیو، یہاں تک کہ میں نے عرض کیا: خدا کی قسم اب مزید کی گنجائش نہیں، فرمایا: مجھے دو، میں نے پیش کیا، آپ نے اللہ کی تعریف کی، بسم اللہ پڑھی، اور سب کا بچا ہوا نوش فرمایا۔(۱)

حضرت ابو ہریرہؓ ایک اور مرتبہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں: تین دن گذر گئے اور مجھے کھانے کا دانہ نہ مل سکا، میں صفہ کی طرف چل دیا، کمزوری کی وجہ سے راستہ میں گرا جا رہا تھا، اور بچے مجھے دیکھ کر پکار رہے تھے، ابو ہریرہ کو جنون ہو گیا، میں کہتا: بلکہ تم کو جنون ہو گیا ہے، اسی حال میں صفہ پہنچا، دیکھا تو رسول اللہ ﷺ کے پاس ثرید کا پیالہ رکھا ہوا تھا، اور اہل صفہ ثرید کھا رہے تھے، میں بھی بھیڑ میں اوپر اُٹھ کر جھانکنے لگا؛ تا کہ مجھ بھی بلا لیں، سب حضرات فارغ ہو کر چلے گئے، اور پیالہ کے اندر کچھ کھانا لگا رہ گیا، رسول اللہ ﷺ نے اس کو سمیٹا تو ایک لقمہ بن گیا، اسے لے کر مجھے دیا اور کہا: اللہ کا نام لے کر کھالو، میں نے اسے کھایا، اور اللہ کی قسم! میں آسودہ ہو گیا۔(۲)

طلحہ بن عمروؓ کہتے ہیں: جب کوئی شخص مدینہ آتا، تو شہر میں اگر اس کا کوئی واقف کار ہوتا تو اس کے پاس قیام کرتا، اور اگر واقف کار نہ ہوتا تو صفہ میں قیام کرتا، میں جب مدینہ آیا تو میری جان پہچان کسی سے نہ تھی، صفہ میں ایک شخص کے ساتھ رہنے لگا، رسول اللہ ﷺ کے پاس سے روزآنہ ایک مد کھجور آجاتی، اور ہم تقسیم کر لیتے۔(۳)

(۱) صحیح بخاری: ۶۴۵۲۔
(۲) صحیح ابن حبان: ۶۵۳۳۔
(۳) مسند احمد: ۱۵۹۸۸، صحیح ابن حبان: ۶۶۸۴۔

انصار کے بعض افراد نے تو اپنے آپ کو اہل صفہ کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا، جو صرف اہل صفہ کے کھانے کا انتظام کرنے کے لئے محنت کر کے کمائی کرتے، ان کی تعداد ستر تھی، یہ لوگ مدینہ میں اپنا گھر بار ترک کر کے اصحابِ صفہ کے ساتھ ہو گئے تھے، اور قراء کہلاتے تھے، مسجد میں قرآن کی تلاوت کرتے تھے، دن کو لکڑیاں کاٹ کر لاتے، اور بازار میں فروخت کر کے اصحابِ صفہ اور فقراء کے لئے کھانے کا انتظام کرتے، مسجد میں پانی کا انتظام کرتے، اور رات کو تعلیم کے حلقے لگا کر سیکھتے اور سکھاتے۔(۱)

غرباء کیلئے مسجد نبوی میں کھجور کی شاخیں

مدینہ منورہ میں جو غرباء اور مساکین تھے، ان کے لئے رسول اللہ ﷺ نے انصار کے مشورہ سے ایک انتظام یہ کیا کہ مسجد میں ان کے لئے کھجور کی شاخ لٹکا دی جاتی، اور جو حاجت مند چاہتا اس میں سے کھجوریں جھاڑ کر اپنا پیٹ بھر لیتا، اس سلسلہ کو دراز کرنے کے لئے یہ بات طے ہوئی کہ انصار مدینہ اپنی باری مقرر کر لیں، ہر شخص باری کے دن اپنے باغ سے خوشہ لاکر مسجد نبوی کے ستون سے لٹکا دیتا، اور اس کام کی ذمہ داری حضرت معاذ بن جبلؓ کو دی گئی، (۲) کھجوریں لٹکانے کے لئے انھوں نے دو ستونوں کے درمیان ایک رسی باندھ دی تھی، (۳) حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ ذمہ داری سے مراد اس کی حفاظت یا تقسیم کا کام تھا۔(۴)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں: باغ والے اپنی حیثیت کے مطابق کھجوریں لاتے، کوئی ایک کوئی دو خوشے لاتا، اور مسجد میں لٹکا دیتا، اہل صفہ کے کھانے کا کوئی مستقل انتظام نہ تھا، جو شخص بھوکا ہوتا، وہ آ کر لکڑی سے کھجوریں جھاڑ لیتا، کچی پکی کھجوریں گرتیں اور وہ کھا لیتا، (۵) ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ زکوۃ کی کھجوریں ہوتی تھیں، اور ان کا نصاب رسول اللہ ﷺ نے مقرر کر دیا تھا، ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر دس وسق کھجور میں سے ایک خوشہ مسجد میں مساکین کے لئے لٹکانے کا حکم دیا تھا۔(۶)

---

(۱) صحیح بخاری: ۳۰۶۴، صحیح مسلم عن انس: ۶۷۷۔ (۲) فتح الباری: ۱/۵۱۶۔
(۳) وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ: ۲/۵۱۔ (۴) فتح الباری: ۱/۵۱۶۔
(۵) سنن الترمذی: ۲۹۸۷۔ (۶) سنن ابی داؤد، عن جابر: ۱۶۶۲۔

اس طرح کی اجتماعی ضرورتوں کی تکمیل کے ساتھ آپ ﷺ انفرادی طور پر پیش آنے والی ضرورتوں کو بھی پورا کرتے رہتے تھے، یہ انفرادی ضروریات کئی طرح کی ہوتی تھیں، جن میں مہمانوں کی ضیافت، یتیموں کے ساتھ حسن سلوک اور سماج کے دبے کچلے لوگوں، مثلاً: بیواؤں اور غلاموں کی ضرورتوں کی تکمیل شامل تھی۔

مہمانوں کے ساتھ حسن سلوک

رسول اللہ ﷺ کے پاس مہمانوں کی آمد کا سلسلہ لگا رہتا، رسول اللہ ﷺ ان کے کھانے کا انتظام کرتے، اور رات کو ٹھہراتے، پھر صبح کو وہ اپنے راستہ پر روانہ ہوجاتا۔

ایک صحابی حضرت مقدادؓ کہتے ہیں کہ میں اور میرے دو ساتھیوں کا بھوک اور مشقت سے بُرا حال ہوگیا تھا، ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے، آپ ہم کو لے کر اپنے گھر تشریف لے گئے، وہاں تین بکریاں تھیں، آپ نے وہ ہمارے حوالے کردیں، ہم کئی دن حضور ﷺ کے پاس رہے، بکریوں کا دُودھ نکالتے، اپنا حصہ پی کر حضور کے لئے الگ رکھ دیتے تھے، اور حضور ﷺ اپنے کاموں سے فارغ ہوکر آتے، اور اپنا حصہ نوش فرماتے۔(۱)

ایک مرتبہ ایک غیر مسلم شخص آپ کا مہمان بنا، آپ ﷺ نے اپنی ایک بکری کا دُودھ اس کو پیش کیا، اس نے پی لیا، پھر دوسری بکری کا دُودھ نکال کر پیش کیا، وہ بھی پی لیا، اس طرح یکے بعد دیگرے سات بکریوں کا دُودھ پی گیا۔(۲)

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ کے پاس کچھ نہ ہوتا، تو آپ اپنے صحابہ میں سے کسی کو مہمان کی ضیافت کا حکم دیتے، حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا، آپ نے اپنے گھروں میں کھانے کے لئے کہلا بھیجا، وہاں سے جواب آیا کہ گھر میں پانی کے سوا کچھ نہیں، یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: کون اس مہمان کی آج ضیافت کرے گا اور اللہ کی رحمت میں داخل ہوگا؟ ایک صحابی حضرت ابوطلحہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ!

---

(۱) صحیح مسلم، عن مقداد بن الاسود: ۲۰۵۵۔ (۲) صحیح مسلم، عن ابی ہریرہؓ: ۲۰۶۳۔

میں کروں گا، یہ کہہ کر وہ مہمان کو اپنے گھر لے گئے، اور پوچھا: کچھ ہے؟ بیوی نے جواب دیا: صرف بچوں کے لئے کچھ ہے، انھوں نے کہا: بچوں کو بہلا کر سلا دو، اور جب مہمان کھانے بیٹھیں تو چراغ بجھا دینا، اور ہم اس طرح ظاہر کریں گے جیسے کھا رہے ہوں، اس طرح مہمان نے آسودہ ہو کر کھایا، اور سب نے بھوکے رات گذاری۔(۱)

یتیموں کے ساتھ حسن سلوک

آپ ﷺ کی تعلیمات میں ہم کو یتیموں کا خاص خیال رکھنے کی تاکید بار بار ملتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''أَنَا وَكَافِلُ الیَتِیمِ فِي الجَنَّةِ هَكَذَا'' یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں میرے ساتھ اس طرح ہوگا، یہ کہہ کر آپ نے دو انگلیوں کی طرف اشارہ کیا۔(۲)

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے، مدینہ میں ایک شخص تھے جن کا نام ابولبابہ بن عبد المنذر تھا، ان کی پرورش میں ایک یتیم بچہ تھا، جس نے کھجور کے ایک درخت کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس ابولبابہؓ کی شکایت کی، حضور ﷺ نے دونوں کی بات سن کر ابولبابہؓ کے حق میں فیصلہ کر دیا، یہ سن کر بچہ رونے لگا، اس کی حالت دیکھ کر حضور ﷺ نے ابولبابہؓ سے کہا: یہ درخت مجھے دے دو؛ تاکہ میں اسے یتیم کے حوالہ کر دوں؛ لیکن وہ دینے پر راضی نہ ہوا، حضور ﷺ نے اس سے کہا کہ اچھا اگر تم خود اس یتیم کو دیدو تو تم کو جنت میں اس کے بدلہ ایک کھجور کے درخت کا وعدہ کرتا ہوں، اس پر بھی ابولبابہؓ تیار نہ ہوئے، ایک صحابی وہاں یہ سب دیکھ رہے تھے، وہ حضور ﷺ کے پاس آئے اور پوچھا: اگر میں یہ درخت خرید کر بچہ کو دیدوں تو مجھ کو بھی جنت میں ایسا ہی درخت ملے گا، حضور ﷺ نے کہا: ہاں، یہ سن کر وہ ابولبابہ کے پاس گئے، اور اپنے پورے باغ کے بدلے وہ ایک درخت خرید لیا اور لا کر اس یتیم کو ہبہ کر دیا۔(۳)

(۱) صحیح مسلم، عن ابی ہریرۃؓ، حدیث نمبر: ۲۰۵۴۔
(۲) صحیح بخاری، عن سہل بن سعدؓ، حدیث نمبر: ۶۰۰۲۔
(۳) صحیح ابن حبان، عن انسؓ، حدیث نمبر: ۷۱۵۹۔

سماج کے کمزور طبقات کی خدمت کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کی عبادت میں رات دن لگے رہنے والے اور اپنی جان کو راہِ خدا میں قربان کرنے والے سے زیادہ ثواب کا عمل قرار دیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

بیواؤں اور مسکینوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے والا ثواب میں اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے، اور مسلسل نماز پڑھنے والے اور بے تکان روزہ رکھنے والے کی طرح ہے۔(۱)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی عبداللہ بن ابی اوفیٰ ؓ ہیں، وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف ذکر فرماتے ہوئے کہتے ہیں :

كَانَ رَسُولُ اللهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ الذِّكْرَ ، وَيُقِلُّ اللَّغْوَ ، وَيُطِيلُ الصَّلَاةَ ، وَيُقَصِّرُ الْخُطْبَةَ ، وَلَا يَأْنَفُ أَنْ يَمْشِيَ مَعَ الْاَرْمَلَةِ ، وَالْمِسْكِينِ فَيَقْضِيَ لَهُ الْحَاجَةَ ۔(۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کثرت سے اللہ کا ذکر کرتے ، بے کار باتوں سے پرہیز کرتے ، لمبی نماز پڑھتے ، خطبہ مختصر دیتے ، بیوہ عورت یا مسکین آدمی کسی کام کے لئے چلنے کا تقاضا کرتا تو اس کے ساتھ جانے میں ذلت محسوس نہ کرتے ؛ بلکہ ان کے ساتھ جا کر ان کا کام پورا کر دیتے۔

ہندوستان کے مشہور شاعر مولانا الطاف حسین حالیؒ نے اپنے اشعار میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان صفات کو اس طرح بیان کیا ہے :

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا　　مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا　　وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ　　یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

● ● ●

(۱) صحیح بخاری، عن ابی ہریرہؓ: ۲۹۸۲۔　(۲) سنن نسائی: ۱۴۱۴۔

مزدوروں کے ساتھ

مزدوروں کا مسئلہ ان مسائل میں سے ہے، جس کو گزشتہ نصف صدی کے اہم ترین مسائل میں شمار کیا جاسکتا ہے اور یہ فطری بات ہے، دنیا کی ساری بہار دراصل ان ہی کی دم سے ہے، بلند قامت عمارتیں ہوں، صاف ستھری سڑکیں ہوں یا دیہات کے سبزہ زار کھیت اور بل کھاتی ہوئی نہریں، سب کو ان ہی کے خون و پسینہ اور قوت بازو سے غذا ملتی ہے، یہ بھی عجیب ستم ظریفی ہے کہ معاشی ترقی اور خوشحالی میں سب سے کم حصہ مزدوروں ہی کو ملتا ہے؛ حالاں کہ وہ سب سے زیادہ اس کے حقدار تھے۔

یہاں اس بات کی وضاحت کردینی مناسب ہوگی کہ جب ہم مزدور کا لفظ بولتے ہیں تو اس سے صرف وہ جفاکش طبقہ ہی مراد نہیں ہوتا جو جسمانی محنتوں اور مشقتوں کے کام کرتا ہے؛ بلکہ وہ ملازمین بھی مراد ہوتے ہیں جو لکھنے پڑھنے یا دوسرے دماغی قسم کے کام کرتے ہیں، پیغمبر اسلام ﷺ نے دوسرے شعبۂ ہائے زندگی کی طرح اس سلسلہ میں بھی تفصیلی اور واضح ہدایات دی ہیں جس میں آجر اور مزدور دونوں ہی کے حقوق کی رعایت ہے اور اعتدال وتوازن بھی ہے۔

مزدوروں کی اہمیت

سب سے پہلے تو پیغمبر اسلام ﷺ نے مزدوروں کو ایک باعزت مقام اور منصب کا حامل قرار دیا اور عام طور پر جو اس طبقہ کو کمتر اور حقیر گردانا جاتا تھا، اس کی نفی فرمائی، آپ ﷺ نے فرمایا :

- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آٹھ یا دس سال تک حضرت شعیب علیہ السلام کی مزدوری کی۔(۱)

---

(۱) ابن ماجہ، عن عتبہ بن الندرؓ، حدیث نمبر: ۲۴۴۴، کتاب الرہون، باب اجارۃ الاجیر علیٰ طعام بطنہ۔

● حلال روزی کی تلاش میں محنت و کاوش کو عند اللہ پورے ایک سال امام عادل کے ساتھ جہاد سے افضل قرار دیا گیا۔(۱)

● چھوٹے بچے، ماں باپ اور خود اپنی کفالت کے لئے دوڑ دھوپ (سعی) کو آپ ﷺ نے اللہ کی راہ میں جدوجہد بتایا۔(۲)

● آپ ﷺ نے فرمایا: سب سے پاکیزہ عمل یہ ہے کہ آدمی خود اپنے ہاتھوں کمائے۔(۳)

● خدا کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں ہی کی کمائی کھایا کرتے تھے۔(۴)

● اللہ تعالیٰ ایسے مؤمن بندہ کو پسند کرتا ہے جو صنعت و حرفت سے واقف ہو اور اس سے کام لیتا ہو: ''إن الله يحب العبد المؤمن المحترف''۔(۵)

● آپ ﷺ نے فرمایا: تمام انبیاء علیہم السلام نے بکریاں چرائی ہیں اور خود میں بھی چند قیراطوں پر مکہ والوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔(۶)

● کاشتکاری کو مبارک کہا گیا اور اس کا حکم دیا گیا۔(۷)

● ایک بار آپ ﷺ نے حضرت حکیم بن حزامؓ سے ارشاد فرمایا: سب سے حلال رزق وہ ہے جس میں دونوں پاؤں چلیں، ہاتھ کام کریں اور پیشانی عرق آلود ہو۔(۸)

---

(۱) ابن عساکر، عن عثمانؓ: ۵۴/ ۱۲ ۳، حدیث نمبر: ۱۱۵۰۶۔

(۲) المعجم الصغیر للطبرانی: ۲/ ۱۴۸، عن کعب بن عجوۃؓ، حدیث نمبر: ۹۴۰۔

(۳) شعب الایمان للبیہقی: ۲/ ۴۴۱، عن علی، حدیث نمبر: ۱۱۸۲، المعجم الکبیر للطبرانی: ۲۲/ ۱۹۷، عن ابی بردہ، حدیث نمبر: ۵۲۰۔

(۴) بخاری، عن ابی ہریرہؓ، حدیث نمبر: ۲۰۷۳، کتاب البیوع، باب کسب الرجل وعملہ بیدہ۔

(۵) کنز العمال، حدیث نمبر: ۹۱۹۹، نیز دیکھئے: المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث نمبر: ۱۳۲۵، عن ابن عمرؓ۔

(۶) بخاری، کتاب الإجارة، باب رعی الغنم علی قراریط، حدیث نمبر: ۲۲۶۲، و ابن ماجہ، باب الصناعات، حدیث نمبر: ۲۱۴۹، عن ابی ہریرہؓ۔

(۷) شرح النووی علی مسلم، کتاب البیوع، باب فضل الغرس والزرع: ۱۰/ ۲۱۳۔

(۸) الفردوس للدیلمی: ۵/ ۴۱۴، حدیث نمبر: ۸۵۹۵، عن حکیم بن حزامؓ۔

ان ہدایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں مزدوروں کو ایک معزز اور مؤقر مقام حاصل ہے اور دوسرے پیشوں اور طبقوں سے ان کی حیثیت کم نہیں ہے۔

اُجرت کی مقدار

اس کے بعد مزدوروں کے حقوق کا مسئلہ آتا ہے جس میں سب سے بنیادی اور اولین چیز اُجرت کی مقدار کا تعین ہے، اس پر اس حدیث سے روشنی پڑتی ہے، جس میں حضور ﷺ نے غلاموں کے سلسلہ میں درج ذیل ہدایات دی ہیں :

> وہ تمہارے بھائی ہیں، جن کو خدا نے تمہارے ماتحت رکھا ہے؛ لہٰذا خدا نے جس کے ماتحت اس کے بھائی کو کیا ہو، اس کو چاہئے کہ اس کو وہی کھلائے جو خود کھائے ، جو خود پہنے وہی اس کو پہنائے ، اس کو ایسے کام کی تکلیف نہ دے جو اس کے لئے دشوار ہو اور اگر ایسے کام کی ذمہ داری سونپ ہی دے تو پھر اس کی مدد کرے۔(۱)

اس ارشاد میں دو باتوں کی تعلیم دی گئی ہے: اول یہ کہ اپنے خدام اور ملازمین کو بھائی کا درجہ دیا جائے ، دوسرے: ان کو ایسی اُجرت دی جائے کہ وہ قریب قریب آجر کے معیار پر زندگی گذار سکیں۔

پیغمبر اسلام ﷺ اور ان کے اصحاب کا اس ہدایت پر مکمل عمل تھا ، ان کے غلام اور خدام ان کے ساتھ ہی وہی کھانا کھاتے تھے، جو وہ خود کھاتے تھے، غلاموں اور ان کے مالکوں کے کپڑے ایک ہی معیار کے ہوتے تھے، ایک بار ایک ہی قسم کی چادر حضرت ابوذر غفاریؓ اور ان کے غلام اوڑھے ہوئے تھے، ایک شخص نے عرض کیا: آپ ایسا کیوں نہیں کرتے کہ وہ چادر بھی خود اوڑھ لیں ؛ تا کہ اس کا جوڑا ہو جائے اور غلام کو کوئی اور چادر دے دیں، حضرت ابوذرؓ نے اس سے انکار کرتے ہوئے حضور ﷺ کی اسی ہدایت کا حوالہ دیا کہ جو خود پہنو، وہی اس کو پہناؤ۔(۲)

(۱) بخاری، حدیث نمبر: ۳۰، مسلم، حدیث نمبر: ۱۶۶۱۔ (۲) بخاری، کتاب العتق، حدیث نمبر: ۲۵۴۵، عن معرورؓ۔

اس سے معلوم ہوا کہ مزدوروں اور ملازمین کی اُجرت اس قدر ہونی چاہئے کہ کم از کم خوراک اور پوشاک کے معاملے میں اس کا معیارِ زندگی مالکین اور افسروں کے مساوی اور قریب قریب ہو۔

دوسرے: اُجرت کی مقدار اتنی ہو کہ وہ اہل وعیال کی بھی اسی طرح پر پرورش کر سکے، حسبِ ضرورت خادم رکھ سکے اور مکان بنا سکے، آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص ہمارا عامل (ملازم) بنے، اسے چاہئے کہ بیوی حاصل کر لے، خادم نہ ہو تو ایک خادم رکھ لے اور مکان نہ ہو تو ایک مکان فراہم کر لے، (۱) حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد فرمایا: میرا ذریعۂ معاش میرے اہل وعیال کے لئے کافی تھا، اب میں مسلمانوں کے کام میں مشغول کر دیا گیا ہوں؛ اس لئے ابوبکر کے عیال اسی سرکاری مال میں سے کھائیں گے اور ابوبکر مسلمانوں کے لئے کام کرے گا۔ (۲)

اُجرت کی ادائیگی

اُجرت کے سلسلے میں اس اُصولی ہدایت کے بعد کہ ان کی جملہ ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کی جائے، اسلام نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ اُجرت کی مقدار پہلے ہی واضح کر دی جائے اور ابہام نہ رکھا جائے:

إن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن استجارة الأجير حتى يبين له أجره ۔ (۳)

رسول اللہ ﷺ نے کسی مزدور سے کام لینے سے منع فرمایا ہے؛ جب تک کہ اس کی اُجرت واضح نہ کر دی جائے۔

---

(۱) ابوداؤد، عن مستورد بن شدادؓ، کتاب الخراج والامارۃ، باب ارضات العمال، حدیث نمبر: ۲۹۴۵۔

(۲) بخاری، کتاب البیوع، باب کسب الرجل وعملہ بیدہ، حدیث نمبر: ۲۰۷۰، عن عائشہؓ۔

(۳) السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الاجارۃ، باب لاتجوز الاجارۃ حتی تکون معلومۃ، حدیث نمبر: ۱۱۶۵۲۔

پھر آپ ﷺ کا معمول تھا کہ کسی کو اس کی مزدوری کم نہ دیتے تھے،(۱) آپ ﷺ نے فرمایا: تین شخص ایسے ہیں کہ قیامت کے دن میں ان کا فریق ہوں گا، ان میں سے ایک وہ ہے جو کسی مزدور کو اُجرت پر رکھے، اس سے پورا کام لے لے اور اُجرت نہ دے: ''رجل استاجر اجیراً فاستو فی منه ولم یُعط أجره''(۲) یہ بھی ہدایت دی گئی کہ مزدور کی اُجرت جلد سے جلد ادا کردی جائے، آپ ﷺ نے فرمایا: مزدور کی اُجرت پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دو: ''أعطوا الأجیر أجره قبل أن یجف عرقه''۔(۳)

آپ کی ہدایات کی روشنی میں فقہاء نے لکھا ہے کہ اُجرت ادا کرنے کی تین صورتیں ہیں: یا تو خود آجر قبل از کام اُجرت دے دے، یا مزدور نے پیشگی مزدوری دینے کی شرط لگا دی ہو، اب بھی اس کو کام سے پہلے ہی مزدوری دینی ہوگی، یا مزدور اپنے کام کی تکمیل کردے تو کام کی تکمیل کے ساتھ ہی اُجرت ادا کرنی ہوگی۔(۴)

کاموں کی مقدار

مزدور سے کتنا کام لیا جائے؟ آپ ﷺ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: غلاموں سے کوئی ایسا کام نہ لو، جو ان کی طاقت اور قدرت سے زیادہ ہو،(۵) یہ ایک اُصول ہے جس کی روشنی میں کام کی نوعیت، مقدار، اوقات تینوں ہی کا تعین کیا جاسکتا ہے، مثلاً اُصولِ صحت کی رو سے جن کاموں کو روزانہ چھ گھنٹے کیا جاسکتا ہے، ان ملازمین کے لئے یہی اوقات کار ہوں گے، اور جو کام آٹھ گھنٹے کئے جاسکتے ہیں، ان کے لئے روزانہ آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی ہوگی۔

---

(۱) بخاری، کتاب الاجارۃ، باب خراج الحجام، حدیث نمبر: ۲۲۸۰، عن انسؓ۔
(۲) بخاری، عن ابی ہریرۃؓ، کتاب البیوع، باب اثم من باع حرا، حدیث نمبر: ۲۲۲۷۔
(۳) ابن ماجہ، کتاب الرہون، باب اجر الاجراء، حدیث نمبر: ۲۴۴۳۔
(۴) الفتاویٰ الہندیہ: ۵۰۶/۳۔
(۵) مؤطا امام مالک، کتاب المکاتب، باب الحمالۃ فی المکاتب: ۷۹۱/۲۔

اور اگر کوئی مشکل کام اس کے حوالہ کردے تو اس کی انجام دہی میں خود بھی مدد کرے، آپ ﷺ کی اس تاکید کی بنا پر مشہور محدث اور فقیہ امام نوویؒ نے لکھا ہے:

علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس کو اس کی طاقت سے بڑھ کر کام کی ذمہ داری نہیں دی جائے اور اگر ایسی ذمہ داری دی تو اس پر ضروری ہے کہ وہ یا تو خود اس کی مدد کرے یا کسی دوسرے سے کرائے۔(۱)

عموماً بعض لوگ کم عمر بچوں یا دراز عمر بوڑھوں سے اتنا ہی کام لینا چاہتے ہیں، جتنا جوان اور توانا آدمیوں سے، اسلامی تعلیم کے تحت یہ غلط اور ظالمانہ حرکت ہے، جس پر قانون کے ذریعہ پابندی بھی عائد کی جاسکتی ہے، اسی طرح جو مستقل ملازمین ہیں، ضروری ہے کہ ان کے لئے ہفتہ میں ایک دن آرام کے لئے رکھا جائے، اپنے اقرباء اور رشتہ داروں سے ملنے کے لئے تعطیل لازمی ہو اور بیماروں کے لئے خصوصی رُخصتیں ہوں، فقہ کی کتابوں میں اس کی تصریح موجود ہے۔(۲)

حسن سلوک

مزدوروں کے ساتھ مالکین اور ذمہ داروں کا کیا سلوک ہونا چاہئے؟ اس سلسلہ میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ وہ تمہارے بھائی ہیں: ''إنهم اخوانكم''(۳) یعنی ان سے سلوک حاکمانہ نہیں بلکہ برادرانہ ہونا چاہئے، قرآن میں حضرت شعیب علیہ السلام کی بحیثیت آجر یہ صفتیں بیان کی گئی ہیں:

وَ مَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۔ (۴)

میں تم کو تکلیف دینا نہیں چاہتا، انشاء اللہ تم مجھے صالح و نیک پاؤ گے۔

(۱) شرح نووی علی المسلم: ۱۱/ ۱۳۳۔
(۲) ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی البیع: ۶/ ۴۱۱۔
(۳) ردالمحتار: ۳/ ۳۸۰۔
(۴) القصص: ۲۷۔

گویا آجر کا سلوک مزدور کے ساتھ ایسا ہوا کہ اس کو تکلیف اور کسی بھی طرح کی ذہنی، جسمانی یا عملی مشقت نہ ہو اور اس کے ساتھ نیک سلوک روا رکھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں ہمیں اس کا عملی نمونہ ملتا ہے۔

خدام و ملازمین کی تکریم اور دل جوئی کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت سی ہدایات دی ہیں؛ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

> جب تم میں سے کسی کا خادم اس کے لئے کھانا بنائے، پھر کھانا لے کر اس کے پاس آئے، جس نے اس کی تپش اور دھنواں برداشت کیا ہے، تو چاہئے کہ اس کو اپنے پاس بیٹھا کر کھلائے، پھر اگر کھانے کی مقدار کم ہو تو لقمہ دو لقمہ اس کے ہاتھ میں رکھ دے۔(۱)

اس ارشاد میں نہ صرف مالی حسنِ سلوک کی تعلیم ہے؛ بلکہ خدام و ملازمین کے اکرام کی بھی ہدایت ہے، کہ ملازم کو اپنے ساتھ بیٹھ کر کھلایا جائے، باورچی، فرّاش اور عام کارکنوں کو اپنے ساتھ بیٹھا کر کھلانے سے تو لوگ عام طور پر عار محسوس کرتے ہیں؛ لیکن ہندوستان میں تو ذات پات کی بنیاد پر بھی اونچی ذات کے لوگ نچلی ذات کے لوگوں کو ساتھ کھلانا تو کجا ساتھ بیٹھانے کو اپنی بے عزتی سمجھا کرتے ہیں۔

ملازمین اور مزدوروں کے ساتھ توقیر و تکریم ہی ایک پہلو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہ نفس نفیس ان کے جنازہ میں شرکت فرمایا کرتے تھے، اس کا اس درجہ اہتمام تھا کہ ایک سیاہ فام خاتون مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھیں، چند دنوں آپ کو نظر نہیں آئیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بارے میں دریافت کیا تو بتایا گیا کہ ان کی وفات ہوگئی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے استفسار کیا، تم لوگوں نے مجھے کیوں اطلاع نہیں کی؟ آپ کو یہ بات ناگوار ہوئی، آپ نے فرمایا: گویا لوگوں نے اس کے معاملہ کو حقیر سمجھا: ''فأنهم صغروا أمرها'' پھر ارشاد ہوا: مجھے اس کی قبر بتاؤ، آپ کو قبر بتائی گئی، آپ بہ نفس نفیس تشریف لے گئے اور قبر ہی پر نماز جنازہ ادا فرمائی۔(۲)

---

(۱) مسلم، عن ابی ہریرہؓ، حدیث نمبر: ۱۶۶۳۔ (۲) مسلم، حدیث نمبر: ۹۵۶۔

حسن سلوک ہی کا ایک عمل یہ ہے کہ اگر خدام بیمار پڑ جاتے تو آپ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے اور اس میں مسلمان اور غیر مسلم کی بھی تفریق نہیں تھی ، آپ کے خادموں میں ایک یہودی لڑکا تھا، وہ بیمار ہوا تو آپ ﷺ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے ۔(۱)

خادموں کے ساتھ کرم فرمائی کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ بعض اوقات آپ خود ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے ، اس تشریف آوری کی خوشی ان کے لئے عید سے کم نہیں ہوتی تھی ، حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے یہاں تشریف لائے ، اس وقت میں تھا ، میری والدہ تھیں اور میری خالہ ''اُم حرام'' تھیں ؛ حالاں کہ نماز کا وقت نہیں تھا ؛لیکن آپ کا حکم ہوا کہ کھڑے ہو جاؤ ، میں تم لوگوں کو (نفل) نماز پڑھاؤں گا ؛ چنانچہ آپ نے نماز پڑھائی ، پھر تمام گھر والوں کے لئے دنیا اور آخرت کی ہر طرح کی بھلائی کی دُعا فرمائی ، میری والدہ نے میرے بارے میں درخواست کی کہ اپنے اس چھوٹے خادم کے لئے بھی دُعا فرما دیجئے ؛ چنانچہ آپ ﷺ نے میرے لئے ہر خیر کی دُعاء فرمائی اور اخیر میں کہا : '' اے اللہ ! اس کے مال و اولاد میں کثرت پیدا فرما اور اس میں برکت بھی دے '' حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ اس دُعاء کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے انصار مدینہ میں ان کو سب سے زیادہ دولت عطا فرمائی ، اور اولاد اس کثرت سے دی کہ ان کی صاحبزادی امینہ نے ان کو بتایا کہ بصرہ میں حجّاج کی آمد سے پہلے ان کی ۱۲۰ سے زیادہ اولاد کی وفات ہو چکی تھی ، (۲) یعنی دولت بھی حاصل ہوئی اولاد بھی اور عمر میں بھی اتنی برکت ہوئی کہ اتنی اولاد آپ کے سامنے گذر گئی اور آپ زندہ رہے ۔

آپ ﷺ کے عمل سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مقررہ اُجرت کے علاوہ بھی اپنے خادموں کی ضروریات کا خیال رکھنا چاہئے اور استفسار کرتے رہنا چاہئے ، قبیلۂ بنو مخزوم کے ایک صاحب زیادؒ نقل کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کے ایک خادم تھے ، آپ ان سے دریافت کرتے رہتے تھے : ''ألک حاجة؟'' (کیا تمہاری کوئی ضرورت ہے؟) (۳) آپ ﷺ ان کو

(۱) بخاری، حدیث نمبر : ۱۳۵۶ ۔ (۲) بخاری، حدیث نمبر : ۱۹۸۲ ۔

(۳) مسند احمد، حدیث نمبر : ۱۵۶۴۶ ۔

آزادی دیتے تھے کہ جو بھی مانگنا چاہیں مانگ لیں، ربیعہ بن کعب اسلمیؓ کا بیان ہے کہ میں آپ ﷺ کے پاس رات گزار رہا تھا، میں نے آپ کے وضوء اور ضرورت کے لئے پانی رکھا، آپ نے فرمایا: جو مانگنا چاہو مانگو، میں نے عرض کیا: میرا سوال ہے جو میں نے عرض کیا: آپ ﷺ نے فرمایا پھر تو کثرت سے سجدہ کیا کرو، (۱) یعنی خوب نماز پڑھا کرو۔

بعض دفعہ لوگ بلا جھجک اپنے ملازموں اور ماتحتوں پر الزام لگا دیتے ہیں اور اس کو صفائی کا موقع تک نہیں دیتے ہیں، آپ نے اس پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا، آپ نے فرمایا: جس شخص نے اپنے غلام پر زنا کی غلط تہمت لگائی تو قیامت کے دن اس شخص پر زنا کی سزا جاری کی جائے گی، (۲) اگر واقعی غلطی ہو جائے اور اس کے عمل سے مالک کو تکلیف پہنچے، تب بھی آپ نے تلقین فرمائی کہ عفو و درگذر سے کام لیا جائے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک صاحب بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرا ایک خادم ہے جو غلطیاں اور زیادتیاں کرتا ہے، کیا میں اس کی پٹائی کر سکتا ہوں؟ آپ خاموش رہے، اس نے دوسری بار اور پھر تیسری بار یہی سوال کیا، بعض روایتوں میں ہے کہ دریافت کیا کہ آخر کتنی بار معاف کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہر دن ستر بار، (۳) ظاہر ہے کہ اس میں ۷۰ کی تحدید مقصود نہیں ہے؛ بلکہ کثرت مقصود ہے۔

خود آپ ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ آپ ﷺ نے کبھی اپنے کسی خادم یا بیوی پر ہاتھ نہیں اُٹھایا، (۴) آپ کے خادم خاص حضرت انسؓ جو بہت کم عمری میں آپ ﷺ کی خدمت میں آئے، نقل کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک دن مجھے ایک ضرورت کے لئے بھیجا، میں نے کہا: ''واللہ لا اذھب''، یعنی میں نہیں جاؤں گا؛ حالاں کہ میرے دل میں تھا کہ میں جاؤں گا؛

---

(۱) مسلم، حدیث نمبر: ۴۸۹۔

(۲) بخاری، عن ابی ہریرہؓ، حدیث نمبر: ۶۸۵۸۔

(۳) ابوداؤد، حدیث نمبر: ۵۱۶۴، ترمذی، حدیث نمبر: ۱۹۴۹۔

(۴) مسلم عن عائشہ، حدیث نمبر: ۲۳۲۹۔

کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے حکم فرمایا ہے، میں نکلا، یہاں تک کہ میرا گذر کچھ بچوں پر ہوا، جو بازار میں کھیل رہے تھے، اتنے میں دیکھتا ہوں کہ آپ ﷺ نے پیچھے سے میری گردن پکڑ رکھی ہے، میں نے دیکھا تو آپ ہنس رہے تھے، آپ نے پوچھا: اے انس! میں نے جہاں جانے کہا تھا، تم گئے تھے؟ میں نے عرض کیا: ''جی، اے اللہ کے رسول! میں جا رہا ہوں''۔(۱)

حضرت انسؓ ہی کی روایت ہے کہ میں نے (۱۰ سال) سفر و حضر میں آپ ﷺ کی خدمت کی، آپ ﷺ نے مجھے کبھی اُف بھی نہیں کہا، نہ کبھی یہ فرمایا کہ فلاں کام کیوں کیا؟ یا فلاں کام کیوں نہیں کیا؟ یا فلاں کام کیوں چھوڑ دیا، (۲) نیز اگر کوئی غلطی ہوگئی اور اہل خانہ میں سے کسی نے ڈانٹ ڈپٹ کی تو فرماتے: چھوڑ دو، یہی مقدر تھا جو ہوا: ''لو قُضی أن یکون کان''۔(۳)

اگر کوئی شخص اپنے غلام/ خادم پر ہاتھ اُٹھاتا تو آپ ﷺ کو سخت تکلیف ہوتی، حضرت ابو مسعودؓ نقل کرتے ہیں کہ وہ اپنے غلام کو کوڑے سے مار رہے تھے، میں نے اپنے پیچھے سے ایک آواز سنی، میں اس قدر غصہ میں تھا کہ آواز سن نہیں پایا، جب یہ آواز دینے والا قریب آیا تو میں نے دیکھا کہ یہ تو رسول اللہ ﷺ ہیں، آپ فرما رہے تھے: ابو مسعود! جان لو، ابو مسعود! سمجھ لو، میں نے اپنا کوڑا ہاتھ سے نیچے گرا دیا، پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابو مسعود! اچھی طرح جان لو، تم کو اس غلام پر جتنی قدرت حاصل ہے، اللہ تعالیٰ تم پر اس سے زیادہ قادر ہیں، حضرت ابو مسعودؓ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: میں آج کے بعد کبھی بھی کسی غلام کو نہیں ماروں گا، نیز یہ بھی کہا: اللہ کے رسول! یہ اللہ کی خوشنودی کے لئے آزاد ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم ایسا نہیں کرتے تو دوزخ کی آگ کی لپیٹ میں آجاتے۔(۴)

غلاموں کی حیثیت اس زمانہ میں ایسے مزدور کی ہوتی تھی، جو ہمیشہ اپنے مالک کی خدمت کرتا تھا، اور وہ لوگوں کے لئے بڑی دولت کی حیثیت رکھتے تھے؛ کیوں کہ وہ اچھی

(۱) مسلم، عن انسؓ، حدیث نمبر: ۲۳۱۰۔ (۲) بخاری، عن انسؓ، حدیث نمبر: ۲۷۶۸۔

(۳) مسند احمد، عن انسؓ، حدیث نمبر: ۱۳۴۱۸۔ (۴) مسلم، حدیث نمبر: ۱۶۵۹۔

قیمت میں فروخت کئے جاتے تھے؛ چوں کہ اس وقت یکلخت غلامی ختم نہیں کی جاسکتی تھی، تو آپ نے حکم دیا کہ ان کو خاندان کا ایک فرد بنالیا جائے اور اسی حیثیت سے ان کے ساتھ سلوک کیا جائے، ان کو مار پیٹ نہ کی جائے، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر کوئی شخص اپنے غلام کو تھپڑ لگادے یا اس کی پٹائی کردے تو اس کا کفارہ یہی ہے کہ وہ اس کو آزاد کردے۔(۱)

حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ ایک صاحب رسول اللہ ﷺ کے سامنے آکر بیٹھے اور عرض کیا: اللہ کے رسول! میرے کچھ غلام ہیں، وہ مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں، خیانت کرتے ہیں اور میری نافرمانی کرتے ہیں، میں بھی ان کو بُرا بھلا کہتا ہوں اور مار پیٹ کرتا ہوں تو ان کے ساتھ میرا یہ رویہ کیسا ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: ان کی خیانت، نافرمانی اور جھوٹ اور تمہاری طرف سے ان کی سزا کا حساب کیا جائے گا، اگر دونوں برابر ہوں، تو نہ تم کو ثواب ہوگا نہ عذاب، اگر تمہاری طرف سے سرزنش غلطی کے مقابلہ کم ہوگی تو تم کو ثواب ہوگا اور اگر سزا غلطی سے بڑھ گئی تو تم سے بدلہ لیا جائے گا، وہ صاحب وہاں سے ہٹ کر رونے لگے، بالآخر کہنے لگے: اب ان کو الگ کردینا ہی بہتر سمجھتا ہوں، میں آپ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ وہ سب کے سب آزاد ہیں،(۲) آپ ﷺ کی اس تربیت کا اثر تھا کہ مسلمان غلاموں کے ساتھ کوئی زیادتی روا نہیں رکھتے تھے، معاویہ بن سوید کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے ایک غلام کو تھپڑ مار دیا اور (والد کے خوف سے) بھاگ گیا، پھر ظہر سے کچھ پہلے آیا اور اپنے والد کے پیچھے ظہر کی نماز ادا کی، والد نے اس غلام کو بھی بلایا اور مجھے بھی، پھر غلام سے فرمایا: تم اس سے بدلہ لے لو، مگر اس نے معاف کردیا۔(۳)

آپ نے گفتگو اور خطاب میں بھی اس کی تلقین کی کہ غلام کے ساتھ تحقیر نہ ہو اور مالک کے احترام میں مبالغہ نہ ہو، جب غلاموں کے لئے یہ حکم ہے تو عام ملازمین اور خادمین کے لئے تو بہ درجۂ اولیٰ یہ حکم ہوگا، اسلام سے پہلے غلام اپنے مالک کو 'رب' اور مالک اپنے غلام کو 'عبد'

(۱) مسلم، عن زادان، حدیث نمبر: ۱۶۵۷۔

(۲) ترمذی، عن عائشہؓ، حدیث نمبر: ۳۱۶۵۔

(۳) مسلم، حدیث نمبر: ۱۶۵۸۔

(بندہ) کہا کرتا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: تم سب اللہ کے بندے ہو، غلام اپنے آقا کو سردار یا آج کی زبان میں ''سر'' کہہ سکتا ہے، اسی طرح آقا اپنے غلام کو اے بچے، اے نوجوان! کہا کرو۔(۱)

آپ ﷺ کو اس طبقہ کا کتنا لحاظ تھا، اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ وفات کے وقت جب آپ کی سانس اکھڑنے لگی تو آپ نے آخری نصیحت یہی فرمائی، نماز کا اور غلاموں کا خیال رکھو: ''الصلوٰۃ و ما ملکت أیمانکم''۔(۲)

منافع میں شرکت

اسلام اس بات کو بھی پسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے کہ مزدور کاروباری نفع میں شریک ہوں، ''مضاربت'' کی اصل یہی ہے، مضاربت یہ ہے کہ ایک شخص کا سرمایہ اور دوسرے آدمی کی محنت ہو، پھر اس سے جو نفع حاصل ہو، اس کو باہم متعینہ تناسب مثلاً پچاس فیصد وغیرہ کے حساب سے تقسیم کر لیا جائے، یہاں دوسرے فریق کو جو کچھ نفع مل رہا ہے، وہ عامل ہی کی حیثیت سے ہوگا، اس کی طرف اس حدیث میں بھی اشارہ موجود ہے جس میں آپ ﷺ نے کھانا پکانے والے خادم کو کھانے میں سے کم از کم ایک دو لقمہ کھلانے کی تلقین کی ہے۔(۳)

حقوق کا تحفظ

مزدوروں کے حقوق کے سلسلے میں پیغمبر اسلام ﷺ کی تاکید کو سامنے رکھتے ہوئے اسلام نے ان کو قانونی تحفظ بھی بخشا ہے اور حکومت کے لئے مداخلت کی گنجائش رکھی ہے؛ چنانچہ قاضی ابوالحسن ماوردی (متوفی: ۴۵۰ھ) ''محتسب'' کے فرائض پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

(۱) بخاری، عن ابی ہریرہؓ، حدیث نمبر: ۲۵۵۲۔
(۲) سنن ابن ماجہ، عن انسؓ، حدیث نمبر: ۲۶۹۷۔
(۳) بخاری، کتاب الاطعمۃ، باب الأکل مع الخادم، حدیث نمبر: ۵۴۶۰۔

اگر کوئی شخص مزدور و ملازم (اجیر) پر زیادتی کرتے، مثلاً اُجرت کم دے یا کام زیادہ لے تو محتسب ایسا کرنے سے روکے، اور حسب درجات تنبیہ کرے، اور اگر زیادتی اجیر کی طرف سے ہو، مثلاً کام کم کرے اور اُجرت زیادہ مانگے تو اس کو بھی روکے اور تنبیہ کرے، اور اگر ایک دوسرے کی بات کا انکار کریں تو فیصلے کا حق حاکم کو ہے۔(۱)

●●●

(۱) الاحکام السلطانیہ للماوردی، مترجم: ۲۹۹، باب: ۲۰۔

بیماروں کے ساتھ سلوک

صحت و بیماری انسان کا ازلی ساتھی ہے، بیماری انسان کو خدا کی قدرت بھی یاد دلاتی ہے اور صحت جیسی عظیم نعمت پر شکر کے جذبات بھی پیدا کرتی ہے، بوڑھا ہو یا جوان، مرد ہو یا عورت، طاقتور ہو یا کمزور، دولت مند ہو یا غریب اور حاکم ہو یا محکوم، بیماری جب اپنا ہاتھ بڑھاتی ہے تو کوئی اس کی گرفت سے بچ نہیں پاتا؛ اسی لئے پیغمبر اسلام ﷺ نے مریضوں کے لئے سہولت پیدا کرنے اور ان کی خدمت کرنے کو خصوصی اہمیت دی ہے۔

بیماری گناہ کا نتیجہ نہیں

اسلام سے پہلے بعض مذاہب میں سمجھا جاتا تھا کہ بیماری انسان کے گناہ کا نتیجہ ہے، ہندو بھائیوں کے یہاں آواگون کا نظریہ ہے، اس نظریہ کے تحت انسان اس جنم میں جو کچھ تکلیف اُٹھاتا ہے، وہ پچھلے جنم کے گناہوں کا نتیجہ ہے، عیسائی دنیا پر جب کلیسائی نظام کا غلبہ تھا، تو وہاں بھی بیماری کو لامحالہ گناہ کی سزا اور اللہ کا عذاب سمجھا جاتا تھا، اور وہ اس کے علاج کو اللہ کی مشیت میں دخل اندازی تصور کرتے تھے، چیچک کے ٹیکہ کے موجد ڈاکٹر بوائلسٹن کی اتنی شدت سے مخالفت کی گئی کہ جس شخص نے اس کو اپنے گھر میں پناہ دی، اس کے گھر پر آگ کا جلتا ہوا گولہ پھینک دیا گیا، اس سے مریض کے تئیں ہمدردی، محبت و خیر خواہی اور رحم دلی کی بجائے نفرت کا جذبہ اُبھرتا ہے۔

پیغمبر اسلام ﷺ نے یہ تصور دیا کہ بیماری اور شفاء اللہ کی طرف سے ہے، اس میں فرماں بردار اور نافرمان کی کوئی تخصیص نہیں، حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام جو تمام مخلوقات میں افضل ہیں، وہ بھی بیماری سے دوچار ہوئے ہیں؛ چنانچہ اللہ کے نبی حضرت ایوب علیہ السلام کے

بیمار ہونے کا ذکر خود قرآن مجید میں آیا ہے،(۱)اور رسول اللہ ﷺ جو تمام پیغمبروں میں افضل ہیں، متعدد بار مریض ہوئے ہیں، اور بیماری کی تکلیفیں اُٹھائی ہیں، غرض کہ یہ ضروری نہیں کہ بیماری اللہ کا عذاب اور اس کے ناراض ہونے کی دلیل ہو، بیماری اللہ کی طرف سے امتحان اورآزمائش بھی ہوسکتی ہے، مومن کے لئے اس کے گناہوں کا کفارہ بھی ہوسکتی ہے، آپ ﷺ سے مروی ہے کہ مومن کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی کانٹا بھی چبھتا ہے، تو یہ اس کے لئے اس کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے، (۲) اسی طرح بیماری مومن کے لئے اس کے درجات کی بلندی کا باعث بھی ہوسکتی ہے، جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے، (۳) اسی لئے بیماری سے بدشگونی نہیں لینی چاہئے، حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ جس سے خیر کا ارادہ رکھتے ہیں، اسے مصیبت میں مبتلا فرماتے ہیں: ''من یرد اللہ بہ خیراً یصب منہ'' (۴) علامہ قرافیؒ نے لکھا ہے کہ مصائب پر انسان راضی ہو یا نہ ہو، وہ بہرطور اس کے لئے کفارہ بنتی ہیں، اور حافظ ابن حجرؒ کا خیال ہے کہ اگر آدمی اللہ کی ابتلاء پر راضی رہے تو اس کو تقدیر پر راضی رہنے کا اجر بھی ہوگا اور گناہ تو معاف ہوگا ہی۔ (۵)

مریض کی عیادت

بیماروں کے سلسلہ میں آپ ﷺ نے جو ہدایات دیں، ان میں ایک اہم ہدایت عیادت کی ہے؛ کیوں کہ مریض کو اپنے خیر خواہوں کی ملاقات اور مزاج پُرسی سے راحت حاصل ہوتی ہے اور بے چین دل کو سکون میسر آتا ہے؛ چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے تئیں پانچ باتیں واجب ہیں: سلام کا

---

(۱) الانبیاء: ۸۳۔

(۲) بخاری، کتاب المرضی، باب ماجاء فی کفارۃ المرض، حدیث نمبر: ۵۶۴۰۔

(۳) فتح الباری: ۱۰/۱۰۹۔

(۴) بخاری، کتاب المرضی، باب ماجاء فی کفارۃ المرض، حدیث نمبر: ۵۶۴۵۔

(۵) فتح الباری: ۱۰/۱۱۰۔

جواب دینا، چھینک کا جواب دینا، مریض کی عیادت، جنازہ میں شریک ہونا اور دعوت قبول کرنا،(۱) ایک روایت میں اس کو ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کا حق قرار دیا گیا ہے، (۲) حضرت ثوبانؓ سے ارشاد نبوی ﷺ منقول ہے کہ جب تک کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کی عیادت میں رہتا ہے، تو جب تک واپس نہ آجائے وہ گویا جنت کی کیاری میں رہتا ہے۔(۳)

ایک موقع پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انسان سے دریافت فرمائیں گے: اے فرزندِ آدم! میں بیمار تھا اور تم نے میری عیادت نہیں کی، انسان کہے گا کہ باری تعالیٰ! کیا آپ بھی بیمار اور عیادت کے محتاج ہوتے ہیں؟ ارشاد ربانی ہوگا: اگر تم فلاں مریض کے پاس پہنچتے اور اس کی عیادت کرتے تو مجھے وہاں موجود پاتے۔(۴)

آپ ﷺ نے عیادت کو ایک انسانی فریضہ قرار دیا ہے؛ اس لئے اس میں مسلمان اور غیر مسلم، بڑے چھوٹے، مال دار اور غریب کا کوئی فرق نہیں، آپ ﷺ نے یہودی کی بھی عیادت کی ہے اور مشرک کی بھی عیادت فرمائی ہے، آپ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ اگر کسی علاقہ میں وبائی مرض پھوٹ پڑے تو وہاں سے لوگ بھاگ کھڑے ہوں، کہ ایک تو بھاگنے والوں کے ذریعہ مرض کے جراثیم دوسرے علاقوں تک بھی پھیل جائیں گے، دوسرے بڑا نقصان یہ ہوگا کہ جو لوگ مرض میں مبتلا ہو چکے ہیں، ان کے لئے تیمار دار اور دیکھ ریکھ کرنے والے نہیں رہیں گے۔

اس بنا پر بعض فقہاء نے تو مریض کی عیادت کو واجب قرار دیا ہے، خود امام بخاریؒ کا رجحان اسی طرف ہے؛ چنانچہ انھوں نے عنوان قائم کیا ہے: ''**باب وجوب عیادة المریض**''(۵) (مریض کی عیادت واجب ہونے کا بیان)، اکثر فقہاء نے عیادت کو مستحب

---

(۱) بخاری، کتاب الجنائز، باب الأمر باتباع الجنائز، حدیث نمبر: ۱۲۴۰۔
(۲) سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عیادة المریض، حدیث نمبر: ۱۴۳۵۔
(۳) بخاری: ۱/ ۴۱۸، حدیث نمبر: ۱۱۸۳۔
(۴) مسلم، کتاب البر والصلة، باب فضل عیادة المریض، حدیث نمبر: ۲۵۶۹۔
(۵) صحیح البخاری، کتاب المرضیٰ: ۷/ ۱۱۵۔

قرار دیا ہے،(۱) مگر خیال ہوتا ہے کہ عیادت کا واجب یا مستحب ہونا حالات پر موقوف ہے، اگر مریض کے مختلف تیمار دار موجود ہوں تو مستحب ہے، کوئی دیکھ ریکھ کرنے والا نہ ہو تو واجب ہے، یہی بات علامہ بغویؒ نے کہی ہے، (۲) گویا عیادت اجتماعی حیثیت میں واجب اور انفرادی طور پر ہر شخص کے لئے مستحب ہے۔

مریض کیلئے دُعاء

عیادت کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ مریض سے کہے: ''لا بأس طهور انشاء الله''(۳) یعنی پریشانی کی بات نہیں، انشاءاللہ پاکی حاصل ہوگی، پاکی سے مراد بیماری سے پاکی بھی ہوسکتی ہے اور گناہوں سے بھی، عیادت کی کچھ اور دُعائیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں :

۱- أذهب الباس رب الناس ، واشف انت الشافی ، لا شافی إلا انت ، اشف شفاء لا یغادر سقما ۔ (۴)

اے لوگوں کے رب! مصیبت دُور فرمایئے، اور شفاء عطا فرمایئے، تو ہی شفاء دینے والا ہے، تیرے سوا کوئی شافی نہیں، ایسی شفاء عطا فرمایئے جو کسی بیمار کو نہ چھوڑے۔

۲- بسم الله ، تربة ارضنا بریقة بعضنا لیشفی سقیمنا وبإذن ربنا ۔ (۵)

اللہ کے نام سے، ہماری زمین کی مٹی ہم میں سے بعض کے تھوک کے ساتھ ؛ تاکہ ہمارے بیمار کو ہمارے پروردگار کے حکم سے شفایاب کرے۔

---

(۱) موسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ: ۳۱/۷۶، مادہ عیادۃ۔
(۲) شرح السنۃ للبغوی، کتاب الجنائز، باب عیادۃ المریض وثواب: ۵/۲۱۲۔
(۳) بخاری، کتاب المرض، باب مایقال للمریض و ما یجیب، حدیث نمبر: ۵۶۶۲۔
(۴) بخاری، کتاب المرض، باب دعاء العائد للمریض، حدیث نمبر: ۵۶۷۵۔
(۵) بخاری، کتاب الطب، باب رقیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث نمبر: ۵۷۴۵۔

۳- أسال الله العظيم ، رب العرش العظيم أن يشفيك ۔ (۱)

ایسے اللہ جو عظمت والے اور بڑے عرش کے رب ہیں، سے سوال کرتا ہوں کہ تمہیں شفاء عطا کرے۔

عیادت بچوں کی بھی کرنی چاہئے ، (۲) عیادت چوں کہ ایک انسانی ہمدردی کا تقاضا ہے ؛ اس لئے مسلمانوں ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک یہودی کی بھی عیادت کی ہے، یہ بھی مستحب ہے کہ عیادت میں مریض کی سینہ پر ہاتھ رکھا جائے کہ اس سے تسلی اور تسکین خاطر مقصود ہے ؛ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کی عیادت فرمائی تو ان کی پیشانی پر دست مبارک رکھا۔(۳)

بیماری کی وجہ سے عبادات میں بھی سہولت

اسلام میں عبادت کی بڑی اہمیت ہے؛ کیوں کہ قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات انسان کے لئے بنائی ہے، (۴) اور انسان کو اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے؛ (۵) لیکن جو آدمی مریض ہو، اس کو عبادت میں بھی رعایت دی گئی ہے، جیسے نماز کے لئے وضوء ضروری ہے ؛ لیکن اگر بیمار شخص کو پانی کے استعمال سے نقصان کا اندیشہ ہو تو وہ تیمم کرسکتا ہے، یعنی مٹی پر دو دفعہ ہاتھ مارے اور اس سے چہرہ اور ہاتھوں کا مسح کرلے، (۶) نماز کا ایک اہم عمل قیام یعنی کھڑا ہونا ہے ؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دی کہ جو کھڑا نہ ہوسکتا ہو وہ بیٹھ کر اور جو بیٹھنے پر بھی قادر نہ ہو وہ لیٹ کر نماز ادا کرسکتا ہے۔(۷)

---

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، باب الدعاء للمریض عند العیادۃ، حدیث نمبر: ۳۱۰۶۔

(۲) شرح البخاری لابن البطال، کتاب المرضی، باب عیادۃ الصبیان: ۹/ ۳۷۹۔

(۳) جامع المسانید والسنن: ۳/ ۳۷۲، حدیث نمبر: ۴۰۰۳۔

(۴) بقرہ: ۲۹۔ (۵) ذاریات: ۵۶۔ (۶) مائدۃ: ۶۔

(۷) سنن ابن ماجہ، باب ماجاء فی صلاۃ المریض: ۱۲۲۳۔

پانچ وقت کی فرض نمازیں مردوں پر مسجد کی جماعت کے ساتھ ادا کرنا واجب ہے؛ لیکن اگر کوئی شخص بیماری کی وجہ سے مسجد نہ آسکے تو وہ گھر پر اور تنہا بھی نماز ادا کرسکتا ہے۔(۱)

روزہ رکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے؛ لیکن اگر کوئی شخص بیمار ہو اور روزہ نہیں رکھ سکتا ہو تو اس کے لئے گنجائش ہے کہ وہ ان دنوں میں روزہ چھوڑ دے اور بعد میں اس کی قضاء کر لے،(۲) اور اگر ایسا مریض ہو کہ صحتیاب ہونے کی اُمید نہ ہو تو وہ روزہ کے بجائے فدیہ ادا کرسکتا ہے، یعنی ایک روزہ کے بجائے ایک غریب مسکین کو دو وقت کا کھانا کھلائے،(۳) قرآن مجید میں بنیادی اُصول بیان فرمایا گیا ہے کہ مریض پر حرج وتنگی نہیں ہے: ''وَلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ''۔(۴)

علاج کی ترغیب

مریض کے سلسلہ میں آپ کی ایک اہم تعلیم یہ ہے کہ مریض کو اپنا علاج کرانا چاہئے، اور مریض کے متعلقین کو بھی چاہئے کہ ان کا علاج کرائیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بیماری بھی اُتاری ہے اور اس کی دوا بھی، اور ہر بیماری کی دوا رکھی ہے؛ لہٰذا علاج کرایا کرو؛ البتہ حرام دواؤں کا استعمال نہ کرو،(۵) ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے کے سوا ہر بیماری کا علاج رکھا ہے۔(۶)

اسلام میں تقدیر کا تصور ہے، یعنی دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے، اللہ کی مشیت سے ہوتا ہے، بیماریاں بھی اسی کی طرف سے ہیں اور صحت بھی اسی کی طرف سے ہے؛ اس لئے بعض صحابہ کو شبہ ہوا کہ علاج کا کیا فائدہ ہوگا؟ ہوگا وہی، جو اللہ کو منظور ہوگا، تو آپ نے ان کے اس خیال کی اصلاح فرمائی اور کہا کہ انسان کا بیمار پڑنا پھر علاج کرانا، اور علاج کے بعد صحتیاب ہونا بھی

(۱) البنایۃ شرح الہدایہ: ۲/ ۳۲۴، حکم صلاۃ الجماعۃ۔
(۲) بقرہ: ۱۸۴۔ (۳) البقرۃ: ۱۸۴۔
(۴) النور: ۶۱۔ (۵) الطب، باب فی الأدویۃ المکروھۃ: ۳۸۷۴۔
(۶) ابوداؤد، کتاب الطب، باب الرجل یتداوی، حدیث نمبر: ۳۸۵۵۔

تقدیر ہی کا حصہ ہے، یہ بھی اللہ ہی کی طرف سے مقدر ہے کہ ایک شخص بیمار ہوگا اور بیمار ہونے کے بعد علاج کے ذریعہ صحت مند ہوگا۔(۱)

بعض صحابہ کو خیال ہوا کہ علاج اللہ پر توکل کے خلاف ہے؛ ایک انصاری بیمار پڑ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے علاج کے لئے دو معالج کو طلب فرمایا، جب صحابہ نے توکل والی بات کہی تو آپ نے حکم دیا کہ علاج کراؤ؛ اس لئے کہ جس خدا نے بیماری دی ہے، اسی نے دوا بھی دی ہے اور دوا کے اندر شفاء بھی رکھی ہے۔(۲)

یہ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گزرا ہے کہ حرام چیزوں سے علاج نہ کیا جائے، یہ حکم بھی عام حالات میں ہے، جب کہ کوئی حلال دوا موجود ہو، اگر اس بیماری کی حلال دوا موجود نہ ہو اور کسی حرام شئے سے ہی اس کا علاج ہوسکتا ہو تو اس حرام شئے سے علاج کرنے کی بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دی ہے؛ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک ایسا وفد آیا جس کے پیٹ میں درد تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اونٹ کا پیشاب پینے کا مشورہ دیا۔(۳)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مریض کی صحت اور زندگی کی حفاظت کے لئے ہدایت دی کہ جو لوگ فن طب سے واقف نہ ہوں، وہ علاج نہ کریں اور اگر وہ علاج کریں اور اس سے مریض کو نقصان ہو جائے تو علاج کرنے والا اس کا ضامن ہوگا :

من تطبب ولا يعلم منه طب فهو ضامن ۔ (۴)

راز کی حفاظت

مریض کے لئے ایک اہم مسئلہ راز کی حفاظت کا ہے، بعض دفعہ انسان ایسے مرض میں مبتلا ہوتا ہے کہ وہ اس کو ظاہر کرنا نہیں چاہتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیبت کے سلسلہ میں جو اُصول

(۱) مستدرک حاکم عن حکیم بن حزام، کتاب الطب، حدیث نمبر: ۷۴۳۱۔
(۲) ابونعیم الاصفہانی: الطب النبوی، باب فی إحضار الأطباء: ۱/۱۸۸۔
(۳) بخاری، کتاب الوضوء، باب الابل، حدیث نمبر: ۲۳۳۔
(۴) سنن ابی داؤد، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۴۵۸۶۔

بتائے ہیں ، وہ اس سلسلہ میں ہماری رہنمائی کرتے ہیں ، غیبت انسان کے جسمانی ،فکری یا اخلاقی و عملی عیب کو دوسروں پر ظاہر کرنے کا نام ہے ، یہ حرام و گناہ ہے ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے شدت کے ساتھ منع فرمایا ہے ، اس سے معلوم ہوا کہ معالجین کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے مریضوں کے ساتھ ایسے امراض کے معاملہ میں امانت کا ثبوت دیں اور پردہ پوشی سے کام لیں ، جس کو وہ ظاہر کرنا نہیں چاہتا ہو ؛ البتہ اگر کسی شخص کو نقصان اور دھوکہ سے بچانا اس کے بغیر ممکن نہ ہو تو اس شخص کی حد تک مرض کا افشاء جائز ہے ، خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسے شخص کے سامنے عیب کا اظہار ثابت ہے جو اس سے رشتہ کرنا چاہتا ہو ، یہی اسلام کا توازن و اعتدال اور اس کا اصل امتیاز ہے۔

● ● ●

جانوروں کے ساتھ سلوک ☆

رحمت عالم ﷺ نے اپنے طرز عمل اور قول و فعل سے انسانوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات کے لئے بھی شفقت و رحم کا عمدہ نمونہ چھوڑا ہے اور انسانوں کے علاوہ حیوانات اور چرند و پرند کے لئے فطری ماحول اور محفوظ و پرامن جائے پناہ عطا کرنے اور ان کی غذائی ضرورت کا خیال رکھنے کی تلقین کی ہے، اس پر عمل کر کے ہم نہ صرف حیوانات کے تحفظ و بہبود کے منصوبے کو کامیاب بنا سکتے ہیں؛ بلکہ دنیا کے بدلتے ہوئے فطری ماحول، بگڑتے حالات، ماحولیاتی آلودگی اور ماحولیاتی عدمِ توازن کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔

جانور اور پرندوں کا دانہ کھانا صدقہ

رسول اکرم ﷺ نے ایک حدیث میں شجرکاری اور کاشت کاری کی فضیلت یہ بیان کی ہے کہ درخت اور کھیت سے انسان اور جانور کے پیٹ میں جو دانہ چلا جائے، وہ درخت اور کھیت لگانے والے کے لئے صدقہ ہوگا:

ما من مسلم يغرس غرسا أو يزرع زرعا فيأكل منه طير أو إنسان أو بهيمة إلا كان له به صدقة۔ (۱)

جو مسلمان کوئی درخت یا کھیتی لگاتا ہے اور اس سے پرندے، انسان یا جانور کچھ کھا لیتے ہیں تو یہ اس کے لئے صدقہ ہے۔

اس حدیث پر عمل کرنے سے نہ صرف ماحولیات کا تحفظ ہوگا؛ بلکہ غذائی ضروریات کی تکمیل ہوگی اور مخلوقات کی خدمت کا ثواب بھی حاصل ہوگا۔

☆ ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی (لکچرر: گورنمنٹ جونیر کالج شادنگر، تلنگانہ)۔

(۱) بخاری: ۱/۳۱۲، کتاب المساقاۃ، باب فضل الزرع والغرس۔

جانوروں کے ساتھ بہتر سلوک

جس طرح آپ ﷺ نے انسانوں کے کمزور طبقات جیسے: غلام، بچے اور خواتین کے حقوق وتحفظ کے بارے میں اللہ سے ڈرنے کی تاکید کی ہے، اسی طرح آپ ﷺ نے بے زبان جانوروں کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرایا ہے؛ چنانچہ ارشاد فرمایا :

اتقوا الله فی البهائم المعجمة ، فاركبوها صالحة ، وكلوها صالحة ۔ (۱)

بے زبان جانوروں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، ان پر بھلے طریقہ سے سواری کرو اور بھلے طریقہ سے انھیں کھاؤ۔

آپ ﷺ نے جانوروں اور تمام مخلوقات کے ساتھ بہتر سلوک کرنے اور ان سے بہتر طور پر پیش آنے کی تاکید فرمائی ہے؛ چنانچہ آپ ﷺ نے بیان فرمایا :

إن الله كتب الإحسان على كل شئی فإذا قتلتم فأحسنوا القتلة ، وإذا ذبحتم فأحسنوا الذبح ، وليحد أحدكم شفرته ، وليرح ذبيحته ۔ (۲)

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کا حکم دیا ہے، جب تم قتل کرو تو اچھی طرح قتل کرو، جب ذبح کرو تو اچھے طریقہ سے ذبح کرو، اپنی چھری تیز کرلو اور اپنے جانور کو آرام پہنچاؤ۔

آپ ﷺ کے اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ جانوروں سے ہر موقع پر بہتر سلوک کرنا چاہئے ، جانوروں کو ذبح کرنا اور ان کے اجزاء کو استعمال میں لانا فطری ضرورت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت دی ہے؛ لیکن ذبح کرنے کے لئے آپ ﷺ نے ایسا مہذب طریقہ بیان فرمایا ہے، جس سے جانور کو کم سے کم تکلیف ہو، اسی لئے آپ ﷺ نے اونٹوں میں نحر

(۱) ابوداؤد: ۱/ ۳۴۵، کتاب الجهاد، باب مایؤمر بہ من القیام علی الدواب والبهائم۔

(۲) ابوداؤد: ۲/ ۳۸۹، باب فی النهی ان تصبر البهائم والرفق بالذبیحۃ۔

اور دوسرے جانوروں میں ذبح کے طریقہ کو پسند فرمایا ہے نحر میں اونٹ کے سینے کے پاس جمع شدہ رگوں کو کاٹ دیا جاتا ہے، جس سے اس کی جان بہت آسانی سے نکل جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے جانوروں کو تڑپا تڑپا کر اور کند چھری سے ذبح کرنے سے منع فرمایا ہے، نیز زندہ جانور کا گوشت کاٹ کر کھانے سے منع فرمایا ہے، زمانۂ جاہلیت میں لوگ زندہ اونٹ کی کوہان کاٹ کر کھاتے تھے، آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اور کٹے ہوئے حصہ کو مردار گوشت کے زمرہ میں رکھا ہے :

ما أبين من البهيمة وهي حية فهي ميتة ۔ (۱)

زندہ جانور سے جو حصہ کاٹ لیا جائے وہ مردار ہے۔

جانوروں کو لڑانے کی ممانعت

زمانۂ جاہلیت سے بہ طور تفریح جانوروں کو لڑانے کا رواج ہے، یورپ میں آج بھی ''بُل فائٹنگ'' کے نام سے بیلوں کی لڑائی کا اہتمام قومی جشن کے طور پر کیا جاتا ہے اور اس ہلاکت خیز لڑائی کو یورپی اقوام بڑے جوش وخروش سے دیکھتی ہیں اور جانوروں کی ہلاکت پر انھیں کوئی افسوس نہیں ہوتا، خود ہمارے معاشرہ میں مرغ بازی، تیتر بازی اور کبوتر بازی تفریح کے دل دادہ حضرات کا پسندیدہ ومحبوب مشغلہ اور منفعت بخش تجارت ہے۔

حالیہ رپورٹ کے مطابق ہر سال ہمارے ملک میں دیوالی کے موقع پر ایک لاکھ سے زائد جانوروں اور پرندوں کی ہلاکتیں واقع ہوتی ہیں، میڈیا رپورٹ کے مطابق سب سے ظالمانہ پہلو یہ ہے کہ بعض نوجوان کتوں اور بلیوں کے جسم پر پٹاخے کی لڑیاں باندھ کر ان میں آگ لگا دیتے ہیں، جس کے باعث جانور جھلس کر اور زخموں کی تاب نہ لا کر ہلاک ہو جاتے ہیں۔ (۲)

(۱) ترمذی، حدیث نمبر: ۱۴۸۰، باب ما قطع من الحی فھو میت۔

(۲) روزنامہ منصف: ۴ر دسمبر ۲۰۱۵ء۔

جانوروں کو نشانہ بنانے والوں پر لعنت

اللہ کے رسول ﷺ نے محض تفریح اور شیطانی خواہشات کی تسکین کے لئے جانوروں یا پرندوں کو باندھ کر نشانہ بنانے سے منع فرمایا ہے اور ایسا کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے، جیسا کہ سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں :

میں سیدنا ابن عمرؓ کے ساتھ تھا، ان کا گزر چند نوجوانوں کے پاس سے ہوا، جو ایک مرغی کو باندھ کر نشانہ بازی کر رہے تھے ؛ انھوں نے جب سیدنا ابن عمرؓ کو دیکھا تو اِدھر اُدھر چلے گئے، سیدنا ابن ابن عمرؓ نے فرمایا: کس نے ایسا کیا ہے؟ نبی ﷺ نے ایسا کرنے والے پر لعنت کی ہے۔(۱)

دوسری روایت میں مزید وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے :

سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ سیدنا ابن عمرؓ کا گزر قریش کے چند نوجوانوں کے پاس سے ہوا، وہ لوگ پرندہ کو باندھ کر اس پر تیر اندازی کر رہے تھے، انھوں پرندہ کے مالک کے لئے ہر غلط نشانہ پر ایک تیر مقرر کیا تھا، جب انھوں نے سیدنا ابن عمرؓ کو دیکھا تو وہ لوگ منتشر ہو گئے، ابن عمرؓ نے کہا: کس نے ایسا کیا؟ جس نے ایسا کیا اس پر اللہ کی لعنت ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے ایسے شخص پر لعنت کی ہے جو کسی ذی روح کو نشانہ بنائے۔(۲)

اس حدیث کے آخری جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی ذی روح پرندہ یا جانور وغیرہ کو ستانا اور تڑپانا جائز نہیں ہے۔

---

(۱) بخاری، المثلة والمصبورة والمجثمة۔

(۲) مسلم: ۲/ ۱۵۳۔

جانوروں کے چہرہ کو داغنے کی ممانعت

جانوروں کو ایذا دینے کا ایک طریقہ ان کے چہروں کو داغنا اور چہروں پر مارنا ہے، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا :

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الضرب فى الوجه وعن الوسم فى الوجه ۔ (۱)

مسند احمد کی روایت میں ہے :

ينهى عن لطم خدود الدواب ۔ (۲)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جانوروں کے گالوں پر طمانچہ لگانے سے منع فرمایا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جانوروں کا چہرہ داغنے کے سلسلہ میں سیدنا حضرت جابرؓ کا بیان ہے :

أن النبى صلى الله عليه وسلم مر عليه حمار قد وسم فى وجهه فقال : لعن الله الذى وسمه ۔ (۳)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے ایک گدھا گزرا، جس کا چہرہ داغا ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس داغنے والے پر اللہ کی لعنت ہو۔

جانوروں کا مُثلہ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جانور کو مثلہ کرنے یعنی جانور کا کچھ عضو کاٹ کر اس کا چہرہ بگاڑ دینے سے بھی منع فرمایا ہے اور ایسا کرنے والے پر لعنت فرمائی ہے؛(۴) چنانچہ نسائی کی حدیث میں ہے :

(۱) مسلم: ۲؍۲۰۲، باب جاء النھی عن ضرب الحیوان فی وجھہ ووسمہ فیہ۔
(۲) مسند احمد حدیث نمبر: ۱۷۸۰۔
(۳) مسلم: ۲؍۲۰۲، باب النھی عن ضرب الحیوان۔
(۴) بخاری، حدیث نمبر: ۸۲۹۔

عن عبد الله بن جعفر رضی الله عنه قال : مر رسول
الله صلی الله علیه وسلم علی أناس وهم یرمون کبشا
بالنبل ، فکره ذلک وقال : لا تمثلوا بالبهائم ۔ (۱)
سیدنا عبداللہ بن جعفرؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر
چندلوگوں کے پاس سے ہوا، وہ لوگ ایک مینڈھے پر تیر سے نشانہ
لگا رہے تھے، آپ نے اسے ناپسند کیا اور فرمایا: جانوروں کو مثلہ نہ
کرو۔

جانوروں کو بلاضرورت مشقت میں نہ ڈالا جائے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جانوروں کا خیال رکھنے اور اس پر ضرورت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالنے کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا :

لا تتخذوا ظهور دوابکم منابر ، فإن الله تعالیٰ إنما
سخرها لکم لتبلغکم إلیٰ بلد لم تکونوا بالغیه إلا
بشق الأنفس ، وجعل لکم الأرض ، فعلیها ، فاقضوا
حاجاتکم ۔
تم اپنے چوپایوں کی پیٹھوں کو منبر (اسٹیج) نہ بنالو، اللہ تعالیٰ نے اسے
تمہارے لئے مسخر کیا ہے؛ تاکہ تم اپنے شہر کو پہنچ سکو، جہاں مشقت
کے بغیر تم نہیں پہنچ سکتے تھے، اللہ نے تمہارے لئے زمین بنائی، اس
پر اپنی ضرورتیں پوری کرو۔

ایک روایت میں ہے :
لا تتخذوها کراسی ۔ (۲)
چوپایوں کو کرسیاں نہ بناؤ۔

(۱) سنن نسائی: ۲/۲۰۹۔ (۲) مسند احمد حدیث نمبر: ۱۵۲۳۹۔

فطرت کے مطابق کام لیا جائے

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ بلاضرورت جانوروں کو مشقت دینا جائز نہیں ہے، جو کام جس جانور سے متعلق نہیں ہے اور جس کام میں جانور کی مدد کی ضرورت نہیں ہے، ایسے کام میں جانور کی مدد لینا مناسب نہیں ہے، نیز ایسے کام جو جانور کی صلاحیت اور مزاج سے ہم آہنگ نہیں ہیں، ان سے ایسے کام لینا مناسب نہیں ہے، جیسے: گھوڑے سے ہل جتوانا اور بکرے یا گائے سے سواری یا بار برداری کا کام لینا؛ چنانچہ صحیح بخاری میں آپ ﷺ سے ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے:

عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: بينما رجل راكب على بقرة التفتت إليه، فقالت: لم أخلق لهذا، خلقت للحراثة۔ (۱)

سیدنا ابوہریرہؓ نبی ﷺ کا بیان نقل فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک آدمی گائے پر سوار تھا، گائے نے اس کی طرف رخ کر کے کہا: میں اس لئے پیدا نہیں کی گئی، مجھے کھیتی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

جانور پر زیادہ افراد سوار نہ ہوں

آج دو پہیوں والی گاڑیوں میں دو سے زائد افراد کا بیٹھنا قانونی اعتبار سے ممنوع ہے، اس سے گاڑی اور سوار دونوں کو نقصان پہنچ سکتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے ازراہ شفقت ایک جانور پر تین آدمیوں کے سوار ہونے سے منع فرمایا ہے:

نهى أن يركب ثلاثة على دابة۔ (۲)

جانور کو بھوکا رکھنا

ایک مرتبہ رحمت للعالمین ﷺ ایک انصاری صحابیؓ کے باغ میں گئے، اس میں ایک

---

(۱) بخاری: ۱/ ۳۱۲، ابواب الحرث والمزارعۃ، باب استعمال البقر للحراثۃ۔

(۲) المعجم الاوسط، حدیث نمبر: ۷۵۱۲۔

اونٹ تھا، آپ ﷺ کو دیکھ کر وہ اونٹ سسکنے لگا، اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، آپ ﷺ اس اونٹ کے پاس گئے، اس کی کوہان اور گردن سہلائی، تو اونٹ نے سسکنا بند کر دیا، آپ ﷺ نے دریافت کیا: اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ ایک نوجوان انصاریؓ نے آ کر عرض کیا: یہ میرا اونٹ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس جانور کے بارے میں اللہ سے ڈرتے نہیں ہو، جس نے تم کو اس کا مالک بنایا ہے؟ یہ اونٹ مجھ سے شکایت کر رہا ہے کہ تم اسے بھوکا رکھتے ہو اور اس کو مسلسل خوب تیز ہانکتے ہو۔(۱)

دورانِ سفر چارہ کا خیال رکھنا

حضور اکرم ﷺ نے تاکید فرمائی ہے کہ دوران سفر ہریالی کی جگہ میں جانور کو چرنے کا موقع دیا جائے اور جہاں ہریالی نہ ہو، وہاں سے جانور کو تیز بڑھایا جائے؛ تاکہ منزل تک جلد پہنچ کر جانور کو چارہ اور پانی حاصل ہو سکے؛ چنانچہ ارشاد ہے :

إذا سافرتم في الخصب فأعطوا الإبل حظها من الأرض ، فإذا سافرتم في السنة فبادروا بها نقيها ، وإذا عرستم بالليل فاجتنبوا الطريق ، فإنها طرق الدواب ومأوى الهوام بالليل ۔ (۲)

جب تم ہریالی کی جگہ میں سفر کرو، تو اونٹ کو زمین میں چرنے کا حق دو اور جب خشک سالی میں سفر کرو تو تیز تیز سواری بھگاؤ اور اس کو جلد پانی کی جگہ پہنچاؤ، جب تم رات میں کہیں قیام کرو، تو راستہ سے ہٹ کر ٹھہرو؛ کیوں کہ یہ رات میں جانوروں کی گزرگاہ اور حشرات الارض کا ٹھکانہ ہے۔

(۱) ابوداؤد: ۱/ ۳۴۵، مسند احمد: ۲۰۴۔

(۲) مسلم: ۲/ ۱۴۴، کتاب الامارۃ، باب مراعاۃ الدواب فی السیر، حدیث نمبر: ۱۹۲۶۔

حشرات الارض کی رعایت

اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جانوروں کے ساتھ حشرات الارض کا بھی خیال کرنے کی تاکید فرمائی ہے کہ دن میں جن راستوں سے چل کر انسان اپنی ضروریات کی تکمیل کرتا ہے، رات میں جانور اور حشرات الارض ان ہی راستوں سے چل کر اپنی روزی تلاش کرتے ہیں؛ چنانچہ رات میں مین راستہ میں نماز پڑھنے سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے :

لا تصلوا علی جواد الطریق ولا تنزلوها ، فإنها مأوی الحیات والسباع ۔ (۱)

مین راستہ میں نماز نہ پڑھو اور نہ وہاں قیام کرو؛ کیوں کہ وہ سانپوں اور درندہ جانوروں کا ٹھکانہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رات کے وقت زمین میں زیادہ پھرنے سے بھی منع فرمایا ہے؛ تاکہ جانوروں کو وحشت نہ ہو :

أقلوا الخروج بعد هدأة الرجل ، فإن لله تعالیٰ دواب بیتهن فی الأرض ۔ (۲)

رات میں چہل پہل ختم ہونے کے بعد کم نکلا کرو؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی کچھ مخلوق ہیں جن کا گھر زمین میں ہے۔

پرندوں پر رحم اور چیونٹیوں کو جلانے کی ممانعت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پرندوں کے بچے پکڑ کر بچے اور ان کی ماں کو ستانے سے منع فرمایا ہے، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کا بیان ہے :

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کسی سفر میں تھے، آپ کسی ضرورت سے گئے ہوئے تھے، ہم نے ایک سرخ پرندہ دیکھا، جس کے

(۱) مجمع الزوائد: ۳/ ۲۱۳۔ (۲) ابوداؤد: ۲/ ۶۹۶، کتاب الادب، باب فی الدیک والحیوان۔

دو چوزے تھے، ہم نے دونوں چوزوں کو پکڑ لیا، تو اس کی ماں پَر
مارنے لگی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: کس نے اس پرندہ کو
اس کے بچے چھین کر ستایا ہے؟ اس کو اسکے بچے لوٹا دو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
چیونٹیوں کا ایک غول دیکھا جس کو ہم نے جلا دیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
پوچھا: کس نے ان کو جلایا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ہم نے جلایا
ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آگ کے مالک کے سوا کسی دوسرے کو
آگ کا عذاب دینا مناسب ہے۔(۱)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی جانور کو آگ سے جلانا ناجائز ہے اور محض تفریح کے لئے پرندوں اور جانوروں کو قید کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

جانوروں کو بُرا بھلا نہ کہا جائے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرغ کو گالی دینے سے بھی منع فرمایا ہے؛ کیوں کہ وہ صبح میں سونے والوں کو نماز کے لئے جگاتا ہے :

لا تسبوا الديك فإنه يوقظ للصلاة ۔ (۲)
مرغ کو بُرا بھلا نہ کہو؛ کیوں کہ وہ نماز کے لئے بیدار کرتا ہے، یعنی:
ایسے وقت آواز لگاتا ہے جو فجر کی نماز کا ہے، اس طرح لوگ نماز
کے لئے آسانی سے بیدار ہو جاتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جانور پر لعنت کرنے کو ناپسند فرمایا ہے؛ چنانچہ صحیح مسلم میں سیدنا عمران بن حصین اور ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر میں انصار کی ایک خاتون بھی تھیں، وہ اونٹنی پر سوار تھیں، ان کی اونٹنی پر کچھ لوگوں کا سامان تھا، خاتون نے کسی بات پر غصہ میں آ کر اونٹنی پر لعنت کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اونٹنی پر سے سامان ہٹا لینے کا حکم فرمایا۔(۳)

(۱) ابوداؤد: ۲/ ۱۴۷، کتاب الادب، باب في قتل الذر۔
(۲) ابوداؤد: ۲/ ۶۹۶، کتاب الادب، في الديك والبهائم، حدیث نمبر: ۵۱۰۵۔ (۳) مسلم: ۲/ ۳۲۳۔

جنسی ہوس پوری کرنے والے پر لعنت

رسول اللہ ﷺ نے جانور سے جنسی ہوس کی تکمیل کرنے والے پر لعنت فرمائی ہے، (۱) اور ایسے سیاہ کار کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ (۲)

ایک عام آدمی اس طرح کی خسیس حرکت کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا؛ لیکن حال ہی میں یورپ کے ملک سوئزرلینڈ کے بارے میں انتہائی شرم ناک خبر آئی ہے کہ وہاں جانوروں اور بالخصوص گھوڑوں کے ساتھ جنسی اختلاط میں ہوش ربا اضافہ ہوتا جارہا ہے، رپورٹ کے مطابق سوئزرلینڈ میں اس وقت جانوروں سے جنسی ہوس پوری کرنے والے عادی افراد کی تعداد دس ہزار سے تجاوز کر چکی ہے۔ (۳)

پیاسے جانور کو پانی پلانا

آنحضرت ﷺ کا جانوروں سے حسنِ سلوک کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ جانوروں کی پیاس کا خیال رکھتے اور دورانِ وضو بلّی کو اپنے برتن سے پانی پلاتے، پھر اسی بچے ہوئے پانی سے وضو فرمالیتے، جیسا کہ سیدہ عائشہؓ کا بیان ہے :

عن عائشة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصغي الإناء للهر ويتوضأ بفضله ۔ (۴)

سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بلی کے لئے برتن جھکا دیتے اور اس کے بچے ہوئے پانی سے وضو فرمالیتے۔

آپ ﷺ نے گھر میں آنے جانے والے پرندے اور جانور کے جھوٹے پانی کو ناپاک قرار نہیں دیا ہے؛ تاکہ گھر والوں کو تنگی نہ ہو؛ چنانچہ ارشاد ہے :

---

(۱) مستدرک حاکم: ۴/ ۳۵۶، مجمع الزوائد: ۶/ ۲۷۲۔

(۲) ترمذی: ۱/ ۲۶۹، کتاب الحدود، باب ما جاء فیمن یقع علی البھیمۃ۔

(۳) روزنامہ منصف، حیدرآباد: ۶/ دسمبر ۲۰۱۵ء۔

(۴) شرح معانی الآثار للطحاوی: ۱/ ۱۱، کتاب الطھارۃ، باب سور الھر۔

الهرة ليست بنجسة ، إنما هي من الطوافين عليكم والطوافات ۔ (۱)

بلّی کا جھوٹا ناپاک نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ تمہارے پاس چکر لگانے والے اور چکر لگانے والیوں یعنی بار بار آنے جانے والے جانوروں میں سے ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی اسرائیل کی ایک عورت کا ذکر فرمایا کہ وہ بلی کی وجہ سے جہنم کے عذاب کی مستحق ہوگئی، اس نے بلی کو باندھ دیا تھا، وہ بلی کو نہ کچھ کھلاتی پلاتی تھی اور نہ زمین سے غذا حاصل کرنے کے لئے چھوڑتی تھی، یہاں تک کہ بلی بھوک سے مرگئی۔ (۲)

جانور پر رحم کرنے سے بخشش

اس کے برخلاف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عورت کا ذکر فرمایا کہ کنویں کے قریب ایک کتا چکر لگا رہا تھا، پیاس سے اس کی جان نکلنے والی تھی کہ بنی اسرائیل کی ایک بدکار عورت کی نظر اس پر پڑ گئی، اس نے اپنا موزہ نکالا اور کتے کو پانی پلادیا، اللہ تعالیٰ نے اس عمل کی وجہ سے اس عورت کی مغفرت فرمادی۔ (۳)

صحیح بخاری میں یہ واقعہ دوسری جگہ تفصیل سے اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ایک آدمی کہیں جا رہا تھا، اس کو شدید پیاس لگی، اس نے کنویں میں اتر کر پانی پی لیا اور کنویں سے باہر نکل آیا، باہر ایک کتا پیاس کے مارے اپنی زبان نکالے گیلی مٹی کھا رہا تھا، اس شخص نے دل میں سوچا: اس کتے کو بھی میری طرح پیاس لگ رہی ہوگی، اس نے اپنے چمڑے کے موزے میں پانی بھرا، اس کو منھ سے دبائے رہا اور اوپر آ گیا، پھر اس نے کتے کو پانی پلا کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، اس عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی مغفرت فرمادی۔

(۱) شرح معانی الآثار للطحاوی: ۱/۱۱، کتاب الطھارۃ، باب سور الھر۔

(۲) بخاری: ۱/۴۹۵، کتاب الانبیاء، باب ماذکر عن بنی اسرائیل۔

(۳) بخاری: ۱/۴۹۳، کتاب الانبیاء۔

صحابۂ کرامؓ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ کیا جانوروں کے ساتھ بھلائی کرنے میں بھی ہمیں ثواب ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہر تازہ جگر والے یعنی ہر زندہ ذی روح کے ساتھ حسنِ سلوک میں ثواب ہے۔(۱)

معلوم ہوا کہ ثواب کی نیت سے اگر ہم انسانوں کے علاوہ جانوروں کے ساتھ بھی بھلائی کریں، جانوروں کی تکلیف دور کرنے کی کوشش کریں، تو یہ بھی ہمارے لئے اجر وثواب کا باعث، ذخیرۂ آخرت اور جنت میں جانے کا ذریعہ ہوگا۔

غرض جانوروں، پرندوں اور حشرات الارض کے تئیں پیارے نبی ﷺ کا اُسوہ اور آپ ﷺ کے ارشادات وفرمودات ہم سے تقاضا کرتے ہیں کہ ہمارا دل اللہ کی تمام مخلوقات کے تئیں رحم وکرم کے جذبہ سے معمور ہو، اللہ کی کسی بھی مخلوق کے ساتھ ظلم وستم اور تکلیف پر ہمارا دل تڑپ اُٹھے، اور ہم اسے راحت پہنچانے کی کوشش کریں، تب ہی ہم صحیح معنوں میں رحمت للعالمین ﷺ کی اُمت کہے جانے کے مستحق ہیں۔

• • •

(۱) صحیح بخاری: ۱/۳۱۸، کتاب المساقاۃ، باب فضل سقی الماء۔

خدمتِ خلق اور اُسوۂ نبوی ﷺ ☆

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مخلوق ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کا کنبہ اور خاندان ہے، مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے یہاں سب سے زیادہ محبوب بندہ وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ اچھا سلوک کرے: ''الخلق عیال اللہ واحب الناس الی اللہ من احسن الی عیالہ''۔(۱)

اس حدیث میں دو باتیں بیان کی گئیں ایک مخلوق کی حیثیت، دوسرے محبوب ہونے کا معیار، مخلوق کی حیثیت یہ بتائی گئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے، جیسے ہر انسان اپنے اہل عیال اور گھر والوں کی خدمت کرتا ہے، ان کے لئے راحت وآرام کے اسباب پیدا کرتا ہے، اسی طرح تمام انسانوں کے خالق ورازق اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ اس کی ساری مخلوق کی بھی اپنے اہل خانہ کی طرح خدمت کی جائے، اس کی راحت وآرام کا خیال رکھا جائے، مخلوق میں اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار اور نافرمان موحد ومشرک اور مسلم وغیر مسلم سب داخل ہیں، بل کہ اس سے آگے بڑھ کر جانور حیوانات ونباتات بھی اس میں شامل ہیں، ہر انسان کو خلق خدا کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے اس کا جائز حق ملنا چاہئے، انسانیت کی خدمت کے موقع پر کوئی منفی پہلو پیش نظر نہیں رکھا جاتا؛ اس لئے کہ منفی پہلو کو تلاش کرنے سے انسانوں میں تفریق وتقسیم کو راہ ملتی ہے اور پھر یہ راہ انسانیت کی خدمت کے لئے ''سدراہ'' بنتی ہے۔

حدیث میں بارگاہ خداوندی میں محبوب ہونے کا معیار مخلوق کے ساتھ حسن سلوک کو قرار دیا گیا، کوئی بھی شخص اپنی ذات میں کتنا ہی نیکوکار اور پارسا کیوں نہ ہو، اگر خلق خدا کے ساتھ اس کا رویہ ہمدردی وغم خواری کا نہیں ہے؛ بلکہ ایذا رسانی کا ہے تو پھر وہ اپنے پروردگار

☆ مولانا محمد انصار اللہ قاسمی (استاذ: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد ومبلغ مجلس تحفظ ختم نبوت تلنگانہ وآندھرا)۔

(۱) المعجم الاوسط للطبرانی، حدیث نمبر: ۵۵۴۱۔

اور پالنہار کے دربار میں مبغوض وناپسندیدہ ٹھہرے گا؛ چنانچہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہمارے نزدیک تو مفلس (فقیر) وہ ہے جس کے پاس روپیہ پیسہ اور دنیا کا ساز وسامان نہ ہو، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن ڈھیر ساری نیکیاں لے کر آئے گا، نمازیں بھی ہوں گی، روزہ بھی ہوگا، زکوۃ بھی ہوگی؛ لیکن جب اس کے اعمال کا حساب وکتاب ہوگا تو معلوم ہوگا کہ اس نے فلاں کو گالی دی ہے، کسی پر تہمت لگائی ہے، کسی کا قتل کیا ہے اور کسی کو ناحق مارا ہے، اس طرح بہت سارے بندے اس سے اپنا حق طلب کریں گے، اس کے نتیجہ میں اس شخص کی نیکیاں لوگوں کو ان کے حق کے مطابق دی جاتی رہیں گی، یہاں تک کہ نیکیاں ساری ختم ہوجائیں گے، لیکن لوگوں کے حقوق اب بھی باقی رہیں گے، اس پر اللہ تعالیٰ حکم فرمائیں گے کہ ان بقیہ لوگوں کے گناہ اس نیک و پارسا شخص کے کھاتہ میں ڈالتے جاؤ، اس طرح یہ شخص آیا تو تھا نیکیوں کا انبار لے کر؛ لیکن مخلوق خدا کے ساتھ بہتر سلوک نہ کرنے پر دوسرں کے گناہوں کا بوجھ بھی اس کو ڈھونا پڑا، پھر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔(۱)

کچھ خاص محتاجوں سے متعلق بندہ اور رب کے درمیان سوال وجواب

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ لوگوں سے دریافت فرمائیں گے، اے آدم کے بیٹے! میں بیمار تھا، تو نے میری مزاج پرسی نہیں کی، وہ شخص عرض کرے گا کہ اے میرے پروردگار آپ تو رب العالمین ہیں، سارے جہاں والوں کے رب ہیں، میں کیسے آپ کی عیادت کرتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، کیا تجھے نہیں معلوم تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا اور تو نے اس کی عیادت نہیں کی، تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ اگر تو اس بندہ کی مزاج پرسی کرتا تو، تو مجھے بھی اس کے یہاں پاتا، اللہ تعالیٰ پھر پوچھیں گے: اے آدم کے بیٹے! مجھے کھانے کی ضرورت تھی، لیکن تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا، وہ شخص عرض کرے گا کہ اے میرے رب! آپ تو رب العالمین ہیں (سارے جہاں والوں کو

(۱) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۵۸۱۔

کھلانے والے ہیں)، میں آپ کو کیسے کھلاتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، تجھے یاد ہونا چاہئے کہ میرا فلاں بندہ کھانے کا محتاج تھا اور تو نے اس کو کھانا نہیں کھلایا، یاد رکھ، اگر تو اس بھوکے کو کھانا کھلاتا تو ضرور اس کا بدلہ میرے یہاں پاتا، اللہ تعالیٰ مزید دریافت فرمائیں گے: اے آدم کے بیٹے! میں پیاسا تھا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا، وہ شخص عرض کرے گا، اے میرے رب! آپ تو رب العالمین ہیں، (سارے جہاں والوں کو سیراب کرتے ہیں) میں کیسے آپ کو پانی پلاتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، میرے فلاں بندہ نے تجھ سے پانی مانگا تھا اور تو نے اس کو پانی نہیں پلایا، تجھے پتہ ہونا چاہئے اگر تو اس کو پانی پلاتا تو میرے پاس اس کا بدلہ ضرور تجھے ملتا۔(۱)

اس حدیث میں جن باتوں کا ذکر ہے ان سب کا تعلق انسانوں کی خدمت اور راحت رسانی سے ہے، مثلاً: بیماروں کی مزاج پرسی کرنا، بھوکوں کو کھانا کھلانا اور پیاسوں کو پانی پلانا وغیرہ، ان باتوں پر عمل کرنا ہر شخص کا انسانی اور اخلاقی فریضہ ہے، اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے دین و مذہب، ملک و ملت، مسلک و مشرب، رنگ و نسل، کسی بھی طرح کی کوئی حد بندی اور درجہ بندی نہیں کی گئی۔

خدمتِ خلق کے مختلف کام

احادیث میں انسانیت کی خدمت اور نفع رسانی سے متعلق ان عام تعلیمات کے علاوہ مخلوق خداوندی میں بطور خاص بعض مجبور، معذور اور کمزور لوگوں کی مدد کرنے کی خصوصی ترغیب دی گئی مثلاً یتیم لڑکیوں اور بیوہ خواتین کی دیکھ بھال کی اہمیت اور فضیلت کو بیان کیا گیا، ایک جگہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کو ملا کر ارشاد فرمایا: ''**انا وکافل الیتیم فی الجنة هكذا**'' جنت میں، میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا بہت قریب ہوں گے، (۲) ایک جگہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم مجھے ضعیف اور کمزور لوگوں میں تلاش کرو، اس لئے کہ تمہارے کمزور اور ضعیف لوگوں کی وجہ سے ہی تمہیں رزق دیا جاتا ہے اور تمہاری مدد کی

(۱) صحیح مسلم، باب فضل عیادة المریض۔ (۲) صحیح بخاری، حدیث نمبر:۵۰۰۶۔

جاتی ہے"فانما تنصرون وترزقون بضعفائکم "(۱)اسی طرح آپ ﷺ نے بیوہ خاتون اور یتیم کی کفالت میں سرگرم رہنے والے کے شخص بارے میں فرمایا: وہ اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے، دن بھر روزہ رکھنے والے اور رات بھر عبادت کرنے والے کی طرح ہے: "الساعی علی الأرملة والمسکین کا لمجاھد فی سبیل اللہ أوکالذی یصوم النھار و یقوم اللیل"(۲)غرض یہ کہ اس طرح کی بے شمار احادیث ہیں جن میں انسان ہونے کی حیثیت سے سماج کے غریب، مفلوک الحال، مجبور ومعذور، مصیبت زدہ اور پریشان حال لوگوں کے ساتھ ہمدردی وغم خواری اور دل داری ودلجوئی کرنے کی تعلیم دی گئی۔

خدمتِ خلق — سیرت کے واقعات کی روشنی میں!

محسن انسانیت حضرت محمد ﷺ سارے انسانوں کے نبی اور پیغمبر ہیں، آپ ﷺ کو "رحمۃ للعالمین" فرمایا گیا، اس لئے انسانوں کے ساتھ محبت وشفقت ان کی خدمت اور راحت آپ ﷺ کی مبارک زندگی کا مقصد اور مشن رہا، اس مقصد ومشن کو پھیلانے کے لئے اپنی ذات سے عملی نمونہ بھی پیش فرمایا، اس سلسلہ میں آنحضرت ﷺ کی مبارک زندگی کے چند واقعات ملاحظہ ہوں :

حضرت خدیجہؓ کی گواہی

پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ پر جب پہلی مرتبہ خدا کا کلام نازل ہوا اور آپ ﷺ کو منصب نبوت ورسالت سے سرفراز کیا گیا، نبوت ورسالت دنیا کے عام عہدوں کی طرح کوئی عہدہ اور اعزاز نہیں ہے کہ جس کے ملنے پر آدمی خوشی سے پھولے نہ سماتا ہو، نبوت ورسالت کا منصب پانا دراصل انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کی عظیم ذمہ داری کو قبول کرنا ہے، اس لئے رسول اللہ ﷺ پریشان ہوگئے کہ مجھ سے یہ عظیم الشان ذمہ داری ادا ہو پائے گی کہ نہیں ؛

(۱) ابوداؤد، ریاض الصالحین باب ملاطفة والبنات وسائر الضعفه۔
(۲) صحیح بخاری، باب الساعی علی الارملہ، حدیث نمبر:۶۰۰۶۔

چنانچہ مختلف اندیشے اور خطرات محسوس کرتے ہوئے خوف وگھبراہٹ کی حالت میں زوجہ مطہرہ اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے گھر پہنچتے ہیں اور فرماتے ہیں ''زملونی زملونی'' مجھے چادر اڑھادو! مجھے چادر اڑھادو! اہلیہ محترمہ پریشان ہوکر عرض کرتی ہیں: کیا ہوگیا میرے سرتاج؟ آپ اتنے پریشان اور خوف زدہ کیوں ہیں؟ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: مجھے اپنے بارے میں ڈر محسوس ہورہا ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پورا واقعہ بیان فرماتے ہیں، یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غم خوار وغمگسار بیوی اُم المومنین حضرت خدیجہؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دیتی ہیں اور عرض کرتی ہیں: خدا کی قسم! اللہ آپ کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا، مزید تسلی واطمینان کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف وکمالات یوں بیان کرتی ہیں:

انک لتصل الرحم وتکسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق۔ (۱)

بے شک آپ رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں، لوگوں کے بوجھ اٹھاتے ہیں، ناداروں کی دستگیری کرتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں اور راہ حق میں آنے والی مصیبتوں میں لوگوں کے کام آتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کے کلمات اور تاثرات میں سے ایک ایک جملہ پر غور کیجئے! ہر جملہ کا تعلق انسانوں کی خدمت اور ان کی راحت رسانی سے ہے، حضرت خدیجہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت سی خصوصیات میں خدمت خلق کے کاموں کو خاص طور پر ذکر کیا اور عرض کیا: جب آپ اتنے سارے نیک کام کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز ناکام ورسوا نہیں فرمائے گا، معلوم ہوا کہ جو لوگ نیک جذبہ اور صحیح طریقہ پر مخلوق کی راحت اور نفع رسانی کا کام کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ انھیں ناکامی اور رسوائی سے محفوظ رکھتے ہیں، دوسرے

(۱) صحیح بخاری باب بدءالوحی، حدیث نمبر: ۳۔

یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی مبارک زندگی کی یہ مصروفیات آپ ﷺ کے نبی اور پیغمبر بننے سے پہلے کی تھیں، اگر دعویٰ نبوت کے بعد آپ ﷺ کی یہ مصروفیت ہوتی تو شاید شک وشبہ ہوتا کہ آپ ﷺ چوں کہ لوگوں کو اپنے دعوت و پیغام سے جوڑنا چاہتے ہیں؛ اس لئے دوسروں کے کام آتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں؛ لیکن آپ ﷺ بالکل بے لوث اور بے غرض ہو کر خالص انسانی جذبہ کے ساتھ یہ کام کیا کرتے تھے، آپ ﷺ کا یہ اُسوۂ حسنہ آج کل کے بعض مذہبی اداروں اور برادریوں کے رویہ کے بالکل برعکس ہے جو صرف اپنے مذہب کی توسیع وتبلیغ کے مقصد کے تحت رفاہی وفلاحی خدمات انجام دیتے ہیں۔

مکہ کی قحط سالی کے موقع پر نبی ﷺ کا جذبہ انسانی

انسانیت کی خدمت اور اس کے فلاح و بہبودی کے کاموں میں مذہبی اختلاف اور عداوت کو کبھی آڑ اور رکاوٹ نہیں بننا چاہئے، یہ بات اُسوۂ نبوی ﷺ میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے، ہوا یوں کہ مکہ میں یمامہ سے غلہ آیا کرتا تھا، اس علاقہ کے سردار ثمامہ بن آثال مسلمان ہو گئے، یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کے مخالفین قریش مکہ نے انھیں تبدیلیٔ مذہب کا طعنہ دیا اور ان پر جملے کسے، اس پر حضرت ثمامہ بن آثال کو بھی غصہ آیا، انھوں نے کہا: خدا کی قسم! رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے بغیر مکہ والوں کو ایک دانہ غلہ بھی نہیں ملے گا، اس طرح انھوں نے مکہ والوں پر غلہ کی پابندی لگادی، اس پابندی کی وجہ سے مکہ کے عوام شدید متاثر ہوئے، فاقوں کی نوبت آگئی اور قحط کی صورت حال پیدا ہوگئی، دشمنی کے جوش میں مکہ کے سردار شروع میں اس کا اندازہ نہیں کر پائے؛ لیکن صورت حال جب بے قابو ہوگئی تو انھوں نے رحمۃ للعالمین ﷺ کی بارگاہ میں مدد کی درخواست کی، آپ ﷺ نے فوری طور پر حضرت ثمامہ بن آثال کو کہلا بھیجا کہ غلہ پر سے پابندی اُٹھالو، حضرت ثمامہ نے حکم تعمیل کی، پھر حسبِ معمول مکہ میں یمامہ سے غلہ کی آمد شروع ہوگئی۔(۱)

(۱) سیرت رحمۃ اللعالمین: ۱/ ۲۶۵۔

ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں بارش نہ ہونے کی وجہ سے شدید خشک سالی ہوگئی، لوگ مردار اور ہڈیاں کھانے پر مجبور تھے، ابوسفیان جو اس وقت نہ صرف اسلام کے مخالف تھے بلکہ مخالفین کے سردار تھے، وہ محسن انسانیت حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے محمد! آپ مصیبت زدہ انسانوں کے کام آتے ہیں اور دوسروں کو بھی ایسی ہی تعلیم دیتے ہیں، دیکھئے خشک سالی کی وجہ سے آپ کی قوم بھکمری اور فاقہ کشی میں مبتلا ہے، آپ اپنے رب سے دُعا کیجئے کہ قوم سے یہ مصیبت اور پریشانی دُور ہوجائے، اگرچہ آنحضرت ﷺ کی قوم مشرک اور بت پرست تھی؛ لیکن ان کے مذہبی عقیدہ ونظریہ سے قطع نظر صرف اور صرف انسانی جذبہ کے خاطر آقائے دو جہاں ﷺ نے وحدہٗ لاشریک کی بارگاہ میں دُعا کے لئے اپنے ہاتھ اُٹھائے، اِدھر آپ ﷺ کی دُعا ختم ہوئی اور اُدھر مکہ مکرمہ میں زبردست بارش ہوئی اور پریشان حال مکہ کے لوگوں نے راحت وسکون کی سانس لی۔(۱)

نبی ﷺ کا ایک مظلوم تاجر کو اُس کا حق دلوانا

خدمت خلق کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ مظلوموں اور دبے کچے لوگوں کو ان کا حق دلایا جائے، ان کے حقوق کی بحالی اور بازیابی کی کوشش اور جدوجہد کی جائے، اس لئے کہ کمزور انسان پر جب ظلم ہو تو اپنی کمزوری کی وجہ سے اس کو اپنے اوپر ہونے والے ظلم کا احساس بہت شدید ہوتا ہے، ایسے میں اگر کوئی اس کی ہمدردی اور مدد کے لئے کھڑا ہوجائے تو اس کمزور ومظلوم انسان کی ہمت بندھتی ہے، محسن انسانیت حضرت محمد ﷺ مظلوموں کی مدد کے لئے ہمیشہ تیار رہتے اور ظلم کرنے والوں سے ان کا حق دلواتے۔

ایک مرتبہ بنوزُبید قبیلہ کے آدمی سے عاص بن وائل نامی ایک شخص نے مال خریدا، لیکن قیمت کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنے لگا، بنوزبید کے آدمی نے مختلف لوگوں سے مدد چاہی؛ لیکن لوگوں نے توجہ نہیں دی، جب مکہ کے بااثر لوگوں نے بنوزبید کے آدمی کے مسئلہ پر توجہ

(۱) سیرت رحمۃ اللعالمین: ۱/ ۲۶۵۔

نہیں دی تو اس نے عرب کے عام رواج کے مطابق کھلے عام فریاد کی، اس موقع پر زبیر بن عبدالمطلب کھڑے ہوئے اور مکہ کے چند شریف لوگوں کو ساتھ لے کر عبداللہ بن جدعان کے گھر پہنچے، وہاں جمع ہونے والے ان شرفاء مکہ نے طے کیا کہ ہم مظلوموں کا ساتھ دیں گے اور کمزوروں کو ان کا حق دلوائیں گے؛ چنانچہ اسی مجلس میں بنوزبید کے آدمی اور عاص بن وائل کا مسئلہ حل کیا گیا، اس موقع پر ان لوگوں نے ''حلف الفضول'' کے نام سے ایک تنظیم بھی بنائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک اس وقت بیس سال تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سرگرم رکن کی حیثیت سے اس تنظیم میں شریک ہوئے، نبی بننے کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا اظہار فرماتے تھے کہ اگر آج بھی مظلوموں کی نصرت وحمایت کے لئے ایسی کوئی انجمن بنتی ہے اور اس میں مجھے شرکت کی دعوت دی جائے تو میں ضرور اس کو قبول کروں گا۔(۱)

ان واقعات میں خدمت خلق سے وابستہ افراد کے لئے پیغام یہ ہے کہ کسی پر ظلم ہوتا دیکھ کر خاموش تماشائی نہیں رہنا چاہئے، حتی المقدور اس کی مدد کرنی چاہئے، دوسرے یہ کہ سماج میں ظالموں کے مقابلہ کے لئے کمزوروں کی مدد کرنے اور انھیں انصاف دلانے کے لئے مختلف الخیال افراد اگر کوئی اجتماعی پروگرام بناتے ہیں، یا کوئی منصوبہ تیار کرتے ہیں تو اس میں شریک ہو کر ان کے معاون ومددگار بننا چاہئے، نہ یہ کہ ان سے دور اور الگ تھلگ رہیں۔

پڑوسیوں کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمدردی وغم خواری

انسانوں کی خدمت اور راحت رسانی کے کاموں میں ایک اہم کام یہ ہے کہ پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے، چاہے کسی بھی مذہب، فرقہ اور کمیونٹی سے ان کا تعلق ہو، پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کے معنی یہ ہیں کہ خوشی وغمی اور دکھ درد میں ان کے شریک رہیں، اگر ان کے یہاں خوشی کا موقع ہو تو مبارک باد پیش کریں اور اگر مصیبت وغم کا ماحول ہو تو تسلی اور تعزیت کے کلمات کہیں، اُسوۂ نبوی میں یہ باتیں واقعات کی شکل میں بھی موجود ہیں۔

(۱) دیکھئے: البدایہ والنہایہ: ۲/۱۹-۳۹۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ایک یہودی لڑکا نبی ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، ایک دن وہ بیمار ہوگیا، آپ ﷺ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، اس کے سرہانے بیٹھے، خیریت معلوم کی اور تسلی کے کلمات کہے، پھر اس لڑکے سے فرمایا: اسلام لے آؤ، یہودی لڑکے نے سوالیہ انداز میں اپنے باپ کی طرف دیکھا جو اس وقت پاس ہی کھڑا تھا، باپ نے اپنے بیمار لڑکے سے کہا، بیٹا! ابوالقاسم حضرت محمد ﷺ کی بات مان لو، اس پر لڑکا اسلام لے آیا، اس کے بعد نبی ﷺ یہودی کے گھر سے یہ فرماتے ہوئے باہر نکلے: ''الحمد لله الذی أنقذه من النار'' اللہ تعالیٰ ہی حمد وثنا کے لائق ہے جس نے اس یہودی لڑکے کو دوزخ کی آگ سے بچایا، (۱) اندازہ ہوتا ہے کہ اس یہودی لڑکے کا گھر رسول اللہ ﷺ کے گھر سے قریب پڑوس ہی میں تھا، اس لئے وہ آپ ﷺ کی خدمت کے لئے روزانہ آجایا کرتا تھا، جب وہ بیمار ہوا تو آپ ﷺ نہ صرف پڑوسی ہونے کی حیثیت سے مزاج پُرسی کے لئے اس کے گھر تشریف لے گئے؛ بلکہ نبی اور پیغمبر ہونے کی حیثیت سے اس کو اسلام کی دعوت بھی دی، اس لئے کہ خدمت خلق کے کاز میں مادی اور روحانی اعتبار سے نفع بخشی کے دونوں پہلو نبی ﷺ کے پیش نظر رہتے تھے۔

یتیموں کے ساتھ نبی ﷺ کی خصوصی شفقت ومحبت

مخلوق میں سب سے کمزور اور محبت وشفقت سے محروم طبقہ یتیم بچوں کا ہوتا ہے، ان معصوموں کا دُکھ درد کیا ہوتا ہے؟ اس کو دُرِّ یتیم حضرت محمد ﷺ سے بڑھ کر کون جان سکتا ہے؟ اس لئے آپ ﷺ نے یتیم بچوں کی کفالت و پرورش کی خاص طور پر ترغیب بھی دلائی اور اپنی ذات سے اُس کا عملی نمونہ بھی پیش فرمایا، آنحضرت ﷺ کے پیشِ نظر خالق کائنات اور مالک دوجہاں کا یہ حکم بھی تھا، جس میں آپ ﷺ کے واسطہ سے تمام انسانوں سے کہا گیا :

فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ، وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۔ (۲)

آپ یتیم پر ظلم نہ کریں اور مانگنے والے کو نہ دُھتکاریں۔

(۱) صحیح بخاری، ریاض الصالحین باب عیادۃ المریض۔ (۲) الضحیٰ:۹-۱۰۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عید کی نماز کے لئے عیدگاہ تشریف لے جا رہے تھے، راستہ میں دیکھا عید کی خوشیوں کی وجہ سے چھوٹے چھوٹے بچے کھیل کود میں مصروف ہیں، ان میں ایک لڑکا دوسرے بچوں سے الگ تھلگ ہو کر ایک کونے میں پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے رو رہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس لڑکے کے قریب تشریف لے گئے اور بڑے پیار و محبت سے رونے کی وجہ معلوم کی اور فرمایا: تم ان بچوں کے ساتھ کیوں نہیں کھیلتے ہو؟ یہ لڑکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور سے واقف نہیں تھا، اس لئے پہچانا نہیں، روٹھے ہوئے اور روکھے انداز میں کہا: چچا جان! آپ مجھے میرے حال پہ رہنے دیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی محبت و شفقت کے ساتھ اس کے آنسو پونچھتے ہوئے پھر پوچھا: بیٹا! بتاؤ تو سہی، تمہیں کیا ہو گیا؟ تم اتنے غمزدہ کیوں ہو؟ اس پر لڑکا اپنا حال سنانے لگا، میرے والد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں گئے تھے اور شہید ہو گئے، میری والدہ نے دوسرا نکاح کر لیا، ان دونوں نے میرا مال ہضم کر لیا، میرے سوتیلے باپ نے مجھے گھر سے نکال دیا، اب اس دنیا میں میرا کوئی نہیں ہے، کاش! میرا باپ زندہ ہوتا تو آج میں بھی کپڑے پہن کر ان بچوں کے ساتھ کھیلتا۔

لڑکے کی یہ باتیں سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اپنے سینہ مبارک سے چمٹا لیا اور فرمایا: بیٹا! کیا تم اس پر راضی ہو کہ میں تمہارا باپ بن جاؤں، عائشہ تمہاری ماں ہو، فاطمہ، حسن اور حسین تمہارے بھائی بہن ہو جائیں، یہ نام سنتے ہی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور کو پہچان گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں سے لپٹ کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اس سے بڑھ کر میری خوش نصیبی اور کیا ہو گی، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس یتیم لڑکے کو اپنے گھر لے گئے، اُم المومنین حضرت عائشہؓ نے اس لڑکے کو نہلا دھلا کر اچھے کپڑے پہنائے اور کھانا کھلایا، یہاں تک کہ اپنے یتیمی کے دکھ درد کو بھول کر خوش ہو گیا، پھر اپنے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ ہنسی خوشی کھیلنے لگا۔(۱)

• • •

(۱) اخلاق نبوی — واقعات کے آئینہ میں: ۱۴۵۔

علم کی حوصلہ افزائی ☆

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے وقت پوری دنیا جہل وضلالت میں ڈوبی ہوئی تھی؛ لیکن بطور خاص عربوں کا مزید برا حال تھا، تہذیب سے کوسوں دُور اور وحشت و بربریت اور سفا کی وخونریزی میں بدنام تھے، تعلیمی پسماندگی کا عالم یہ تھا کہ مشہور مؤرخ بلاذری نے لکھا ہے کہ قریش میں سترہ مرد لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور تین عورتیں لکھنا پڑھنا جانتی تھیں (۱) اور یہ لکھنے پڑھنے کی ابتداء بھی بعثت سے کچھ عرصہ پہلے ہوئی، واضح رہے کہ قریش پورے عرب میں علم کے لحاظ سے بھی ممتاز تھے، جب قریش میں محض سترہ افراد لکھنے پڑھنے کی صلاحیت رکھتے تھے تو اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بقیہ قبائل کی تعلیمی صورت حال کتنی ناگفتہ بہ ہوگی، مزید مصیبت یہ تھی کہ عربی حروف حِیَری زبان سے اخذ کئے گئے تھے، اس زبان کے الفاظ محض چوبیس ہیں، عربی کے الفاظ اٹھائیس ہیں؛ لہٰذا تحریری صورت میں اپنی بات کہنا بہت مشکل کام تھا، نقطوں کا وجود نہیں تھا، اعراب کا شاید ہی کسی کو خیال گذرا ہو، مدینہ (یثرب) میں نوشت وخواند سے واقفیت رکھنے والے افراد بہت کم تھے، واقدی نے مدینہ کے لکھنے پڑھنے والے افراد کی جو فہرست بیان کی ہے، وہ محض ۱۱/افراد پر مشتمل ہے۔(۲)

تعلیم — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فریضۂ منصبی

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر تعلیم کتاب وحکمت کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذمہ داری بتائی گئی ہے :

☆ مولانا عبید اختر رحمانی (شعبۂ تحقیق: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)۔

(۱) فتوح البلدان، للبلاذری: ۱/۴۵۵۔ (۲) فتوح البلدان: ۱/۶۳۳۔

اور وہ تمہیں کتاب وحکمت سکھاتے ہیں اور تمہیں ان باتوں کی تعلیم دیتے ہیں جو تم نہیں جانتے تھے۔(۱)

ان آیات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ کتاب اور حکمت کی تعلیم آپ ﷺ کا فرض منصبی تھا، اس کے علاوہ خود رسول پاک ﷺ نے متعدد مرتبہ اس بات کا اظہار فرمایا کہ مجھ کو معلم (تعلیم دینے والا) بنا کر بھیجا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ مسجد میں دو حلقے دیکھے، ایک ذکر کا، دوسرا: تعلیم کا، آپ ﷺ نے دونوں کی تعریف فرمائی؛ لیکن خود آپ ﷺ تعلیم کے حلقہ میں جا کر بیٹھ گئے اور فرمایا: ''مجھ کو تو معلم (تعلیم دینے والا) بنا کر بھیجا گیا'' (۲) آپ ﷺ نے ایک اور موقع سے ارشاد فرمایا: ''مجھے معلم اور آسانیاں فراہم کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہے''۔(۳)

علم کی اہمیت — قرآن وحدیث کی روشنی میں!

قرآن کریم میں علم اور اہل علم کی فضیلت کا ذکر متعدد مرتبہ ہوا ہے، اسی کے ساتھ علم سے نکلنے والے صیغوں کا سینکڑوں مرتبہ استعمال کیا گیا ہے، جس سے علم کی اہمیت واضح ہوتی ہے، اُردو دائرۃ المعارف الاسلامیہ کے مقالہ نگار لکھتے ہیں :

> قرآن مجید میں لفظ علم مختلف اشتقاقی صورتوں میں ۷۷۸/مرتبہ وارد ہوا ہے، قرآن مجید میں اس مادے کے اشتقاقات جس کثرت سے آئے ہیں، ان سے یہ نتیجہ نکالنا مشکل نہیں کہ قرآن مجید کی رو سے علم کو غیر معمولی؛ بلکہ فوق الکل اہمیت حاصل ہے اور جب یہ جزوی ترادف کے ساتھ دوسرے مرادفات (مثلا: تَعقلون، یَتدبرون، تَفقهون، تَشعرون وغیرہ) کے ساتھ مل کر یا ان کی جگہ آتا ہے تو ان سے علم کے طریقوں، غایتوں اور جہتوں کا پتہ چلتا ہے۔(۴)

---

(۱) بقرہ ۲:۱۵۱۔ (۲) سنن ابن ماجہ: ۱/ ۸۳۔

(۳) صحیح مسلم، کتاب الطلاق: ۱۰/ ۸۱۔ (۴) اُردو دائرۃ المعارف الاسلامیہ جلد: ۱۳/ ۴۴۳۔

دوسری جانب ہم دیکھتے ہیں کہ احادیث رسول کا بڑا سرمایہ حصول علم کی تاکید اور علم کی فضیلت پر مشتمل ہے اور اس کی اہمیت اس بات سے واضح ہوتی ہے کہ بشمول امام بخاری بیشتر محدثین نے کتاب العلم کے باب کو کتاب الایمان کے بعد ذکر کیا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ ایمان کے بعد سب سے اہم نعمت علم ہے۔

پہلی وحی میں علم کی تاکید

آنحضرت ﷺ پر سب سے پہلی وحی جو نازل ہوئی، وہ یہ تھی: ''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ'' (۱) (جس رب نے پیدا کیا ہے، اس کے نام سے پڑھئے)، قرآن پاک کی سب سے پہلی سورت جو نازل ہوئی، اس میں بہت وضاحت کے ساتھ پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے، اور پڑھنا تبھی ہوسکتا ہے جب کوئی چیز لکھی ہوئی ہو، یعنی اس آیت میں بلا واسطہ پڑھنے اور بالواسطہ لکھنے کی تعلیم دی گئی ہے، پھر اسی سورت میں آگے چل کر یہ بھی بتایا گیا کہ تعلیم کا بڑا ذریعہ قلم ہے جس کے ذریعہ علوم کو محفوظ اور اگلی نسلوں کو منتقل کیا جاتا ہے۔

تعلیم مفت ہو

آپ ﷺ کی منشا یہ تھی کہ تعلیم مفت ہوتا کہ اُمت کا ہر طبقہ تعلیم یافتہ ہوسکے اور علم کی روشنی ہر گھر اور ہر فرد تک پہنچ سکے، رسول اللہ ﷺ نے تعلیم کے بدلے میں صحابہ کرام کو طلبہ سے ملنے والے ہدایا پر سخت وعید فرمائی، حضرت عبادہ بن صامت ؓ اور حضرت ابی بن کعب ؓ کو جب ان سے قرآن پڑھنے والے کچھ شاگردوں نے کمان ہدیہ کیا اور اس کا ذکر انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ آگ کی کمان ہے، اگر چاہو تو قبول کرلو۔ (۲)

علم کے چھپانے پر وعید

علم کی اشاعت میں ایک بڑی رکاوٹ کسی علم کا چھپایا جانا ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ علم رفتہ رفتہ معدوم ہوجاتا ہے، طب یونانی کو اسی لئے زوال ہوگیا کہ اس کے تیر بہدف نسخے حکماء نے

---

(۱) سورہ علق: ۱۔ (۲) سنن ابن ماجہ، باب الاجر علی تعلیم القرآن، المسند للشاشی: ۳/۱۸۰۔

شاگردوں کے سامنے عام نہ کیا، سنسکرت زبان اسی لئے زوال پذیر ہوئی کہ اس کو برہمنوں نے صرف اپنے لئے خاص کرلیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف علم کی نشر و اشاعت کی فضیلت ہی بیان نہیں کی ؛ بلکہ یہ بھی بتایا کہ اگر کسی سے علم کی بات پوچھی جائے تو وہ اس کے بتانے میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہ کرے ؛ بلکہ بتادے، اور اگر وہ ایسا نہیں کرتا ہے تو اس کو قیامت کے دن آگ کی لگام ڈالی جائے گی، حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کسی سے علم کی کوئی بات پوچھی گئی اور اس نے معلوم ہونے کے باوجود اس کو چھپایا تو قیامت کے دن اس کو آگ کی لگام پہنائی جائے گی ،(۱) ابن ماجہ کی روایت جو حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے، میں اس بات کی تصریح ہے کہ وہ علم کی بات چاہے لوگوں کے معاملات سے تعلق رکھتی ہو یا دینی اُمور سے، یہ وعید دونوں صورتوں میں ہے، (۲) ایک دوسرے موقع سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علم کے چھپانے کو خیانت سے تعبیر کیا اور یہ بھی فرمایا کہ یہ خیانت مال کی خیانت سے بڑھی ہوئی ہے۔(۳)

تعلیم ہر شخص کی ذاتی ذمہ داری

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم کو عام کرنے کے لئے صرف اجتماعی اور انفرادی ذمہ داری پر اکتفاء نہیں فرمایا؛ بلکہ تعلیم حاصل کرنے کو ہر شخص کی ذاتی ذمہ داری قرار دیا؛ چنانچہ اگر کوئی جاہل رہتا ہے تو یہ اس کا قصور مانا جائے گا کہ اس نے تعلیم حاصل کرنے کی کوئی کوشش کیوں نہیں کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ''**طلب العلم فریضة علی کل مسلم**'' (۴) علم کا طلب کرنا (بقدر ضرورت) ہر مسلمان پر (خواہ وہ مرد ہو یا عورت) فرض ہے۔

انفرادی طور پر علم کو پھیلانے کی ذمہ داری

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم کو انفرادی ذمہ داری قرار دیا؛ چنانچہ ہر شخص کی یہ ذاتی ذمہ داری

(۱) مسند احمد: ۱۳/ ۱۸، ابوداؤد، حدیث نمبر: ۳۶۵۸، ابن ماجہ: ۲۶۶، المستدرک للحاکم: ۱/ ۱۱۸۔

(۲) ابن ماجہ: ۱/ ۹۷۔ (۳) فوائد تمام: ۲/ ۱۹۷۔

(۴) سنن ابن ماجہ: ۱/ ۱۵۱، الکنی والاسماء للدولابی: ۲/ ۷۰۷، یہ حدیث اپنے مختلف طرق وشواہد کی بناء پر قابل احتجاج ہے۔

قرار پائی کہ جو کوئی دین کی بات جانتا ہو، اللہ اور اس کے رسول کے ارشاد کا کسی بھی درجہ میں علم رکھتا ہو تو اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کو دوسروں تک پہنچائے، ارشاد فرمایا: ''بلّغوا عنی و لو آیۃ''(۱) کہ مجھ سے جو کچھ سنو، اسے دوسروں تک پہنچاؤ، اگر چہ ایک ہی آیت کیوں نہ ہو، ایک موقع سے آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ اس شخص کو تر و تازہ رکھے جس نے حدیث سنی، اس کو یاد کیا اور دوسروں تک پہنچا دیا؛ کیوں کہ بسا اوقات جن کو پہنچایا جاتا ہے، وہ سننے والے سے زیادہ محفوظ رکھنے والے ہوتے ہیں''۔(۲)

تعلیم اور اجتماعی ذمہ داری

دورِ حاضر میں تعلیم ریاست اور معاشرہ کی ذمہ داری تسلیم کی جاتی ہے، کسی بھی حکومت کی یہ ذمہ داری مانی جاتی ہے کہ وہ عوام کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرے اور معاشرہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس کام میں حکومت کی مدد کرے، تعلیم کے باب میں اس قدم کو دورِ حاضر کی خصوصیت سمجھا جاتا ہے؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ تاریخ میں سب سے پہلے جس شخصیت نے تعلیم کو عوامی اور اجتماعی ذمہ داری قرار دیا، وہ آپ ﷺ کی ذات والا صفات ہے، آپ ﷺ نے یہ انقلابی اعلان فرمایا کہ تعلیم اجتماعی ذمہ داری ہے، خواندہ اور تعلیم یافتہ قبائل کی ذمہ داری ہے کہ وہ پڑوس کے ناتعلیم یافتہ قبائل کو تعلیم یافتہ بنائیں اور جاہل قبائل کی ذمہ داری ہے کہ وہ پڑوس کے تعلیم یافتہ قبائل سے علم حاصل کریں، حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ کا یہ اعلان علم کی دنیا میں ایک انقلاب تھا، جس کے اثرات اور ثمرات سے دنیا آج بھی مستفید ہو رہی ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے خطاب فرمایا، پہلے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی، پھر مختلف مسلمان جماعتوں کا تذکرہ فرمایا اور ان کی تعریف کی اور پھر فرمایا: ''کچھ لوگوں کو کیا ہو گیا کہ اپنے پڑوسیوں کو نہیں سمجھاتے، ان کو تعلیم نہیں دیتے، ان کو نصیحت نہیں کرتے، ان کو نیک باتوں کی ترغیب نہیں دیتے اور بری باتوں سے منع نہیں کرتے،

(۱) مختصر صحیح البخاری: ۲/۴۴۵۔ (۲) سنن الدارمی: ۱/۷۵۔

اور کچھ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اپنے پڑوسیوں سے تعلیم حاصل نہیں کرتے اور نہ نصیحت حاصل کرتے ہیں، خدا کی قسم! ان کو چاہئے کہ اپنے پڑوسیوں کو تعلیم دیں، دین کی سمجھ بوجھ پیدا کریں اور ان کو نصیحت کریں، ان کو اچھی باتوں کا حکم دیں اور بری باتوں سے روکیں، اور دوسروں کو چاہئے کہ وہ اپنے پڑوسیوں سے علم حاصل کریں، دین کی سمجھ بوجھ پیدا کریں اور نصیحت حاصل کریں، (اگر ایسا نہ ہوا) تو میں ان کو دنیا میں ہی عذاب دوں گا، پھر آپ ﷺ منبر سے اُترے اور اپنے گھر میں داخل ہو گئے، (لوگوں میں چہ می گوئیاں شروع ہوئیں کہ یہ باتیں کن کو کہی گئی ہیں) بعض لوگوں نے کہا کہ یہ اشعریوں کو کہا گیا ہے، وہ سمجھ دار لوگ ہیں؛ لیکن پانی کے چشموں کے پاس ان کے جو پڑوسی ہیں، وہ دین سے جاہل اور گنوار و بدو ہیں، یہ باتیں اشعریوں تک پہنچی تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ آپ نے ایک قوم کا بھلائی کے ساتھ ذکر کیا اور اور ہمارے بارے میں سخت کلمات ارشاد فرمائے، اور اس کی وجہ جاننا چاہی، آپ ﷺ نے فرمایا: ایک گروہ کو چاہئے کہ وہ اپنے پڑوسیوں میں دین کی سمجھ پیدا کریں اور ان کو نصیحت کریں اور ان کو اچھی باتوں کا حکم اور بری باتوں سے منع کریں اور ان کو تعلیم دیں اور دوسری قوم کو چاہئے کہ اپنے پڑوسیوں سے تعلیم حاصل کریں، اور سمجھ بوجھ پیدا کریں اور فقاہت حاصل کریں ورنہ میں ان کو دنیا میں ہی سزا سے دوچار کروں گا، اشعریوں نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہم دوسروں کو سمجھائیں تو آپ نے پھر سے دوبارہ اپنی بات دوہرائی، اشعریوں نے پھر پوچھا کہ کیا ہم دوسروں کو سمجھائیں، تو آپ ﷺ نے دوبارہ اپنی بات دوہرائی، اس پر اشعریوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ہمیں ایک سال کی مہلت دے دیں؛ تاکہ ہم اپنے پڑوسی قبائل اور بستیوں کو تعلیم دیں، ان کے اندر دینی شعور پیدا کریں اور ان کو سمجھائیں۔(۱)

(۱) الترغیب والترہیب: ۱/۸۶، مجمع الزوائد: ۱/۱۶۴، علامہ سیوطی نے درمنثور: ۲/۳۰۱ میں یہ حدیث ابن سکن، ابن مندہ، طبرانی، ابونعیم اور ابن مردویہ کے حوالہ سے نقل کی ہے۔

بعض روایات میں آتا ہے: اشعریوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ کیا دوسروں کی ذمہ داری ہماری ہے یا دوسروں کی وجہ سے ہمیں سزا دی جائے گی، انھوں نے بار بار اپنی یہی بات دوہرائی اور آپ ﷺ بھی اپنی بات بار بار دوہراتے رہے، اس کے بعد انھوں نے ایک سال کی مہلت مانگی۔(۱)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :

> دینی تعلیم وتربیت کا یہ ایسا عمومی نظام تھا کہ اس کے ذریعہ ہر شخص بغیر مکتب یا مدرسہ اور بغیر کتاب اور کاغذ وقلم کے اور بغیر پڑھے لکھے بھی دین کا ضروری علم حاصل کرسکتا تھا؛ بلکہ اپنی محنت اور صلاحیت کے مطابق اس میں کمال بھی حاصل کرسکتا تھا، صحابہ کرامؓ نے اور اسی طرح تابعین کی غالب اکثریت نے علم حاصل کیا تھا، افسوس کہ بعد میں اُمت میں یہ نظام قائم نہیں رہا، اگر قائم رہتا تو اُمت کا کوئی طبقہ اور کوئی عنصر بلکہ کوئی بھی فرد دین سے ناواقف اور بے بہرہ نہ ہوتا، اس نظام تعلیم کی یہ خاص برکت تھی کہ زندگی علم کے سانچہ میں ڈھلتی چلی جاتی تھی، حدیث کے آخر میں یہ ہے کہ اشعریین کے وفد نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ ہم کو ایک سال کی مہلت دے دی جائے ہم اس مدت میں انشاء اللہ تعلیمی مہم انجام دے لیں گے، آپ ﷺ نے ان کی یہ بات منظور فرمالی، یہ گویا اس علاقہ کی آبادی کے لئے ایک سالہ تعلیمی منصوبہ تھا۔(۲)

وفود کے ذریعہ تعلیم کی اشاعت

جو قبیلہ، بستی، محلہ اسلام سے مشرف ہوتا تھا، آپ ﷺ ان کی تعلیم کے لئے وفود بھیجا

(۱) المدخل الفقہی العام: ۲/۶۴۱۔ (۲) معارف الحدیث: ۸/۳۲۔

کرتے تھے، کبھی یہ وفد صرف ایک آدمی پر مشتمل ہوتا تھا اور کبھی چار پانچ اور کبھی ساٹھ ستر افراد پر مشتمل وفد ہوا کرتا تھا، کبھی تو ایسا ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشرف بہ اسلام ہونے والے قبائل کی تعلیم وتربیت کے لئے افراد بھیجا کرتے تھے اور ایسا بھی بسا اوقات ہوتا تھا کہ مشرف بہ اسلام ہونے والے قبائل کے کچھ افراد وفد کی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتے، تعلیم حاصل کرتے، فقہی احکام وغیرہ سے واقفیت پیدا کرتے اور پھر چلے جاتے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان وفود کو تاکید کرتے کہ جو کچھ تم نے یہاں سیکھا ہے، وہ اپنے مقام پر جا کر دیگر افراد کو سکھاؤ۔

مالک بن حویرثؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم کچھ ہم عمر نوجوان افراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بطور وفد آئے، کچھ دن ٹھہرنے کے بعد جب ہمیں اہل وعیال کی یاد ستانے لگی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنے اہل وعیال کی جانب لوٹ جاؤ، ان میں ہی قیام کرو، اور ان کو تعلیم دو، (۱) اسی طرح وفد عبدالقیس جب مدینہ آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو تعلیم وتربیت کے لئے انصار کے حوالہ کر دیا اور انصار کی میزبانی کے تعلق سے ان سے پوچھا تو انھوں نے عرض کیا، انھوں نے ہمیں اپنے بستروں پر جگہ دی، اپنا کھانا کھلایا اور رات گزرنے کے بعد صبح ہمیں اپنے رب کی کتاب اور نبی کی سنت کی تعلیم دی، (۲) ہجرت کے تیسرے سال عضل اور قارہ نامی قبائل کے افراد نے آپ سے معلمین کو بھیجنے کی گزارش کی، (۳) ہجرت کے چوتھے سال کچھ لوگ آپ کے پاس آئے اور معلمین کے بھیجنے کی گزارش کی تو آپ نے ستر افراد کو بطور معلم روانہ کیا، (۴) نجران کے وفد نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خواہش کی کہ ہماری تعلیم کے لئے کسی کو روانہ فرمائیں تو آپ نے حضرت ابوعبیدہؓ کو ان کی تعلیم وتربیت کے لئے روانہ فرمایا۔ (۵)

---

(۱) بخاری شریف، کتاب الاذان باب الاذان للمسافرین، مسلم، کتاب المساجد، باب من احق بالامامۃ۔

(۲) مسند احمد بن حنبل: ۲۰۶/۴۔

(۳) تاریخ خلیفہ: ۳۹/۱۔

(۴) المغازی للواقدی: ۳۴۶/۱۔

(۵) مسند احمد بن حنبل: ۲۱۲/۳۔

گورنر اور عمال کو اپنے علاقہ میں تعلیم کی تاکید

جن علاقوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمال کو بھیجتے تھے، یا وہاں گورنر مقرر کرتے تھے، انھیں تاکید کرتے تھے کہ وہ ان علاقوں کے عوام کی تعلیم کا اہتمام کریں، فتح مکہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کا والی (گورنر) حضرت عتابؓ بن اسید کو بنایا اور تعلیمی افسر حضرت معاذؓ بن جبل کو بنایا،(۱) حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن اور حضر موت کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موجودہ لحاظ سے تعلیمی کمشنر مقرر کیا تو ان کو تاکید کی گئی کہ یمنی عوام کی تعلیم وتربیت کا انتظام کریں، طبری کے الفاظ ہیں: ''وکان معاذ معلما یتنقل فی عمالة کل عامل بالیمن و حضر موت''(۲) معاذؓ بن جبل کمشنر تعلیم تھے اور حضر موت اور یمن دونوں جگہ اپنے نمائندوں کو بھیجا کرتے تھے، یہی بات طبقات فقہاء الیمن کے مصنف نے بھی کہی ہے کہ معاذ بن جبلؓ حضرت موت اور یمن دونوں جگہ کی عوام کے لئے افسر تعلیم بنا کر بھیجے گئے تھے، اسی طرح عمرو بن حزم کی تقرری جب یمن کے علاقے میں ہوئی تو اللہ کے رسول نے ان سے دیگر ہدایتوں کے علاوہ یہ بھی فرمایا کہ لوگوں کے لئے قرآن کی تعلیم کا بندوبست کریں،(۳) اور بات صرف یمن کی ہی نہیں؛ بلکہ جہاں کہیں رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمال کا تقرر فرمایا تو ان کی ایک ذمہ داری یہ بھی متعین کی کہ وہ اس علاقہ کے عوام کی تعلیم کا بندوبست کریں۔

اولین مدرسہ کا قیام

مدینہ آمد کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے مسجد نبوی کی تعمیر کو ترجیح دی اور اسی مسجد نبوی کے ایک گوشہ کو تعلیم کے لئے خاص کر دیا، جس کو صفہ کہا جاتا ہے، یہ اسلام کا پہلا مدرسہ تھا جس میں ہاسٹل کا بھی نظم تھا، اس میں وہ لوگ رہتے تھے جن کے پاس اپنا گھر بار نہیں تھا، ان

(۱) سیرت ابن ہشام: ۲/۵۰۰۔

(۲) تاریخ طبری: ۱/۱۸۵۲۔

(۳) اعلام السائلین عن کتب سید المرسلین: ۱/۱۳۹۔

لوگوں کا صرف ایک ہی کام تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے تعلیم حاصل کریں، اس کے علاوہ ان کا کوئی دوسرا مقصد نہیں ہوتا تھا، صفہ میں تعلیم حاصل کرنے والے دو قسم کے افراد ہوتے تھے، ایک تو وہ ہوتے تھے جو شہر سے آتے تھے اور پھر چلے جاتے تھے، اور دوسرے وہ جو رات دن یہیں رہتے تھے، اصحاب صفہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی براہ راست تعلیم دیتے تھے اور اہل علم صحابہ کو بھی اصحاب صفہ کی تعلیم و تربیت پر متعین فرماتے تھے، جیسا کہ گذر چکا ہے کہ عبادہ بن صامتؓ اور ابی بن کعبؓ کو اصحابِ صفہ کی تعلیم پر متعین کیا گیا تھا۔

یہ جان کر حیرت ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اصحابِ صفہ کی زبانی تعلیم کے ساتھ ان کی لکھائی پڑھائی پر بھی پوری توجہ دی تھی اور اس کے لئے عبداللہؓ بن سعید بن العاص کو متعین کیا تھا جو غزوہ بدر میں شہید ہو گئے، (۱) عبداللہؓ بن سعید بن العاص کی غزوہ بدر میں شہادت کے بعد لکھائی سکھانے کی بھرپائی اس طرح ہوئی کہ مشرکین مکہ کے قیدیوں میں سے نادار اور تعلیم یافتہ افراد کا فدیہ یہ قرار پایا کہ وہ دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔(۲)

صفہ صرف تحصیل علم کا مقام ہی نہیں تھا؛ بلکہ یہاں مستقبل کے معلموں کو بھی تیار کیا جاتا تھا، اصحابِ صفہ کو ہی مدینہ آنے والے وفود کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری سونپی جاتی تھی اور جو قبائل مسلمان ہو جاتے تھے، ان کی دینی تعلیم و تربیت کے لئے افرادکار بھی یہیں سے روانہ کئے جاتے تھے، ابو براء مالک بن عامر نے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ آپ میرے ساتھ کچھ آدمیوں کو بھیج دیں جو اہل نجد کو اسلام کی تعلیم دیں تو آپ نے جن افراد کو روانہ کیا تھا، ان میں سے زیادہ تر اصحابِ صفہ میں سے ہی تھے، کہا جا سکتا ہے کہ صفہ بیک وقت تعلیم گاہ بھی تھی اور معلمین کی تربیت گاہ بھی، یہاں ایک طرف طلبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے تعلیم حاصل کرتے تھے تو دوسری طرف نئے آنے والوں کو تعلیم دیتے تھے۔

---

(۱) الاصابہ: ۱/ ۳۴۴۔

(۲) مستدرک حاکم: ۲/ ۱۴۰۔

مدینہ منورہ میں دیگر مدارس

صفہ پہلا مدرسہ ضرور تھا؛ لیکن اس کے ساتھ مدینہ میں دیگر مقامات پر بھی تعلیم کا نظم تھا، حضرت عبد اللہ ابن اُم مکتومؓ کے تذکرہ میں آتا ہے کہ جب وہ بدر کے کچھ دنوں بعد آئے تو انھوں نے ''دارالقراء'' میں قیام کیا، (۱) حضرت زید بن ثابتؓ کے بارے میں عبد اللہ بن مسعودؓ ذکر کرتے ہیں کہ وہ بچوں کے ساتھ پڑھتے تھے، ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمیؒ کا خیال ہے کہ یہاں صفہ کے بجائے ''کُتَّابُ'' کے لفظ کا استعمال بتا رہا ہے کہ بچوں کی تعلیم کے لئے الگ مکاتب کا نظم قائم تھا۔(۲)

قیدیوں سے تعلیمی خدمت

عصر حاضر میں پڑھے لکھے قیدیوں کو دیگر جاہل قیدیوں کی تعلیم وتربیت پر مامور کیا جاتا ہے اور اسے دور حاضر کی خصوصیت سمجھا جاتا ہے؛ لیکن جب ہم رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ تعلیم کے باب میں یہ انقلابی قدم رسول اللہ ﷺ نے اُٹھایا تھا، انھوں نے پڑھے لکھے قیدیوں کی سزا یہ رکھی تھی کہ وہ مدینہ کے ناخواندہ بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں، جنھوں نے قیدیوں کے ذریعہ لکھنا پڑھنا سیکھا تھا، ان میں سے ایک حضرت زید بن ثابتؓ بھی تھے، جنھیں بعد میں حضرت ابوبکرؓ نے جمعِ قرآن کی عظیم ذمہ داری سونپی تھی، (۳) اس سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اُمت کی تعلیم کی کتنی فکر تھی اور علم کی کیا اہمیت ہے کہ اس کے عوض مسلمانوں کو ملیامیٹ اور نیست ونابود کر دینے کی نیت سے حملہ کرنے والے جانی دشمنوں کی جان بخش دی گئی۔

صحابہ کرامؓ کی تعلیم کیلئے دن کی تعیین

آپ ﷺ کی مصروفیات ہمہ جہت تھیں؛ کیوں کہ آپ ﷺ پر ہی ساری ذمہ داریاں

(۱) طبقات ابن سعد: ۴/ ۱۵۰۔ (۲) دراسات فی الحدیث النبوی وتاریخ تدوینہ: ۱/ ۵۲۔

(۳) مسند احمد بن حنبل: ۱/ ۲۴۷، طبقات ابن سعد: ۲/ ۱۴۔

تھیں، اس کے باوجود آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ کی تعلیم کے لئے وقت اور دن کو مخصوص کیا؛ تاکہ تعلیم کا کارواں بلا کسی وقفہ اور بریک کے چلتا رہے اور اس میں کوئی خلل نہ آئے، حضرت شقیق بن وائلؓ سے مروی ہے کہ ہم عبداللہ بن مسعود کے گھر کے دروازے پر بیٹھے ان کا انتظار کررہے تھے کہ یزید بن معاویہ نخعی تشریف لائے، ہم نے ان سے عرض کیا: عبداللہ بن مسعودؓ کو ہماری اطلاع کردیجئے، انھوں نے ایسا ہی کیا، تھوڑی دیر کے بعد عبداللہ بن مسعودؓ باہر تشریف لائے اور فرمایا: ''تمہاری آمد کی اطلاع مجھے تھی؛ لیکن میں محض اس وجہ سے باہر نہیں آیا کہ کہیں میں تم کو بیزار نہ کردوں؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ وعظ ونصیحت کے لئے ہمارے اوقات کی رعایت فرماتے تھے؛ تاکہ ہم بیزار نہ ہوجائیں'' (۱) امام بخاریؒ نے اسی سیاق میں جس روایت کا ذکر کیا ہے اس میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جمعرات کے دن لوگوں کو وعظ ونصیحت کرتے تھے، ایک شخص نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ آپ روزانہ ہم سے خطاب کریں تو فرمایا: میں وعظ ونصیحت کے سلسلے میں تمہاری اسی طرح رعایت کرتا ہوں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ ہماری رعایت کرتے تھے؛ تاکہ ہم بیزار نہ ہوجائیں۔ (۲)

عورتوں کیلئے تعلیم کا خصوصی انتظام

اسلام نے تعلیم حاصل کرنا مرد اور عورت دونوں پر فرض قرار دیا ہے؛ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے تعلیم کے باب میں عورتوں کا خاص خیال رکھا، حضرت ابوسعید خدریؓ نقل کرتے ہیں کہ عورتوں نے رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا کہ مردوں کو آپ سے استفادہ کا ہر وقت موقع ملتا ہے، آپ ہمارے لئے ایک دن مقرر کردیجئے؛ تاکہ ہم اس دن آپ کے پاس آئیں اور آپ ہمیں اس چیز کی تعلیم دیں جو اللہ نے آپ کو بتایا ہے، آپ ﷺ نے ان کے لئے ایک دن مقرر کردیا، اس دن عورتیں آئیں اور آپ نے ان کو تعلیم دی۔ (۳)

---

(۱) بخاری، حدیث نمبر: ۶۸، مسلم، حدیث نمبر: ۲۸۲۱۔
(۲) بخاری، حدیث نمبر: ۷۰۔
(۳) بخاری، حدیث نمبر: ۷۳۱۰، مسلم، حدیث نمبر: ۲۶۳۳۔

جنرل نالج کا امتحان

جنرل نالج کو دورِ حاضر میں بڑی اہمیت دی جاتی ہے اور یہ نصاب کا ایک اہم حصہ سمجھا جاتا ہے، عہدوں اور مناصب کے امتحان میں ایک پرچہ اس کا بھی ہوتا ہے، رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنرل نالج کی اہمیت کو چودہ سو سال قبل ہی سمجھا تھا؛ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام سے جنرل نالج کے سوال بھی فرماتے تھے۔

عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں ایک بار ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ کھجور کا ایک گچھا لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھاتے ہوئے ارشاد فرمایا: درختوں میں سے ایک درخت ایسا ہے جو مسلمان کی طرح بابرکت اور نافع ہے، اس کے پتے نہیں گرتے، نہ وہ پتوں سے خالی ہو جاتا ہے، اس پر ہمیشہ پھل آتا رہتا ہے اور اس کی مثال مسلمان کی سی ہے تو مجھے بتاؤ کہ وہ درخت کونسا ہے؟ عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ لوگ جنگل کے مختلف درختوں کے نام لینے لگے، کسی نے کہا کہ وہ درخت یہ ہے، اور کسی نے کوئی اور نام لیا، اور میرے جی میں یہ بات آتی تھی کہ وہ کھجور کا درخت ہے؛ لیکن بڑے بزرگوں کی موجودگی نے مجھے مرعوب کر دیا؛ کیوں کہ میں نوجوان تھا اور میں مجلس میں سب سے چھوٹا تھا اور میں نے دیکھا کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی خاموش ہیں تو میں بھی خاموش رہا، جب حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ خاموش رہے تو لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! بتائیے کہ وہ درخت کونسا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ کھجور کا درخت ہے، جب مجلس ختم ہوئی تو میں نے اپنے والد سے عرض کیا: خدا کی قسم! میرے جی میں یہ بات آئی تھی کہ وہ کھجور کا درخت ہے، حضرت عمرؓ نے دریافت کیا: پھر کہا کیوں نہیں؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے دیکھا کہ آپ حضرات خاموش ہیں اور میں کم عمر تھا؛ اس لئے بولنے میں شرم آڑے آ گئی، حضرت عمرؓ نے فرمایا: اگر تم نے کہہ دیا ہوتا تو یہ مجھے اتنے اور اتنے مال سے زیادہ محبوب ہوتا، (۱) امام بخاریؒ نے اس حدیث کو گیارہ مرتبہ ذکر فرمایا ہے اور اس پر ایک باب یہ قائم کیا ہے "امام کا مسئلہ کو اپنے شاگردوں کے درمیان رکھنا؛ تا کہ ان کے علم کی جانچ کرے"۔

(۱) بخاری، حدیث نمبر: ۶۲، مسلم، حدیث نمبر: ۲۸۱۱۔

حصولِ علم میں شرم کو رکاوٹ نہ بنایا جائے

شرم وحیاء کی اسلام میں بڑی اہمیت ہے، یہاں تک کہ اس کو ایمان کا ایک شعبہ قرار دیا ہے، ایک ایسا شعبہ جس کی موجوگی دیگر تمام شعبوں میں ہے؛ لیکن علم کی اہمیت یہ ہے کہ اگر علم کے حصول کا معاملہ ہو تو شرم وحیاء کو بھی انسان آڑے نہ آنے دے، رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: میں تمہارے لئے باپ کی طرح ہوں اور تمہیں تعلیم دیتا ہوں، پھر آنحضرت نے استنجاء کے آداب بتائے، (۱) حضرت اسماءؓ نے حضور پاک سے سوال کیا: حیض کے بعد کس طرح پاکی اختیار کی جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا جواب دیا اور حضرت عائشہؓ نے اس کی تحسین کرتے ہوئے فرمایا: ''عورتوں میں بہتر عورتیں انصار کی ہیں، ان کو حیاء اس بات سے آڑے نہیں آتی کہ وہ دین میں تفقہ پیدا کریں'' (۲) حضرت انسؓ کی والدہ حضرت اُم سلیمؓ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تشریف لائیں اور ایک مسئلہ دریافت کیا، مسئلہ پوچھنے پر حضرت اُم سلمہؓ فطری شرم وحیاء سے کہنے لگیں: اے اُم سلیم! تمہارے دونوں ہاتھ خاک آلود ہوں، تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس عورتوں کو شرمندہ کر دیا، حضرت اُم سلیمؓ نے حضرت اُم سلمہؓ کو جواب دیا: اللہ حق بات سے نہیں شرماتا ہے اور جو چیز ہمارے لئے مشکل ہے تو اس کا پوچھ لینا اس سے بہتر ہے کہ ہم اس کے بارے میں لاعلم اور ناواقف رہیں، حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اُم سلیمؓ کے جواب کی تصویب اور تائید فرمائی، (۳) رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم وتربیت کا اثر تھا کہ اُمہات المومنین اور صحابہ کرام کا بھی عام مزاج بن گیا تھا کہ تعلیم وتعلم میں شرم وحیاء کو آڑے نہ آنے دیا جائے، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے عرض کیا: میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں؛ لیکن شرم وحیا بھی دامن گیر ہے تو حضرت عائشہؓ نے ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا: ''پوچھو، شرماؤ نہیں، میں تمہاری ماں ہوں''۔ (۴)

---

(۱) مسلم، باب الاستطابۃ: ۳/ ۱۵۳، ابوداؤد، باب کراھیۃ استقبال القبلۃ عند قضاء الحاجۃ: ۱/ ۳۰، نسائی: ۱/ ۳۸۔

(۲) مسند احمد: ۴۲/ ۲۷، حدیث نمبر: ۲۵۱۴۵، ابوداؤد: ۱/ ۲۳۳، حدیث نمبر: ۳۱۶۔

(۳) مسند احمد، حدیث اُم سلیم، حدیث نمبر: ۲۷۱۱۸۔ (۴) مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۴۶۵۵، صحیح ابن خزیمہ: ۱/ ۱۴۹۔

خواتین کیلئے کتابت کی تعلیم

رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کی تعلیم وتربیت پر بھی خاص توجہ دی، نہ صرف تعلیم پر؛ بلکہ ان کے لکھنے پڑھنے سیکھنے پر بھی خاص توجہ دی؛ چنانچہ ابوداؤد میں حضرت شفاء سے مروی ہے کہ وہ ایک مرتبہ اُم المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس بیٹھی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور حضرت شفاء سے مخاطب ہوکر فرمایا: تم حفصہ کو چیونٹی کا جھاڑ پھونک کیوں نہیں سکھا دیتیں جیسا کہ تم نے اس کو لکھنا پڑھنا سکھایا ہے، (۱) امام بخاریؒ کی مشہور کتاب ''صحیح بخاری'' کے علاوہ ایک اور اہم کتاب ''الادب المفرد'' بھی ہے، اس میں انھوں نے ایک عنوان قائم کیا ہے: ''باب الكتابة إلى النساء وجوابهن'' اس عنوان کے تحت واضح کیا گیا ہے کہ عورتوں کا خط لکھنا اور ان کا جواب دینا درست ہے، اور اس میں حضرت عائشہؓ کے واقعہ سے استدلال کیا گیا ہے کہ عائشہ بنت طلحہ کہتی ہیں کہ حضرت عائشہؓ کے یہاں میرا مقام ومرتبہ جان کر بڑے بوڑھے حضرات تو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجتے تھے اور نوجوان مرد مجھ کو اپنی بہن بنا لیتے تھے اور میرے ذریعہ گفت وشنید کیا کرتے تھے، حضرت عائشہ کے پاس دنیا جہان سے میرے واسطے سے خطوط اور ہدایا آتے تھے، میں کہتی تھی کہ خالہ! جان یہ فلاں کا خط ہے اور یہ فلاں کا ہدیہ ہے، تو حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں کہ اس کو جواب دے دو اور ہدیہ کا بدلہ بھیج دو، اور اگر تمہارے پاس ہدیہ کا بدلہ بھیجنے کے لئے کچھ نہ ہو تو مجھ سے کہو، میں دے دوں گی، (۲) اس کے علاوہ عورتوں کے لکھنے کے جائز ہونے پر علامہ شمس الحق عظیم آبادیؒ نے ایک مستقل رسالہ ''عقود الجمان في جواز تعليم الكتابة للنسوان'' کے نام سے لکھا ہے، تفصیل کے خواہش منداس کتاب کی طرف رُجوع کر سکتے ہیں۔

---

(۱) سنن ابوداؤد، حدیث نمبر: ٣٨٨٧، التمهيد لما في الموطا من المعاني والاسانيد: ٢٣/ ١٥٧۔

(۲) الادب المفرد للبخاری: ۱/ ٦٢٦۔

باندیوں کی تعلیم وتربیت کا اہتمام

رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں باندیوں اور غلاموں کا یہ حال تھا کہ ان کو مکمل انسان ہی تصور نہیں کیا جاتا تھا، چہ جائے کہ ان کی تعلیم وتربیت کا اہتمام کیا جائے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والا صفات ہی تھی کہ آپ نے اس مظلوم اور دبے کچلے طبقہ کی جانب خصوصی توجہ دی اوران کے مالک کو ان کو بھی علم سے بہرہ ور کرنے کی ترغیب دی، حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تین اشخاص ایسے ہیں جن کو دوہرا اجر دیا جاتا ہے اوراس میں سے آپ نے ایسے شخص کا ذکر کیا جس کی کوئی باندی ہو، وہ اس کو تعلیم دلائے، اوراچھی تعلیم دلائے اور پھر اس کی تربیت کا انتظام کرے، اوراس کے بعد اس کو آزاد کرکے اس سے شادی کرلے، (۱) اس حدیث پاک سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آتی ہے کہ باندیوں اور کمزور طبقہ کے افراد کی تعلیم وتربیت کا انتظام کرنا چاہئے اوراس پر مالک کو ثواب ملتا ہے، اسی کا ثمرہ ہم دیکھتے ہیں کہ آگے چل کر تابعین اور تبع تابعین میں اہل علم میں نمایاں شخصیتیں وہ ہوئیں جو کسی زمانے میں غلام تھے۔

اجنبی زبانیں سیکھنے کی تاکید

کسی بھی قوم یا تہذیب وثقافت کے مطالعہ کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس قوم کی تحریر اورزبان سے واقف ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ میں اور مدینہ سے قریب بسنے والے یہودیوں سے خط وکتابت ہوتی رہتی تھی؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان پر اطمینان اور بھروسہ نہیں تھا؛ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت کو یہودیوں کی سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا، حضرت زید نے نصف ماہ میں سریانی زبان سیکھ لی، اس کے بعد وہی رسول پاک کی جانب سے یہودیوں کو مکتوب لکھا کرتے تھے اور یہودی جو مکتوب حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لکھتے تھے، اس سے

(۱) مسند حمیدی: ۲/۲۹۔

رسول اللہ کو واقف کراتے تھے، (۱) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی کچھ کچھ فارسی زبان سے واقف تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ایک دو مرتبہ فارسی کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں، (۲) اور یہ کوئی عجیب بات نہیں؛ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت سے قبل شام وغیرہ کا دورہ کیا تھا اور ہوسکتا ہے کہ اسی موقع سے کچھ فارسی الفاظ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیکھ لیا ہوگا، حضرت زید بن ثابتؓ عربی اور سریانی اور عبرانی کے علاوہ قبطیوں، حبشیوں اور رومیوں کی زبان بھی اچھی طرح جانتے تھے، (۳) اس کے علاوہ حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابوالعالیہؒ، حضرت ابن حنفیہؒ وغیرہ سے فارسی زبان میں بات کرنا ثابت ہے، (۴) حضرت مغیرہ بن شعبہؓ بھی فارسی زبان سمجھتے تھے اور انھوں نے ہرمزان اور حضرت عمرؓ کی بات چیت میں ترجمانی کی تھی، (۵) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سریانی زبان بخوبی جانتے تھے، یہی وجہ تھی کہ ان کا معمول ایک دن تورات کی تلاوت کرنے کا بھی تھا۔

اہم باتوں کو لکھنے کی تاکید

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم و تعلم کو جو اہمیت دی تھی، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ایک جانب جہاں پورے قبیلہ قریش میں محض ۱۷/ افراد لکھنا پڑھنا جانتے تھے، وہیں تھوڑی ہی مدت میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کاتبین کی تعداد ۳۰/ اور بعض روایات کے مطابق ۵۰/ سے زائد نظر آتی ہے، یہ حضرات جو وحی نازل ہوتی تھی، اس کو لکھتے تھے، گورنرز اور عمال کو جو ہدایت دی جاتی تھی، ان کو لکھا کرتے تھے، قبیلوں سے اگر تحریری معاہدہ ہوتا تو اس کو لکھا جاتا تھا، مختلف سردارانِ قبائل اور شاہانِ عالم کو بھی خطوط یہی حضرات لکھتے تھے۔

(۱) بخاری کتاب الاحکام: ۱۳/ ۱۸۵، ترمذی، باب فی تعلیم السریانیہ: ۴/ ۱۶۷، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ (۲) مصنف ابن ابی شیبہ: ۵/ ۲۹۹۔
(۳) المنتظم فی تاریخ الملوک والامم: ۵/ ۲۱۴، البدایہ والنہایہ: ۸/ ۸۸۔
(۴) مصنف ابن ابی شیبہ: ۵/ ۲۹۹۔ (۵) تاریخ طبری: ۴/ ۸۸۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علمی حوصلہ افزائی کا ہی نتیجہ تھا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضور کی اجازت کے بعد احادیث کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا، جس کا نام ''الصحیفۃ الصادقۃ'' رکھا تھا، اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی احادیث کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا، (۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے احادیث کا ایک مجموعہ ان کے شاگرد ہمام بن منبہ رحمہ اللہ نے تحریری طور پر تیار کیا تھا، جس کا مخطوطہ ملنے کے بعد ڈاکٹر حمید اللہ رحمہ اللہ نے ایڈٹ کر کے شائع کیا ہے، ان سب کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود صحابہ کرام کو تاکید کی تھی کہ وہ محض حافظہ کے بھروسہ پر نہ رہیں؛ بلکہ اس کو لکھ کر محفوظ کر لیا کریں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ''قيّدوا العلم بالكتاب'' (۲) علم کو لکھ کر محفوظ کر لیا کرو، ایک دوسری روایت حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ علم کو قید کر لو، انھوں نے عرض کیا: علم کو کیسے قید کیا جا سکتا ہے؟ تو فرمایا: لکھ کر، (۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک انصاری صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھول جانے کی شکایت کی تو فرمایا: ''استعن بيمينك''، یعنی اس کو لکھ لیا کرو اور ان کے ہاتھ کی جانب اشارہ کیا، (۴) اسی طرح ہمیں روایات میں ملتا ہے کہ حجۃ الوداع میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا، صحابہ کرام نے بہ غور سنا تو یمن کے ایک صحابی جن کا نام ابوشاہ تھا، انھوں نے عرض کیا: اس کو مجھے لکھ کر دیا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان کو خطبہ لکھ کر دینے کا حکم دیا۔ (۵)

نقطوں کی ابتداء

عربی تحریر میں شروع میں نقطے نہیں تھے، جس کی وجہ سے تحریر پڑھنے میں بہت ساری غلطیاں راہ پاتی تھیں، خود مصحف عثمانی کے معتبر نسخے ہمیں نقطوں سے خالی ملتے ہیں، نقطوں سے حروف میں امتیاز کرنا آسان ہو جاتا ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ نقطے لگانے کا کام حجاج بن یوسف نے

---

(۱) جامع بیان العلم وفضلہ: ۱/ ۳۲۴۔

(۲) جامع بیان العلم وفضلہ: ۱/ ۳۰۸، تقیید العلم، المدخل الی السنن الکبریٰ للبیہقی: ۱/ ۴۱۷۔

(۳) المدخل الی السنن الکبری للبیہقی: ۱/ ۴۱۷۔ (۴) حوالۂ سابق۔

(۵) مسند احمد: ۷/ ۸۲، سنن ابوداؤد، حدیث نمبر: ۲۰۱۷، مختصر صحیح البخاری: ۱/ ۵۸۔

شروع کیا تھا اور بعض حضرات نے ابوالاسود الدؤلیؒ کو اس کا بانی قرار دیا ہے؛ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ علم کی دنیا میں یہ انقلاب بھی آپ ﷺ کا رہین منت ہے۔

ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ نے عبید غسانی نامی کاتب کو طلب کیا اور کہا کہ میں کچھ اُمور لکھواتا ہوں، اسے لکھو اور رقش کرو، اس نے پوچھا: رقش کیا ہے؟ تو حضرت معاویہؓ نے کہا: ایک مرتبہ رسول پاک ﷺ نے بھی مجھ کو املاء کراتے ہوئے فرمایا تھا کہ رقش کرو، میں نے دریافت کیا کہ رقش کیا ہے؟ تو فرمایا: حرف پر جہاں ضرورت ہو، نقطے لگاؤ۔(۱)

دنیوی علوم کے حصول میں آزادی

رسول اللہ ﷺ نے علم دین کے علاوہ دیگر علوم کے لئے مکمل آزادی عطا فرمائی اور اس سلسلے میں کوئی قدغن نہیں لگایا، آپ ﷺ نے انصار کو تلقیح (گابھ ڈالنے سے) سے منع کیا اور فصل کو نقصان ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''أنتم أعلم بأمر دنیا کم'' (تم دنیاوی معاملات کے متعلق زیادہ جانتے ہو)(۲) اور ایک دوسری روایت میں فرمایا: ''إذا کان شیئا من أمر دنیا کم فشأنکم به، و إذا کان شیئا من أمر دینکم فإلیّ'' (جب دنیا کے معاملات کی بات ہو تو تم خود اسے حل کرو اور جب دینی اُمور کی بات ہو تو میرے پاس آؤ)۔(۳)

جدید ٹکنالوجی کے استعمال کرنے کی ترغیب

اسلام کا کمال یہ ہے کہ اس نے ترک دنیا کی تعلیم نہیں دی ہے؛ بلکہ دنیا کو اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے مطابق برتنے کی تعلیم دی ہے؛ خود قرآن وحدیث میں تسخیر کائنات کا سبق دیا گیا ہے کہ اللہ نے زمین وآسمان کی ہر چیز کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے، یہ تسخیر عصری اور دنیوی تعلیم کے حصول اور مہارت کے بغیر نہیں ہوسکتی تھی، رسول اللہ ﷺ نے اس کی بھی

---

(۱) تاریخ دمشق: ۸/۳۸/۱۶۹۔

(۲) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۶۳۲۳۔

(۳) المسند الموضوعی الجامع للکتب: ۱/۷۰۴۔

متعدد مواقع سے تاکید فرمائی ہے، غزوۂ خندق کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے عجمیوں کے طریقہ کار کے مطابق حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ سے خندق کھدوایا، (۱) رسول اللہ ﷺ نے طائف کو فتح کرنے میں دبابہ کا استعمال کیا تھا، جو خیبر میں یہودیوں کے قلعہ سے ملا تھا، (۲) اور بعض روایات کے مطابق منجنیق کا استعمال کیا تھا، (۳) اسی طرح آپ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ دوسرے علاقوں کے بنے ہوئے جبے وغیرہ استعمال کرتے تھے۔

طبی علوم

انسانی علوم میں طب کو جو اہمیت حاصل ہے، وہ محتاج بیان نہیں ہے، کہا جاتا ہے کہ علم صرف دو ہی ہیں، ایک: دین کا علم، دوسرے: طب کا علم، رسول اللہ ﷺ نے طب کے علم پر بھی پوری توجہ دی؛ چنانچہ ادویہ سازی کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کی دوا بھی نازل کی ہے۔ (۴)

مصنّف ابن ابی شیبہ میں اضافہ ہے کہ ایک شخص زخمی ہوگیا تو رسول اللہ ﷺ نے طبیب کو طلب فرمایا، لوگوں نے عرض کیا: طبیب کیا کرسکتا ہے؟ مقصد یہ تھا کہ جو تقدیر میں ہوگا مرنا یا جینا، وہ تو ہوگا ہی، آپ ﷺ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا: اللہ نے جو بیماری اُتاری ہے تو اس کے ساتھ اس کی دوا بھی اُتاری ہے، (۵) دوا کا استعمال کرنا تقدیر کے عقیدہ کے خلاف نہیں ہے، ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے جو بھی بیماری اُتاری، اسی کے ساتھ اس کی دوا بھی پیدا فرمائی، اب کوئی اس بیماری کی دوا سے آگاہ ہے اور کوئی اَنجان ہے، (۶) اس کے کتب حدیث میں آپ ﷺ سے مختلف چیزوں کی خاصیت اور متعدد بیماریوں کے علاج منقول ہیں، ان کو کتب حدیث میں 'کتاب الطب' میں دیکھا جاسکتا ہے، اس کے علاوہ طب نبوی پر ضیاء مقدسیؒ، حافظ ابونعیم اصفہانیؒ اور ابن قیمؒ نے مستقل

---

(۱) مغازی الواقدی: ۲/ ۴۴۵۔ (۲) سیرت ابن ہشام۔
(۳) مغازی الواقدی: ۲/ ۶۷۰۔ (۴) بخاری، حدیث نمبر: ۵۶۷۸۔
(۵) مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث نمبر: ۲۳۴۱۴۔ (۶) مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث نمبر: ۲۳۴۱۸۔

کتابیں لکھی ہیں، جس میں طبی اُمور سے متعلق آپ کے ارشادات کو جمع کیا گیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان ارشادات کو بنیاد بنا کر مسلم حکماء واطباء نے طبی میدان میں کام کیا اور اس فن میں پوری دنیا سے اپنی قابلیت کا لوہا منوایا۔

نافع علوم پر ثواب کی بشارت

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دنیاوی علوم کے بارے میں رویہ آزادی پر مبنی ہے، بس اتنا ہے کہ قرآن وحدیث میں اس سلسلے میں اُصولی ہدایات بیان کردی گئی ہیں، اب اُصول اور حدود کی رعایت کر کے دنیا کے تمام نافع علوم حاصل کئے جاسکتے ہیں، اس میں ایجاد واضافہ کیا جاسکتا ہے اور اس میں حد کمال کو پہنچا جاسکتا ہے، حضرت ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے مگر تین کام ایسے ہیں جن کی وجہ سے اعمال کا سلسلہ جاری رہتا ہے، اولاً اس کی نیک اولاد جو اس کے لئے دُعا کرے، یا صدقہ جاریہ، (مثلا کنواں کھدوانا، پل بنانا، ہاسپیٹل تعمیر کرنا، مسجد بنانا وغیرہ) یا انسانیت کو نفع پہنچانے والا علم کسی کو سکھانا، (۱) ایک روایت میں ہے: ''أو عمل ینتفع به'' یا کوئی ایسی کام کرجائے جس سے لوگ اس کے مرنے کے بعد بھی فیضیاب ہوں، حضرت قتادہؓ کی روایت میں اس کا اضافہ ہے: ''أو علم یعمل به بعده'' (۲) یا کوئی ایسا علم چھوڑ جائے جس سے اس کے بعد لوگ منتفع ہوں، ان سب سے جامع تر ابن ماجہ کی روایت ہے، جس میں صراحت سے کہا گیا ہے: ''مومن کے مرنے کے بعد جن اعمال اور نیکیوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے، وہ یہ ہیں کہ کسی کو علم سکھایا اور علم کی نشر واشاعت کی، نیک اولاد چھوڑا، یا مصحف چھوڑا، یا مسجد کی تعمیر کی، یا مسافروں کے لئے سرائے بنوایا، یا نہر کھدوائی۔ (۳)

اب ہم غور کریں کہ ایک ماہر اور قابل طبیب کسی مرض کا علاج ڈھونڈتا ہے تو کیا اس کا یہ عمل صدقہ جاریہ نہیں ہوگا، یقیناً ہوگا؛ کیوں کہ اس کی یہ ایجاد لوگوں کے لئے فائدہ کا سبب

(۱) ابوداؤد: ۵۰۶/۴، ابن خزیمہ: ۱۱۹۵/۲۔ (۲) حوالۂ سابق۔ (۳) ابن ماجہ: ۸۸/۱۔

بن رہی ہے، کوئی انجینئر کوئی ٹکنالوجی ایجاد کرتا ہے، جس سے عوام الناس کو فائدہ ہوتا ہے تو اس کا بھی یہ عمل صدقہ جاریہ کے قبیل سے ہے، اسی طرح کوئی سائنسداں عوام کی سہولت وراحت کے لئے کسی چیز کی ایجاد کرتا ہے، معمولی مثال وہیل چیئر کی ہی لے لیں تو کیا اس سے فائدہ اُٹھانے والوں کی وجہ سے اس سائنسداں کو ثواب نہیں ملے گا، یقیناً ملے گا اور جب تک اس کی یہ ایجاد باقی رہے گی، اس سے نفع اُٹھانے والے باقی رہیں گے، موجد کو ثواب ملتا رہے گا، بعض حدیثوں میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کھیت سے چڑیا جو دانہ چگتی ہے، وہ بھی کسان کے لئے صدقہ ہے، (۱) تو ہم سوچیں کہ اگر چڑیا کا کسی چیز سے نفع اندوز ہونا اس شئے کے مالک کے لئے صدقہ اور باعث ثواب ہے تو انسان جس چیز سے فائدہ اُٹھائے گا، وہ موجد کے حق میں باعث صدقہ کیوں نہیں ہوگا؟ ایک روایت میں آتا ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک شخص نے پیاسے کتے کو پانی پلایا تو اللہ نے اس عمل کی بناء پر اس کی مغفرت کردی، صحابہ نے عرض کیا: کیا ہم کو جانوروں سے بہتر سلوک پر بھی ثواب ملتا ہے؟ تو فرمایا: ہر جاندار کے ساتھ بہتر سلوک پر ثواب ہے، (۲) ہم غور کریں کہ دنیا آج کتنے موذی اور جان لیوا امراض کی چپیٹ میں ہے تو کیا ان امراض کا علاج ڈھونڈ کر ہزاروں افراد کو موت کے منھ میں جانے سے بچانے والے ثواب کے مستحق نہ ہوں گے؟

خلاصۂ کلام

رسول اللہ ﷺ نے عرب معاشرہ میں بلا واسطہ اور پوری دنیا میں بالواسطہ تعلیم کی ایسی روح پھونکی کہ پوری دنیا سے جہالت کے اندھیرے بتدریج چھٹنے لگے اور علم کی ضیا پاش کرنوں سے دنیا منور ہونے لگی، وہی اونٹ کے چرواہے جنھیں دنیا خاطر میں نہ لاتی تھی، تہذیبِ انسانی کے سفیر بن گئے اور مختلف علوم وفنون میں دنیا نے ان کی شاگردی اختیار کی اور اس شاگردی کا

(۱) بخاری، کتاب المساقاۃ، باب فضل الزرع والغرس۔

(۲) مؤطا امام مالک: ۲/۹۲۹۔

یوروپ کو بھی اعتراف ہے، صرف اتنا ہی نہیں، اسلام سے قبل سائنس محض ایک تصور تھا، اسے عملی شکل میں اسلام کے پیرو کاروں نے ہی ڈھالا اور تجربہ کی اہمیت پر زور دیا، اس کے علاوہ ہر طاقتور چیز کے سامنے جھکنے کے ذہن نے انسانی قوت عمل کو مفلوج کر رکھا تھا، اسلام نے پہلی بار یہ ذہن پیدا کیا کہ انسان صرف خدا سے کمتر ہے، اس کے علاوہ وہ بقیہ تمام مخلوقات میں سب سے بہتر ہے، اس پیغام فکر و عمل نے پہلی بار انسانی تاریخ میں تسخیر کائنات کا جذبہ پیدا کیا؛(۱) چنانچہ آج دنیا میں ٹکنالوجی اور علم وفنون کا جو دور دورہ ہے اور جس سے ہر ایک مستفید ہو رہا ہے (یوروپ کی خدمات سے انکار نہیں کیا جا سکتا) اس شجر سایہ دار کا بیج پیغمبر اسلام نے ہی بویا تھا، جس کی آبیاری پیغمبر اسلام کے پیرو کاروں نے جوش و جذبہ کے ساتھ کی، آج دنیا میں تعلیم کو بنیادی حقوق میں شمار کیا جاتا ہے، قیدیوں سے تعلیم کی خدمت لی جاتی ہے، تعلیم کے لئے نئے وسائل و ذرائع استعمال کئے جا رہے ہیں اور اس سمت میں نت نئی ایجادیں ہو رہی ہیں؛ لیکن یہ سب فیضان ہے اسی اُمی کا جس نے کتاب و قلم کو ہاتھ نہیں لگایا؛ لیکن دنیا میں تعلیمی انقلاب برپا کر دیا:

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود انہی کی لگائی ہوئی ہے

● ● ●

(۱) دیکھئے: ''اسلام دور جدید کا خالق، از: مولانا وحید الدین خان۔

پانچواں باب

وَرفعنا لک ذکرک

آپ ﷺ کا ذکر، ہندو مذہبی کتابوں میں ☆

محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پیشین گوئیاں جیسے بائبل کے عہد عتیق میں ہیں جس کو یہودی مانتے ہیں، اور انجیل میں ہیں جس پر عیسائی دنیا کا ایمان ہے، اسی طرح ہندو بھائیوں کی مقدس مذہبی کتابوں میں بھی ہیں، اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ان کتابوں میں بمقابلہ بائبل کے زیادہ وضاحت ہے؛ یہاں تک کہ نام، والدین کے نام، مقام پیدائش اور سیرت محمدی کے بعض واقعات صراحت کے ساتھ ذکر کئے گئے ہیں، افسوس کہ ہندو بھائیوں نے خود اپنی کتابوں پر توجہ نہیں دی اور افسوس صد افسوس کہ مسلمان اس ملک میں کم وبیش بارہ سو سال سے قیام پذیر ہیں؛ لیکن انہیں توفیق نہیں ہوئی کہ وہ سنسکرت زبان کو پڑھتے، برادران وطن کی کتابوں کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کرتے اور داعیانہ محبت وشفقت کے ساتھ ان تک یہ بات پہنچاتے کہ ان کی کتابوں میں جس مردِ آغیب کی آمد کی اطلاع دی گئی ہے وہ محمد ﷺ کی شکل میں آچکے ہیں اور ان کی نجات اسی میں ہے کہ وہ دامن محمدی سے وابستہ ہو جائیں۔

بحمد اللہ گذشتہ کچھ عرصہ میں دعوتی ذوق ومزاج رکھنے والے کئی مسلمان مصنفین نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور بہت اچھی معلومات جمع کی ہیں، میں نے قریب قریب ان تمام مختصر اور مفصل کتابوں کو دیکھنے کی کوشش کی؛ لیکن راقم الحروف کو جناب ابن الاکبر اعظمی کی کتاب (آپ ﷺ کا ذکر، ہندو کتابوں میں) اس سلسلہ میں سب سے مفید اور بہتر کتاب نظر آئی؛ چنانچہ کسی قدر اختصار کے ساتھ ان ہی کی یہ تحریر پیش خدمت ہے۔ (مرتب)

ہندو دھرم ہمارے برصغیر ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کا مشہور اور قدیم مذہب ہے، ہندوستان میں اسی دھرم کو ماننے والوں کی اکثریت ہے؛ لیکن یہ دھرم دنیا کے باقی ادیان سے بہت سی باتوں میں مختلف ہے، اس دھرم کے بارے میں یہی معلوم نہیں کہ اس کا اولین داعی کون ہے؟ اس کا پیغمبر اور نبی کون ہے؟ اس کا آغاز کب سے ہوا اور اس کے ماننے والوں

☆ ابن الاکبر اعظمی

کو ہندو کیوں کہا جاتا ہے؟ بلکہ یہ بھی کسی قدر مشکوک ہی ہے کہ اس کی اصل اور اساسی کتاب کون سی ہے؟ اور یہ بات تو انتہائی پیچیدہ ہے کہ اس کی کوئی واضح اور جامع تعریف کی جا سکے، تاہم اس کی کتابوں کے اندر بہت سی ادھر ادھر کی باتوں کے جھرمٹ میں کچھ باتیں ایسی بھی پائی جاتی ہیں جنہیں دیکھ کر کسی قدر وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ یہ یا تو بذات خود وحی الٰہی ہیں یا پیغمبرانہ تعلیمات سے ماخوذ اور انہی پر مبنی ہیں۔

ہمارے نبی محمد رسول اللہ ﷺ سے متعلق ان کتابوں میں بہت سی واضح پیشینگوئیاں موجود ہیں، پیشینگوئیوں کی ایک خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ ان کا تعلق جس شخص سے ہوتا ہے اس کا نام چاہے لیا جائے یا نہ لیا جائے؛ لیکن اس کی ایسی علامتیں اور خصوصیات بیان کردی جاتی ہیں اور اس کے گرد وپیش کا ایسا نقشہ کھینچ دیا جاتا ہے کہ جب وہ منظر عام پر آئے تو پہنچاننے میں کوئی تردد اور شک وشبہ نہ ہو، محمد رسول اللہ ﷺ کے متعلق ہندو کتابوں میں جو پیشینگوئیاں ہیں ان میں یہ دونوں باتیں موجود ہیں، یعنی آپ ﷺ کا نام بھی ذکر کیا گیا ہے اور آپ کی ایسی صفات وخصوصیات بھی بیان کی گئی ہیں جو آپ کے علاوہ کسی اور میں پائی ہی نہیں جاتیں اور اس بناء پر یہ بات متعین ہوجاتی ہے کہ ان پیشینگوئیوں میں سے مقصود آپ ﷺ کی ذات مبارکہ ہے، اس مختصر سی توضیح کے بعد آیئے ان پیشینگوئیوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔

نراشنس اور اس کی خصوصیات

ہندو دھرم کی سب سے مشہور اور اولین کتاب وید ہے، وید چار ہیں جا بالترتیب یہ ہیں:

(۱) رِگ وید (۲) یَجُر وید (۳) سام وید (۴) اَتھر وید۔

ان ویدوں اور بالخصوص رِگ وید کا انداز یہ ہے کہ وہ کسی مقدس شخصیت (عموماً دیوتا اور کبھی کبھی انسان) کو منتخب کرکے اسے ایک یا چند بار مخاطب کرتی یا اس کا ذکر کرتی ہے، اس کے اوصاف اور خوبیاں بیان کرتی ہے اور کبھی کبھی مصائب ومشکلات کے دفعیہ کے لئے اسے پکارتی بھی ہے، یہ ذکر وخطاب کبھی لمبا اور منتروں کے پورے مجموعے پر مشتمل ہوتا ہے اور کبھی مختصر ہوتا ہے اور ایک دو منتر پر ختم ہوجاتا ہے، پھر کوئی اور بیان شروع ہوجاتا ہے، **نراشنس**

کا ذکر چاروں ویدوں میں ہے؛ لیکن سب سے تفصیلی ذکر اَتھر وید میں ہے، لہٰذا سب سے پہلے یہی پیش خدمت ہے:

इदं जना उप श्रुत नराशंस स्तविष्यते ।
षष्टिं सहस्रा नवतिं च कौरम आ रुशमेषु दद्महे ॥१ ।
उष्ट्रा यस्य प्रवाहणो वधूमन्तो द्विर्दश ।
वष रथस्य नि जिहीडते दिव ईषमाणा उपस्पृशः ।।२ ।।
एष इषाय मामहे शतं निष्कान् दश स्रजः । त्रीणि
शतान्यर्वतां सहस्रा दश गोनाम् ॥३ ॥
वच्यस्व रेभ वच्यस्व वृक्षे न पक्वे शकुनः । नष्टे जिह्वा
चर्चरीति क्षुरोन भुरिजोरिव ॥४ ॥
प्ररेभासो मनीषा वृषा गाव इवेरते । अमोतपुत्रका एषाममोत
गा इवासते ।।५ ।
प्र रेभ धीं भरस्व गोविदं वसुविदम् । देवत्रेमां वाचं
श्रीणीहीषु वीरस्तारम् ॥
राज्ञो विश्वजनीनस्य यो देवोऽमा अति । वैश्वानरस्य सुष्टुतिमा
सुनोता परिक्षितः ।।७ ।।
परिच्छिन्नः क्षेममकरोत् तम आसनमाचरन् । कुलायन् कृण्वन्
कौरव्यः पतिर्वदति जायया ॥८ ॥
कतरत् त आ हराणि दधि मन्था परि श्रुतम् । जायाः पतिं
वि पृच्छति राष्ट्र राज्ञः परिक्षितः ॥९ ॥
पथो बिलम् । जनः स ःअभीवस्वः प्रजिहीते यवः पक्व
भद्रमेधति राष्ट्र राज्ञः परिक्षितः ॥१० ॥
इन्द्रः कारुमबूबुधदुत्तिष्ठ वि चरा जनम् । ममेदुग्रस्य चर्कधि
सर्व इत् ते पृणादरिः ॥११ ॥
इह गावः प्रजायध्वमिहाश्वा इह पूरुषाः । इहो
सहस्रदक्षिणोऽपि पूषा नि षीदति ।
नेमा इन्द्र गावो रिषन् मो आसां गोप रीरिषत् ।
मासाममित्रयुर्जन इन्द्र मा स्तेन ईशत ॥१३ ॥
उप नो न रमसि सूक्तेन वचसा वयं भद्रेण वचसा

वयम् । वनादधिध्वनो गिरोन रिष्येम कदाचन ।।१४ ।।

یہ کل چودہ منتر ہیں، جو اَتھر وید، کانڈ/ ۲۰،سوکت/ ۱۲۷،منترا تا ۱۴ پر مشتمل ہیں، پہلے ان کا نمبروار ترجمہ دیا جارہا ہے، پھر معانی اور اشارات کی وضاحت کی جائے گی،ترجمہ یہ ہے:

۱۔ لوگو! احترام سے سنو! **نراشنس** کی تعریف کی جائے گی، ہم اس مہاجر یا امن کے علمبردار کو ساٹھ ہزار نوے دشمنوں کے درمیان محفوظ دیکھیں گے۔

۲۔ اس کی سواری اونٹ ہوگی اور اس کی بارہ بیویاں ہوں گی، اس کا درجہ اتنا بلند اور اس کی سواری اتنی تیز ہوگی کہ وہ آسمان کو چھوئے گی، پھر اتر آئے گی۔

۳۔ اس نے ''مامح''، رِشی کو سو اشرفیاں، دس ہار، تین سو گھوڑے اور دس ہزار گائیں عطا کیں۔

۴۔ تبلیغ کر اے احمد! تبلیغ کر جیسے چڑیاں پکے ہوئے پھل والے درخت پر چہچہاتی ہیں، تیری زبان اور تیرے دونوں ہونٹ قینچی کے دونوں پھلوں کی طرح چلتے ہیں۔

۵۔ حمد کرنے والے اپنی حمدوں کے ساتھ یا نمازی اپنی نمازوں کے ساتھ طاقتور سانڈ کی طرح جنگ میں جاتے ہیں اور ان کی اولاد اپنے گھروں میں یوں مامون رہتی ہے جیسے گائے اپنے ٹھکانوں میں۔

۶۔ اے احمد! اس کلامِ حکیم کو مضبوطی سے پکڑ کہ یہ گایوں اور مالوں کی اساس ہے اور اسے متقیوں تک پہنچا جیسے بہادر نشانے پر تیر مارتا ہے۔

۷۔ وہ دنیا کا سردار جو دیوتا ہے۔ سب سے افضل انسان ہے۔ سارے لوگوں کا رہنما اور سب قوموں میں معروف ہے، اس کی اعلیٰ ترین تعریف وثنا گاؤ۔

۸۔ اس شہرت یافتہ شخص نے گھر کی تعمیر کے دوران حکومت یا عدالت ہاتھ لیتے ہی ہر جانب امن وشانتی قائم کردی اور یہ بات ہر شوہر اپنی بیوی سے ذکر کررہا تھا۔

۹۔ اس شہرت یافتہ شخص کی حکومت میں ایک بیوی اپنے شوہر سے پوچھتی ہے کہ میں آپ کے لئے کیا لاؤں؟ دہی، لسی یا کوئی اور نشاط انگیز مشروب؟

۱۰۔ ایک پکا ہوا (Barley) جو گڈھے سے نکل کر آسمان تک جاتا ہے، اس شہرت یافتہ شخص کی حکومت میں انسان تقوی اور خیر کے اندر ترقی کرتا ہے۔

۱۱۔ اللہ نے احمد کو جگایا کہ اٹھ! اور یہاں وہاں لوگوں کے پاس جا اور میری بڑائی کر، یقیناً میں ہی غالب ہوں، میں تجھے ساری نعمتیں دوں گا۔

۱۲۔ یہاں اے گایو! یہاں اے گھوڑو! یہاں اے انسانو! ترقی کرو اور بڑھو؛ کیوں کہ فقیروں کا سہارا اور ہزاروں کی خیرات کرنے والا یہاں بیٹھا ہے۔

۱۳۔ نہیں اے غالب رب! یہ گائیں ہلاک نہ ہوں اور ان کا چرواہا ہلاک نہ ہو اور اے غالب رب! ان کے دشمن اور ڈاکو ان پر غلبہ نہ پائیں۔

۱۴۔ ہم تعریفی کلمات اور نہایت عمدہ کلام سے بڑے ادب کے ساتھ ایک بہادر کے گن گاتے ہیں تو خوشی سے ہمارے گیت قبول فرما، تاکہ ہم کبھی بھی ہلاکت یا خسارہ میں نہ رہیں۔

منتروں کے اس ترجمہ کے بعد آیئے اب ان کے مطالب اور اشارات پر غور کرتے ہیں، یہ اشارات اگرچہ اہل علم کے لئے واضح ہیں؛ لیکن بہت سے حضرات کے لئے حیرت انگیز انکشاف سے کم کا درجہ نہیں رکھیں گے، یہ توضیح بھی منتروں کی ترتیب کے مطابق ہی دی جارہی ہے اور سہولت کے لئے ترجمہ بھی پھر سے دیا جارہا ہے۔

پہلا منتر

> ''لوگو! احترام سے سنو! **نراشنس** کی تعریف کی جائے گی، ہم اس مہاجر یا امن کے علمبردار کو ساٹھ ہزار نوے دشمنوں کے درمیان محفوظ رکھیں گے۔''

☆ احترام سے سننے کی یہ تاکید جو یہاں ہے، وید میں اور جگہوں پر نہیں پائی جاتی، اس کے معنی یہ ہیں کہ جس شخصیت کا یہاں ذکر آرہا ہے، وہ وید کی باقی شخصیتوں سے نرالی ہے اور عظیم ہے۔

☆ **نراشنس** سنسکرت زبان کا لفظ ہے جو درحقیقت دولفظوں سے مل کر بنا ہے، ایک لفظ ''**نر**'' جس کا معنی ہے انسان، اس کو لا کر یہ بتانا مقصود ہے کہ یہاں جس شخصیت کا ذکر ہورہا ہے وہ انسانوں میں سے ہے، وید کی دوسری شخصیات کی طرح دیوتا (فرشتہ یا جن) نہیں ہے۔

دوسرا لفظ ''**اشنس**'' ہے، اس کا مطلب ہے ''وہ شخص جس کی کثرت سے تعریف کی جائے'' لہٰذا ''**نراشنس**'' کا بعینہ وہی معنی ہوا جو لفظ ''محمد'' کا ہے، دونوں میں اس کے سوا کوئی فرق نہیں کہ ''محمد'' عربی لفظ ہے اور ''**نراشنس**'' سنسکرت، لہٰذا اگر وید میں اس شخصیت کی مزید کوئی تفصیل نہ ہوتی، صرف یہی مبارک نام ہوتا تو یہ اس بات کو جاننے کے لئے کافی شافی تھا کہ یہ پیشین گوئی محمد ﷺ کے متعلق ہے؛ لیکن مزید سنئے! فرمایا گیا:

☆ **نراشنس** کی تعریف کی جائے گی۔

محمد ﷺ کی کس قدر تعریف کی گئی ہے، اس کا اندازہ لگانا بھی دشوار ہے، آپ ﷺ کی سیرت اور مدح وثناء میں لکھی گئی کتابیں کس قدر ہیں، اس کا اندازہ کرنا بھی ممکن نہیں، مسلمان تو مسلمان، مختلف مذاہب کے غیر مسلموں نے بھی آپ ﷺ کی مدح وتعریف میں اتنا کچھ لکھا ہے کہ خود اپنے دین ومذہب کے پیشواؤں کے بارے میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں لکھا، بلکہ ان کے متعلق ان کے پاس کچھ زیادہ لکھنے کے لئے ہے ہی نہیں، موسیٰ علیہ السلام سے ان کے عظیم احسانات کے باوجود یہودیوں کو ہمیشہ شکایت ہی رہی ہے، عیسائیوں کے پاس عیسیٰ علیہ السلام کے چند معجزات، چند تمثیلوں، چند تلخ وترش بیانات، صلیب پر چڑھنے اور آسمان پر جانے کے موہوم واقعات کے سوا کچھ نہیں، جن میں تعریف کم اور توہین کا پہلو زیادہ نکلتا ہے، ہندوؤں کی شخصیات اور بھی زیادہ پردے میں ہیں، پھر ان پر صحیح غلط جو کچھ وہ خامہ فرسائی کرسکے، وہ محمد رسول اللہ ﷺ کی کی گئی تعریف کے مقابل میں ایسے ہی ہے جیسے سمندر کے مقابل میں قطرہ۔

☆ اور یہ جو مستقبل کے صیغے سے فرمایا گیا کہ ''**نراشنس** کی تعریف کی جائے گی''

اس کے معنی یہ ہیں کہ اس اتھر وید کی تالیف کے زمانہ تک ''**نراشنس**'' بھیجے نہیں گئے اور تمام محققین کا اتفاق ہے کہ اتھر وید چوتھی اور آخری وید ہے جو پہلی تین ویدوں سے کافی بعد میں لکھی گئی ہے۔

☆ اس منتر کے دوسرے مصرع میں **نراشنس** کو ''کورم'' کہا گیا ہے، لفظ کورم کے دو معنی ہیں، ایک: ''مہاجر'' دوسرا: ''امن کا علمبردار''۔ ان میں سے جو معنی بھی کریں سب سے زیادہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صادق آتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی جو انبیاء کی تاریخ کا سب سے مشہور واقعہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی امن کے علمبردار بھی تھے، اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت اور ظہور کے وقت مدینہ میں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کی، اوس وخزرج کے درمیان سو سال سے رہ رہ کر لڑائی چلی آ رہی تھی، مشرقی عرب میں بکر وتغلب کے درمیان چالیس سال سے لڑائی چلی آ رہی تھی، جس میں فریقین کے ستر ہزار آدمی مارے جا چکے تھے، بیچ عرب میں عبس وذبیان کے درمیان تہلکہ مچا ہوا تھا، یمن کے یہودی حکمران نے نجران کے عیسائی باشندوں کو زندہ جلا ڈالا تھا، جواب میں حبش کے عیسائیوں نے یمن پر قبضہ کر کے وہاں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی، پھر کعبہ بھی ڈھانا چاہا تو عذاب الٰہی نے ان کی کمر توڑ دی، اس سے فائدہ اٹھا کر یمن وفارسی چڑھ آئے، غرض ہر طرف جنگ وجدال کا طوفان بپا تھا، قبائل اپنی سکونت گاہوں میں محصور تھے، پھر بھی حملہ آوروں سے محفوظ نہ تھے، سکونت گاہ سے باہر نکلنا گویا موت کو دعوت دینا تھا۔

اس طوفان کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت ظاہر ہوئی، لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی اسی اسلوب سے پیش آئے؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسرے اسلوب سے جواب دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ پورا عرب صرف آٹھ سال کی مدت میں امن کا گہوارہ بن گیا، وہ جو چالیس اور سو سو برس سے لڑتے آ رہے تھے، اس طرح بھائی بھائی ہو گئے کہ ہر ایک دوسرے کی جگہ اپنی جان دینا اپنی سعادت سمجھنے لگا، جہاں قافلے راہ چلتے ہوئے لوٹے اور مارے جاتے تھے، وہاں

اونٹ پر سفر کرنے والی عورت تنہا سینکڑوں میل سے آتی جاتی اور کوئی ترچھی نظر اٹھا کر دیکھنے والا نہ ہوتا تھا۔

غرض انبیاء کی پوری تاریخ میں امن قائم کرنے کا یہ کارنامہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی نے انجام نہ دیا۔

☆ اس منتر کے آخری مصرع میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ آپ کے دشمنوں کے درمیان' جن کی تعداد ساٹھ ہزار نوے ہوگی' آپ کی حفاظت کرے گا۔

اس میں دشمن کی تعداد کا تعین نہایت باریکی کے ساتھ کیا گیا ہے اور اس بناء پر یہ نہایت عظیم اور حیرت انگیز پیشینگوئی ہے، شارحین اس کا مصداق ڈھونڈنے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس کو چسپاں کرنے کے سلسلہ میں حیران و پریشان ہیں اور بھاگ دوڑ کر بوڑھوں، بچوں اور عورتوں سمیت مکہ کی آبادی کا تخمینہ لگاتے پھرتے ہیں جو بالکل غلط ہے، حفاظت کا سوال اس دشمن سے پیدا ہوتا ہے جو آپ کے قتل کے درپے ہو، لہٰذا عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو شمار کرنا صحیح نہیں ہے اور ان کو ملا کر بھی مکہ کی آبادی مذکورہ تعداد کو قطعاً نہیں پہنچتی تھی۔

صحیح یہ ہے کہ دشمن سے مراد وہ مردان جنگی ہیں جو تلوار لے کر آپ کے مقابل آئے، یا جنہوں نے خفیہ طریقہ سے آپ کو قتل کرنے کی کوشش کی؛ کیوں کہ ان ہی سے آپ کی جان کو خطرہ تھا، لہٰذا انہیں سے آپ کی حفاظت بھی مطلوب تھی اور نہایت حیرت سے سنئے کہ اس قسم کے آپ کے دشمنوں کی تعداد ٹھیک ساٹھ ہزار نوے تھی، قریشی اور ان کے حلفاء بنو غطفان اور ان کے شرکاء کل دس ہزار تھے، جو جنگ خندق میں اکٹھے آئے تھے اور دوسری جنگوں میں چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کے اندر، اسی طرح یہود کے مختلف قبائل کے مردان جنگی کی تعداد دس ہزار تھی جو خیبر میں تقریباً یکجائی طور سے لڑے اور باقی جنگوں میں متفرق طور پر، رومی جنہوں نے مدینہ پر دھاوا بول کر اس کی اینٹ سے اینٹ بجانی چاہی اور جن سے مقابلہ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک تشریف لے گئے تو سامنے نہ آئے، ان کی تعداد چالیس ہزار تھی، کل دشمن سات ہوئے، منافقین جنہوں نے تبوک میں ساتھ جانے سے معذرت کر لی ۸۰/ تھے اور جو

تبوک میں گئے وہ ۱۲/ یا ۱۳/ تھے، انہوں نے واپسی میں آپ کو قتل کرنے کا بھی اقدام کیا؛ لیکن ناکام رہے، ان میں سے دو یا تین متذبذب تھے اور انہوں نے توبہ کر لی، دس نفاق پر قائم رہے، لہٰذا ان کی کل تعداد نوے ہوئی، یوں آپ کے قتل کے خواہاں دشمنوں کی تعداد ٹھیک ٹھیک ۶۰/ ہزار ۹۰/ ہوتی ہے، جن کے درمیان اللہ نے آپ ﷺ کی حفاظت کی۔

نوٹ: منتر کے اس زیر بحث ٹکڑے میں لفظ ''روشم'' استعمال ہوا ہے، یہ جہاں دشمنی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے وہیں جزیرۃ العرب کے باشندوں پر بھی بولا جاتا ہے، یہاں اگر یہ دوسرا معنی لیا جائے تو اس بات کا تعین ہو جاتا ہے کہ **نراشنس** پیغمبر کا تعلق جزیرۃ العرب سے ہوگا اور معلوم ہے کہ جزیرۃ العرب میں صرف محمد ﷺ نبی بنائے گئے ہیں۔

دوسرا منتر

''اس کی سواری اونٹ ہوگی اور اس کی بارہ بیویاں ہوں گی، اس کا درجہ اتنا بلند اور اس کی سواری اتنی تیز ہوگی کہ وہ آسمان کو چھوئے گی پھر اتر آئے گی۔''

یہ منتر محمد ﷺ کے بارے میں بالکل واضح ہے، اس کی ہر بات آپ پر صادق آتی ہے اور آپ ہی کے ساتھ خاص ہے، ذیل میں اشارہ دیا جا رہا ہے:

☆ اونٹ آپ کی مستقل سواری تھی، سفر میں، غزوات میں اور دوسرے عام موقعوں پر آپ اونٹ ہی کی سواری فرمایا کرتے تھے۔

☆ **نراشنس** کی سواری اونٹ ہونے سے ایک نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ اس کی بعثت موٹروں اور ہوائی جہازوں کے اس دور تک مؤخر نہیں ہوگی؛ بلکہ اس زمانہ میں ہوگی جب اونٹ اور اس جیسے جانور سواری کے طور پر استعمال ہو رہے ہوں گے، اس کے معنی یہ ہیں کہ اس رسول کی بعثت کا زمانہ گذر چکا، آئندہ اس کے آنے کا انتظار جیسا کہ ہندو حضرات کر رہے ہیں صحیح نہیں۔

اس سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ اس کا ظہور ریگستانی علاقہ میں ہوگا؛ کیوں کہ اونٹ

ریگستانی علاقہ کی سواری ہے اور معلوم ہے کہ ملک عرب ایک ریگستانی علاقہ ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ پیغمبر ہندوستان میں پیدا نہ ہوگا، برہمن یا آریہ نسل سے بھی نہ ہوگا اور ہندو دھرم پر بھی نہ ہوگا؛ کیوں کہ ہندو دھرم میں پیغمبروں کے لئے اونٹ کا گوشت اور دودھ حرام ہے، اور برہمن کے لئے اونٹ کی سواری حرام ہے؛ چنانچہ برہمن اگر کسی جبر کے بغیر اپنی مرضی سے اونٹ یا گدھے پر سوار ہوجائے تو وہ بھرشٹ (ناپاک) ہوجاتا ہے، اور جب یہ پیغمبر برہمن نہ ہوگا تو آریہ نسل سے بھی نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ آریہ نسل میں پیغمبری اور نبوت برہمن کے ساتھ خاص ہے، جب یہ طے ہوگیا کہ **نراشنس** ریگستانی علاقہ سے ہوگا اور آریہ یا ہندو نہ ہوگا، تو یہ بھی طے ہوگیا کہ وہ سرزمین عرب سے ہوگا۔

☆ وہ تجرد کی زندگی گذارنے والا (برہم چریہ) نہ ہوگا، بلکہ شادی کرے گا اور شادی بھی ایک نہیں بلکہ بارہ عورتوں سے کرے گا، اور یہ بات ٹھیک ٹھیک **محمد** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صادق آتی ہے، آپ کی کل بارہ بیویاں تھیں، جب کہ آپ کے سوا کسی اور نبی یا مصلح کی بیویوں کی یہ تعداد نہ ہوئی، آپ کی بارہ بیویوں کے نام یہ ہیں:

> ۱۔ سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا ۲۔ سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا ۳۔ سیدہ عائشہ بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا ۴۔ سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا ۵۔ سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا ۶۔ سیدہ ام سلمہ بنت ابی امیہ رضی اللہ عنہا ۷۔ سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ۸۔ سیدہ ریحانہ بنت زید رضی اللہ عنہا ۹۔ سیدہ جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا ۱۰۔ سیدہ ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا ۱۱۔ سیدہ صفیہ بنت حیی بن اخطب رضی اللہ عنہا ۱۲۔ سیدہ میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا۔

نوٹ: اس منتر کے پہلے مصرع کے دوسرے فقرے کے ترجمہ میں تھوڑا سا اختلاف ہے، سنسکرت کے مشہور ہندوستانی عالم پنڈت ''وید پرکاش اپادھیائے'' نے اپنی کتاب'' **نراشنس** اور انتم رشی'' ص ۱۴؍ میں وہی ترجمہ کیا ہے جو پیچھے گذر چکا ہے؛ لیکن بعض

دوسرے اہل علم کہتے ہیں کہ یہاں وید کے نسخوں میں اختلاف ہے، عام نسخوں میں दुरदश (**دور دش**) ہے، اس کا ترجمہ ہوگا ''بارہ بیویاں'' لیکن بعض نسخوں میں दुरदर्श (**دور درش**) ہے، یعنی دال اور شین کے درمیان راء زیادہ ہے، اور اس نسخہ کے مطابق یہ معنی کیا گیا ہے کہ ''اس کی بیویاں ہوں گی اور اس کی سواری کے لئے دو خوبصورت اونٹنیاں ہوں گی، یہ معنی بھی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہی صادق آتا ہے، آپ کے پاس سواری کے لئے دو خوبصورت اونٹنیاں تھیں، ایک کا نام قصواء اور دوسری کا نام عضباء تھا۔

بعض نے ''**دور درش**'' کا معنی کیا ہے ''ڈبل دس'' یعنی ۲۰؍اور ترجمہ یوں کیا ہے:

''اس کے پاس ۲۰؍اونٹنیاں ہوں گی جن پر وہ خود سوار ہوگا اور اپنی بیویوں کو سوار کرے گا۔''

اب یہ بھی عجیب بات ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت میں کل ۲۰؍اونٹنیاں تھیں، ۲؍سواری کے لئے خاص تھیں، باقی سے دودھ حاصل کیا جاتا تھا؛ لیکن ضرورت کے وقت وہ سواری کے لئے بھی استعمال کی جاتی تھیں، بالخصوص سفر کے دوران آپ بیویوں کو ان پر سوار فرماتے تھے۔(۱)

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں کے علاوہ کسی اور نبی کی بیوی یا بیویوں نے اونٹ کی سواری نہیں کی۔

☆ اس منتر کے دوسرے مصرع میں اسراء اور معراج کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے، اس واقعہ میں آپ کو براق پر سوار کیا گیا، جس کا قدم وہاں پڑتا تھا، جہاں اس کی نگاہ جاتی تھی، اس نے راتوں رات آپ کو آسمانوں کی سیر کرائی، پھر مکہ میں لا اتارا، یہ بات بھی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی اور میں نہیں پائی گئی۔

تیسرا منتر

''اس نے **مامح** رشی کو سو اشرفیاں، دس ہار، تین سو گھوڑے اور دس

(۱) دیکھئے طبقات ابن سعد: ۱؍۴۹۴، ۴۹۵، معارف لابن قتیبہ، ص: ۱۴۹، تلقیح المفہوم لابن الجوزی، ص: ۱۴

ہزار گائیں عطا کیں۔''

☆ **نراشنس** کو پہچاننے کے لئے یہ بھی بڑا اہم اور فیصلہ کن منتر ہے، اس میں اس کو''**مامح رشی**'' کہا گیا ہے، یہ نام رگ وید منڈل ر ۵، سوکت ر ۲۷، منتر ر ۱ میں بھی آیا ہے، اس کے بارے میں دو امکان ہیں، ایک یہ کہ یہ عربی زبان کے لفظ''محمد'' کا سنسکرت تلفظ ہو، یعنی عربی زبان کا لفظ محمد سنسکرت زبان میں جا کر لفظ **مامح** بن گیا ہو، یاد رہے کہ دو زبانوں میں ایک ہی لفظ کے تلفظ میں اتنا فرق تعجب خیز نہیں، عربی کا یحییٰ عبرانی میں یوحنا اور یوحس کہلاتا ہے، الیاس کو ایلیاء اور یونس کو یوناہ اور یونان کہا جاتا ہے وغیرہ۔

اس لفظ کے بارے میں دوسرا امکان یہ ہے کہ یہ خالص سنسکرت کا لفظ ہو، ایسی صورت میں''ما''اور''مح'' دو لفظوں کا مجموعہ ہوگا۔''ما'' اپنے بعد والے لفظ کے معنی کی بڑائی، عظمت اور کثرت کو بتاتا ہے، اور''مح'' کا معنی ہے وہ شخص جس کی خوب تعریف وثناء کی جائے، بعینہ یہی معنی لفظ محمد کا بھی ہے، دونوں میں اس کے سوا کوئی فرق نہیں کہ ایک عربی اور دوسرا سنسکرت میں ہے۔

☆ اس کے بعد اس منتر میں بتایا گیا ہے کہ اللہ اس رشی (پیغمبر) کو **سو نشک** (اشرفیاں) عطا کرے گا، **نشک** خالص سونے کے سکے کو کہتے ہیں جو آگ میں تپا کر ڈھالا جاتا ہے، شت پتھ براہمن، کانڈر ۱۲، پر پاٹھک ر ۹، برہمن ایک میں ہے کہ سونا انسان میں روحانی قوت کے لئے استعارہ ہے، لہٰذا اس سے مراد اس پیغمبر کے ایسے سو ساتھی ہیں جو آزمائش کی آگ میں تپ کر بالکل کھرے ثابت ہوئے ہیں، پس اس سے اشارہ مہاجرین حبشہ کی طرف ہے، جنہیں مشرکین مکہ نے ایسی شدید آزمائشوں میں ڈالا تھا جنہیں سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، مگر وہ اتنے کھرے ثابت ہوئے کہ بال برابر بھی دین وایمان سے نہ ہٹے، پھر دیکھو! یہ کیسی عجیب مطابقت ہے کہ ان مہاجرین حبشہ کی کل تعداد ایک سو ایک تھی، جن میں سے ایک شخص عبیداللہ بن جحش حبشہ پہنچنے کے بعد مرتد ہو کر عیسائی ہو گیا اور مر گیا، باقی سو افراد دین اسلام پر نہایت پختگی سے قائم رہے۔

☆ پھر کہا گیا ہے کہ اللہ نے اس کو دس ہار عطا کئے، ہار سب سے نفیس زیور ہوتا ہے جو گلے کا مال، سینے سے متصل، دل سے لگا ہوا اور پہننے والے اور دیکھنے والوں کی نظر میں سب سے خوبصورت اور عمدہ ہوتا ہے، لہٰذا اس سے اشارہ ہے کہ اس رسول کو دس ایسے ساتھی عطا کئے جائیں گے جو اپنی خوبیوں میں سب سے ممتاز اور خود رسول کی نظر میں سب سے اچھے اور محبوب ہوں گے، اور یاد رہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایسے دس ساتھی ہوئے جنہیں آپ نے نام لے لے کر یوں برملا خوشخبری سنائی:

۱۔ ابوبکر جنت میں ۲۔ عمر جنت میں ۳۔ عثمان جنت میں ۴۔ علی جنت میں ۵۔ طلحہ جنت میں ۶۔ زبیر جنت میں ۷۔ عبدالرحمٰن بن عوف جنت میں ۸۔ سعد بن مالک (یعنی سعد بن ابی وقاص) جنت میں ۹۔ سعید بن زید جنت میں ۱۰۔ اور ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم اجمعین جنت میں۔ (۱)

غرض یہ دس حضرات صحابہ اپنے اس وصف میں ایسے ممتاز ہوئے کہ آج تک ان کو پوری امت قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتی اور ان کا ذکر کرتی چلی آ رہی ہے، رضی اللہ عنہم۔

☆ اس کے بعد اس منتر میں کہا گیا ہے کہ اللہ نے اس رسول کو تین سو تیز رو گھوڑے عطا کئے۔ گھوڑوں کے لئے لفظ ''ارون'' استعمال کیا گیا ہے، ''ارون'' ان تیز رو گھوڑوں کو کہا جاتا ہے جسے آریہ نہیں بلکہ دوسری قومیں بالخصوص عرب استعمال کرتے ہیں، اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ یہاں جس پیغمبر کی پیشینگوئی چل رہی ہے، وہ ہندوستان کا نہیں بلکہ کہیں اور کا بالخصوص عرب کا ہوگا۔

بہر حال گھوڑے کا لفظ بہادری اور جوانمردی کی علامت ہے، مراد یہ ہے کہ اس پیغمبر کو تین سو جوانمرد بہادر عطا کئے جائیں گے جو میدان جنگ میں لڑائی اور دفاع میں ایک امتیازی

---

(۱) دیکھئے مسند احمد ۱/۱۸۸، جامع ترمذی، مناقب عبدالرحمٰن بن عوف، حدیث نمبر: ۳۷۴۷، اور حدیث نمبر ۳۷۵۷، سنن ابوداؤد، باب فی الخلفاء ۲/ ۵۶۳۔ نیز اسے اور بہت سارے محدثین نے بھی روایت کیا ہے۔

شان رکھیں گے، اس سے اشارہ جنگ بدر میں شریک ہونے والوں کی طرف ہے، ان کی تعداد تین سو تیرہ یا تین سو چودہ تھی، انہوں نے بالکل بے سروسامانی کے عالم میں ایک ہزار اعلیٰ درجہ کے بہادر، ہتھیاروں سے لیس اور جنگ آزما مشرکین سے ٹکر لی اور انہیں شکست فاش دی، ستر کو مارا اور ستر کو قید کیا، مگر خود ان صحابہ کے بھی چودہ آدمی اس جنگ میں شہید ہوئے، لہٰذا کل میں تین سو باقی رہے، جو ہر معرکہ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمرکاب ہوتے تھے، یہی تین سو کی تعداد اس منتر میں بھی بتائی گئی ہے۔

☆ آخری بات اس منتر میں یہ کہی گئی ہے کہ اس پیغمبر کو دس ہزار گائیں عطا کی گئیں، یاد رہے سیدھے، شریف اور ہر طرح کی چال بازیوں سے دور انسان کے لئے گائے کا لفظ بولا جانا آج بھی ہندوستان و پاکستان میں عام ہے، کسی کی سیدھائی بیان کرنی ہو تو کہتے ہیں کہ وہ بالکل اللہ میاں کی گائے ہے، اس لئے دس ہزار گائیوں سے مراد ایسے پاکیزہ صفات انسان ہیں جو ہر طرح کی ہیرا پھیری سے پاک تھے، ایسے قدسی صفات صحابہ فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار کی تعداد میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے، اور حق یہ کہ انسانی نگاہوں نے ان سے پہلے اور ان کے بعد ایسے پاکیزہ انسان نہیں دیکھے؛ لہٰذا اس منتر کا یہ حصہ بھی آپ پر ٹھیک ٹھیک پورا اترا۔

چوتھا منتر

> ''تبلیغ کرے اے احمد! تبلیغ کر۔ جیسے چڑیاں پکے ہوئے پھل والے درخت پر چہچہاتی ہیں، تیری زبان اور دونوں ہونٹ قینچی کے دونوں پھلوں کی طرح چلتے ہیں۔''

☆ اس منتر میں ''**ریبھ**'' نام کا انسان مخاطب ہے، سنسکرت میں **ریبھ** کا بعینہ وہی معنی ہے جو عربی میں احمد کا ہے، یعنی کثرت سے یا سب سے بڑھ کر اللہ کی حمد وثناء کرنے والا۔

☆ پھر اس **ریبھ** یعنی احمد کو تبلیغ کا حکم دیتے ہوئے تبلیغ کے اس عمل کو پھلدار درخت پر چڑیوں کے چہچہانے سے تشبیہ دی گئی ہے، چڑیوں کی چہچہاہٹ بڑی سہانی اور نغمہ وسرور لئے

ہوئے ہوتی ہے، ادھر دین اسلام کی تبلیغ کی اساس قرآن مجید کی تلاوت ہے، (۱) اور معلوم ہے کہ قرآن کی تلاوت اپنے اندر وہ نغمگی، جاذبیت اور سہانی کشش رکھتی ہے کہ اگر کوئی خوش الحان قاری تلاوت شروع کردے تو پوری کائنات دم سادھے گوش برآواز ہوجاتی ہے؛ چنانچہ ادیان ومذاہب کے عالمی اجتماعات میں جب بھی قرآن کی تلاوت شروع ہوئی تو کسی کو یارائے ضبط نہ رہا، اور بلاامتیاز مذہب ودین اور بلاامتیاز زبان ولغت ہر ایک کے چہرے آنسوؤں سے تربتر ہوگئے، اس لئے تبلیغ اسلام کے عمل کو چڑیا کی چہچہاہٹ سے جو تشبیہ دی گئی ہے، وہ نہایت ہی شاندار، جامع اور بلیغ تشبیہ ہے، چڑیا اپنی چہچہاہٹ کے دوران نہایت پرسرور ہوتی ہے، نبی ﷺ بھی اپنی تبلیغ کے دوران نہایت پرسرور ہوتے تھے، آپ کی نظر میں اس سے زیادہ پرلطف کوئی کام تھا ہی نہیں، اس لئے اس راہ میں آپ کو جان کی بھی پرواہ نہ تھی۔ (۲)

پھر ان چہچہانے والی چڑیوں کا پکے ہوئے پھل والے درخت پر ہونا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس وقت یہ دعوت اٹھے گی دنیا ہر طرف سے تنگ آکر پکے ہوئے پھل کی طرح اس دعوت کی جھولی میں جانے کے لئے تیار ہوگی؛ چنانچہ جس وقت اسلام کی دعوت اٹھی، دنیا یہودیت وعیسائیت، ہندومت اور بدھ مت اور ہر طرح کے ازموں اور دھرموں سے تنگ اور بیزار ہوچکی تھی، اس لئے ظہور دعوت کے وقت وہ تھوڑا سا ٹھٹکی، پھر اس کے دامن میں آگری جیسے پکا ہوا پھل ٹپکتا ہے۔

یہاں یہ ذکر بھی بے جا نہ ہوگا کہ خود قرآن مجید کے اندر بھی کلمہ اسلام کو ایک پھلدار درخت سے تشبیہ دی گئی ہے، ارشاد ہے:

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ
أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ۝ تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ
بِإِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ

(۱) دیکھئے جمعہ/۲، طلاق/۱۱، الانفال/۲، الجاثیہ/۳۱ وغیرہ

(۲) دیکھئے: سورۂ کہف: ۶

يَتَذَكَّرُونَ (ابراہیم: ۲۴، ۲۵)

''تم دیکھتے نہیں کہ اللہ نے کس طرح کلمۂ طیبہ کی مثال اس پاکیزہ درخت سے بیان کی ہے جس کی جڑ ثابت ہے اور جس کی شاخ آسمان میں ہے، جو اپنے رب کے حکم سے اپنا پھل ہر وقت دیتا رہتا ہے اور اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے، تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔''

☆ اس منتر کے دوسرے مصرع میں کہا گیا ہے کہ تیری زبان اور دونوں ہونٹ قینچی کے دو پھلوں کی طرح چلتے ہیں، اس میں آپ کی زبان سے ادا ہونے والے کلام کی نوعیت بتائی گئی ہے، قینچی چلتی ہے تو کپڑے کو کاٹتی اور دوٹوک کرتی جاتی ہے، اس لئے مطلب یہ ہوا کہ آپ کا کلام دوٹوک ہوگا، اس میں کسی طرح کا التباس اور غموض نہ ہوگا، اور آپ کے منہ سے ادا ہونے والے کلام کی ٹھیک یہی نوعیت تھی، قرآن سراپا دوٹوک اور حق و باطل کے لئے فرقان ہے، اور قرآن کے علاوہ بھی جو کچھ آپ نے فرمایا وہ اسی طرح دوٹوک تھا، اور سپیدۂ صبح کی طرح پیش آیا۔

پانچواں منتر

''حمد کرنے والے اپنی حمدوں کے ساتھ یا نمازی اپنی نمازوں کے ساتھ طاقتور سانڈ کی طرح جنگ میں جاتے ہیں اور ان کی اولاد اپنے گھروں میں یوں مامون رہتی ہے جیسے گائیں اپنے ٹھکانوں میں۔''

اس منتر کے کئی نکات قابل ذکر ہیں، یعنی:

☆ اس رسول کو ماننے والے اور امتی ''حمادین'' حمد کرنے والے اور نمازی کہلائیں گے؛ کیوں کہ وہ حمد اور نماز کے پابند ہوں گے، اور معلوم ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی ''حمادین'' کہلاتے ہیں اور اس کا سبب جیسا کہ کعب احبار سے مروی ہے یہ ہے کہ یہ اچھے برے ہر حال

میں اور ہر مقام پر اللہ کی حمد کرتے ہیں۔(۱)

اور یہی امت نمازی بھی ہے کہ شہر اور دیہات سمندر اور خشکی ہر جگہ نماز کا اہتمام کرتی ہے۔

☆ اس منتر کا دوسرا نکتہ یہ ہے کہ یہ لوگ جنگ کے دوران بھی حمد اور نماز کا اہتمام کریں گے اور یہ ایسی خصوصیت ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے علاوہ کسی اور قوم میں نہیں پائی گئی، صرف یہی امت ہے جو کثرت سے اللہ کی حمد اور اس کا ذکر اور اس سے دعا وتضرع کرتی ہے اور جنگ کے دوران بھی نماز کا اہتمام کرتی ہے، جسے ''**صلاة الخوف**'' کہتے ہیں، اور یہی امت ہے کہ جنگ کے ایام میں بھی خواہ وہ جس قدر چور چور ہو رات کو اس کے پہلو بستر سے الگ رہتے ہیں، اور اپنے رب کے سامنے نماز اور دعاء ومناجات میں مشغول رہتی ہے، اور اس کا نقشہ وہی ہوتا ہے جسے ایک رومی فوجی نے بیان کیا تھا کہ ''یہ دن کے شہسوار اور رات کے راہب (عبادت گذار) ہیں''۔(۲)

اس منتر کا تیسرا نکتہ یہ ہے کہ اس رسول کے ماننے والے بزدل نہیں بلکہ بہادر اور جنگجو ہوں گے، کہیں سے خطرے کی آواز آئی تو ادھر کود پڑیں گے اور طاقتور سانڈ کی طرح انتہائی بہادری سے لڑیں گے (سانڈ ہندوؤں کے نزدیک انتہائی قوت وشجاعت کی علامت ہے)۔

اب دیکھو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب انسانی تاریخ کے سب سے بہادر لوگ تھے، دنیا کے نامور بہادروں نے ان سے کئی کئی گنا زیادہ فوج لے کر ان پر دھاوے بولے؛ لیکن منہ کی کھائی اور فتح وسربلندی مسلمانوں کو نصیب ہوئی۔

چوتھا نکتہ یہ ہے کہ جب یہ لوگ جنگ میں نکلیں گے تو ان کی اولاد اپنے گھروں میں اس طرح مطمئن ہوگی جیسے گائے اپنے ٹھکانوں میں۔

اور یہ بات ٹھیک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو حاصل تھی، دشمن سے جنگ کے لئے بیس سے زیادہ مرتبہ آپ اس طرح مدینہ خالی چھوڑ کر باہر تشریف لے گئے کہ مدینہ میں موجود

---

(۱) سنن دارمی، مقدمہ: ۹/۵، ۶

(۲) دیکھئے: تاریخ طبری: ۳/۶۰۲، مطبوعہ دار المعارف، مصر

بوڑھوں، بچوں، عورتوں اور معذوروں کا بچاؤ کرنے والا کوئی نہ تھا، جب کہ مدینہ چہار جانب سے دشمنوں سے گھرا ہوا تھا، اور خود مدینہ کے اندر منافقین کی شکل میں ان کا پانچواں کالم بھی موجود تھا اور ان حالات میں ان کے لئے مدینہ پر دھاوا بول دینے کا گولڈن چانس تھا؛ لیکن ان حالات میں ایک بار بھی کسی دشمن کو مدینہ کی طرف آنکھ اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی اور مسلمانوں کی عورتیں، بچے اور بوڑھے بالکل بے خوف وخطر رہے۔

چھٹا منتر

''اے احمد! اس کلامِ حکیم کو مضبوطی سے پکڑ کہ یہ گایوں اور مالوں کی اساس ہے اور اسے متقیوں تک پہنچا جیسے بہادر نشانے پر تیر مارتا ہے۔''

☆ اس منتر کا مخاطب **ریبھ** ہے، اور ہم پیچھے بتا چکے ہیں کہ یہ ''احمد'' کے ہم معنی ہے اور کلام حکیم جس کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم دیا گیا ہے، وہ قرآن مجید ہے جس کی تلاوت چڑیوں کے چہچہانے کی طرح کی جاتی ہے، اور دوٹوک کلام یہ ہے جس کے ساتھ زبان اور ہونٹ قینچی کی طرح حرکت کرتے ہیں، اس کو کلام حکیم اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ حکمت سے پر ہے، اور یہاں اس کو پکڑنے کا حکم جس انداز سے دیا گیا ہے وہ بعینہ انبیاء ورسل سے تخاطب کا انداز ہے، اللہ کا ارشاد ہے:

يَا يَحْيَى خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ (۱)

''اے یحییٰ کتاب کو مضبوطی سے پکڑ۔''

☆ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ ''یہ گایوں اور مالوں کی اساس ہے تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس کلام پر عمل کرنا اموال کی فراوانی اور برکت کا سبب ہے، جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ (۲)

---

(۱) مریم: ۱۲ (۲) ابراہیم: ۷

''اگر تم نے شکر کیا تو ہم تمہیں اور بڑھائیں گے اور اگر تم نے
ناشکری کی تو میرا عذاب بھی سخت ہے۔''

☆ اس منتر کے دوسرے مصرع میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس کلامِ حکیم کا نشانہ متقی لوگ ہیں، یہ کلام ان کے دلوں میں اس طرح بیٹھے گا جیسے تیر نشانے پر بیٹھتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: هُدًى لِلْمُتَّقِيْنَ۔ (۱)

ساتواں منتر

''وہ دنیا کا سردار جو دیوتا ہے، سب سے افضل انسان ہے سارے
لوگوں کا رہنما سب قوموں میں معروف ہے، اس کی اعلیٰ ترین
تعریف وثنا گاؤ۔''

یہ منتر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کئی صفات پر مشتمل ہے:

☆ آپ کو دنیا کا سردار کہا گیا، حدیث میں بھی آپ کو آدم علیہ السلام کی اولاد کا سردار بتایا گیا ہے؛ چنانچہ دنیا میں آپ کو سرداری کا جو مرتبہ حاصل ہوا وہ کسی اور کو نہ ملا اور آخرت میں بھی آدم اور سارے انبیاء آپ کے جھنڈے تلے ہوں گے۔

☆ آپ کو دیوتا اور سب سے افضل انسان کہا گیا اور واقعی آپ اتنے پاکیزہ خصال تھے کہ انسان ہوتے ہوئے دیوتا یعنی فرشتہ تھے۔

☆ آپ کو سارے لوگوں کا رہنما کہا گیا ہے، یہ بات بھی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاص ہے کہ آپ کو ساری دنیا کے لئے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے، جب کہ باقی انبیاء ورسل خاص اپنی قوم کے لئے بھیجے جاتے تھے۔

☆ آپ کو تمام قوموں میں معروف بتایا گیا ہے، اس کا ایک مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ آپ کے متعلق پیشینگوئی وبشارت ہر قوم میں موجود ہوگی، لہٰذا ہر قوم آپ کو جانتی ہوگی اور آپ

---

(۱) بقرہ: ۱

کی منتظر ہوگی، اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معاملہ ٹھیک ایسا ہی ہے، ہر قوم میں آپ کی آمد کی پیشینگوئی موجود تھی۔

☆ آخری بات یہ کہی گئی ہے کہ اس کی ''بہترین تعریف وثنا گاؤ'' یہ لفظاً تو حکم ہے؛ لیکن حقیقتاً خبر ہے، یعنی لوگ آپ کی بہترین تعریف وثنا کریں گے، اور واقعی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایسی مدح وثنا کی گئی ہے کہ کسی قوم نے خود اپنے انبیاء کی بھی ویسی مدح وثنا نہیں کی، پھر مدح وثنا کو گانے کا حکم ہے اور عجیب بات ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے جو درود اور سلام معروف ہیں، وہ شعر کی شکل میں ڈھل جاتے ہیں اور بہترین ترنم کے ساتھ پڑھے جاسکتے ہیں۔

آٹھواں منتر

''اس شہرت یافتہ شخص نے گھر کی تعمیر کے دوران حکومت یا عدالت
ہاتھ لیتے ہی ہر طرف امن وشانتی قائم کردی، یہ بات ہر شوہر اپنی
بیوی سے ذکر کررہا تھا۔''

یہاں سیاق سے واضح ہے کہ گھر سے مراد کوئی ایسا گھر ہے جو پوری قوم میں محترم ہو، اور جس کی تعمیر کے کسی مسئلہ پر جھگڑا کھڑا ہوا ہو، اور اس جھگڑے کا فیصلہ اسی **(نراشنس)** کے ذمہ کیا گیا ہو، اور اس نے ایسا فیصلہ کیا ہو جس سے ایک تو ہر طرف امن وسکون قائم ہوگیا ہو اور دوسرے گھر گھر اس کے فیصلے کی دھوم مچ گئی ہو۔

اب دیکھئے کہ دنیا کی تاریخ میں ایسا صرف ایک ہی واقعہ پیش آیا ہے، مکہ کا خانہ کعبہ پورے اہل مکہ، بلکہ پورے عرب میں محترم تھا، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے پینتیسویں سال اس کی پھر سے تعمیر کرنی پڑی، اس تعمیر میں سارے اہل مکہ شریک تھے، اس کا ایک پتھر جسے حجر اسود کہتے ہیں بڑا تاریخی اور متبرک پتھر مانا جاتا تھا، اسے اس کی جگہ رکھنے میں جھگڑا پڑ گیا، ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ اس کو یہ شرف حاصل ہو، جھگڑے نے طول پکڑا، کئی دن گذر گئے، قریب تھا کہ جنگ ہوجاتی، بالآخر طے ہوا کہ پہلا شخص جو مسجد میں داخل ہو، اسی سے فیصلہ کرایا جائے، اس کے بعد سب سے پہلے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داخل ہوئے، لوگوں نے دیکھتے ہی شور مچا دیا: یہ امین ہے۔

ہم اس سے راضی ہیں، یہ محمد ﷺ ہیں، آپ قریب آئے تو معاملہ پیش کیا گیا، آپ نے ایک چادر لی، بیچ میں پتھر رکھا اور ہر قبیلہ کے سردار سے کہا کہ چادر کا کنارہ پکڑ کر اٹھائیں، سب نے ایسا ہی کیا، جب پتھر اپنی جگہ کے برابر پہنچ گیا تو آپ نے اسے اس کی جگہ فٹ کر دیا، یہ فیصلہ اتنا عمدہ تھا کہ پوری قوم عش عش کر اٹھی اور گھر گھر دھوم مچ گئی۔

نواں منتر

''اس شہرت یافتہ شخص کی حکومت میں ایک بیوی اپنے شوہر سے پوچھتی ہے کہ میں آپ کے لئے کیا لاؤں؟ دہی، لسی یا کوئی اور نشاط انگیز مشروب؟''

یہ اشارہ ہے کہ اس شخص کی حکومت میں ضروریات زندگی کی کس طرح فراوانی ہوگی اور واقعی محمد ﷺ نے جو حکومت قائم کی اس کا یہی حال ہوا، کہاں تو آپ سے پہلے عرب کا یہ حال تھا کہ لوگ فقر وفاقے کے خوف سے اپنے بچوں تک کو مار ڈالتے تھے اور کہاں یہ حال ہوا کہ صدی بھی نہ گذرنے پائی اور آدمی سونے کی خیرات لے کر نکلتا تو اسے کوئی قبول کرنے والا نہ ملتا۔

محمد ﷺ کے علاوہ اور تو کسی پیغمبر نے حکومت قائم نہیں کی، اگر اور کسی کی امت نے حکومت قائم بھی کی تو اس فراوانی کو وہ کبھی نہ پہنچی۔

دسواں منتر

''ایک پکا ہوا جو گڑھے سے نکل کر آسمان تک جاتا ہے، اس شہرت یافتہ شخص کی حکومت میں انسان تقویٰ، اور خیر کے اندر ترقی کرتا ہے۔''

یہ مثال انجیل کی تمثیل کے عین مطابق ہے، مسیح علیہ السلام کا ارشاد ہے:

''آسمان کی بادشاہت ایسی ہی ہے کہ ایک انسان زمین میں بیج ڈال کر سو جاتا ہے اور رات دن دیکھ بھال کرتا ہے اور بیج ظاہر ہوتا

ہے اور بڑھتا ہے اور وہ نہیں جانتا کہ کیسے؟ کیوں کہ زمین خود پھل لاتی ہے، پہلے پتے، پھر بالی، پھر بالی میں بھرا ہوا گیہوں؛ لیکن جب پھل پک جاتا ہے تو اس وقت درانتی چلاتا ہے؛ کیوں کہ اس کے کاٹنے کا وقت آچکا ہے۔''

اور فرمایا کہ:

''آسمان کی بادشاہت کی مثال رائی کے دانہ کی مثال ہے جو سب سے چھوٹا بیج ہے؛ مگر جب بڑھتا ہے تو وہ تمام سبزیوں میں بڑھ جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ درخت بن جاتا ہے اور اس کی شاخوں پر پرندے اپنا گھر بناتے ہیں۔''(۱)

قرآن مجید نے بھی انجیل کی اس تمثیل کا حوالہ دیا، ارشاد ہے:

وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا۔ (۲)

''اور انجیل میں ان (صحابۂ کرامؓ) کی مثال ایک کھیتی کی سی ہے جس نے اپنی سوئی (انکھا) نکالی، پھر اس کو طاقت دی، اور وہ موٹی ہو کر اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی، کسانوں کو بھلی لگنے لگی تا کہ ان سے کفار کو جلائے، اللہ نے ان میں سے ایمان لانے والوں اور اچھے عمل کرنے والوں سے مغفرت اور بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے۔''

اس کے علاوہ خود قرآن نے بھی اسلام کی یہی مثال بیان کی ہے، اللہ کا یہ ارشاد گزر چکا ہے:

(۱) انجیل متی: ۱۳: ۳۱، ۳۲، لوقا ۱۳: ۱۹ (۲) الفتح: ۲۹

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ۝ تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ۔ (۱)

''تم دیکھتے نہیں کہ کس طرح اللہ نے کلمہ طیبہ کی مثال اس پاکیزہ درخت سے بیان کی ہے جس کی جڑ ثابت ہے اور جس کی شاخ آسمان میں ہے، وہ اپنے پھل ہر وقت پروردگار کے حکم سے دیتا رہتا ہے اور اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے، تا کہ وہ نصیحت پکڑیں۔''

غرض رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور دعوت کے لئے انجیل اور قرآن میں جو مثال بیان کی گئی ہے وہی مثال وید کے مذکورہ منتر میں بھی ہے۔

ایک نکتہ یہ بھی قابل غور ہے کہ پودے کو گڑھے سے نکلنے کی بات کہی گئی ہے؛ چنانچہ محمد ﷺ کی دعوت مکہ سے اٹھی، مکہ ناف زمین کہلاتا ہے اور پیٹ کے اندر ناف کی حیثیت ایک گڑھے جیسی ہوتی ہے، لہٰذا دونوں میں کیسی خوب مطابقت ہے۔

گیارہواں منتر

''اللہ نے احمد کو جگایا کہ اٹھ! اور یہاں وہاں لوگوں کے پاس جا اور میری بڑائی کر، یقیناً میں ہی غالب ہوں، میں تجھے ساری نعمتیں دوں گا۔''

اس منتر کی کئی باتیں قابل غور ہیں، مثلاً:

☆ اس میں اللہ کے مخاطب کو ''**کاروم**'' کہا گیا ہے اور اس کے بعینہ وہی معنی ہیں جو

(۱) ابراہیم: ۲۳، ۲۴

''احمد'' کے ہیں، یعنی اللہ کی بکثرت حمد وثنا کرنے والا، لہٰذا ''**کاروم**'' اور ''احمد'' دونوں مترادف ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ پہلا سنسکرت اور دوسرا عربی کا لفظ ہے، پس اس منتر کا تعلق محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، اس منتر کے پیچھے ٹھیک وہی نقشہ ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبری دیتے وقت پیش آیا، صحیح بخاری وغیرہ کتب حدیث میں ہے کہ آپ حراء سے اپنی خلوت کے ایام پورے کرکے گھر واپس آرہے تھے، راستہ میں پکارے گئے، آپ نے آگے دیکھا، پیچھے دیکھا، داہنے دیکھا، بائیں دیکھا کہیں کچھ نظر نہ آیا، پھر نگاہ اوپر اٹھائی، کیا دیکھتے ہیں کہ فرشتہ (جبرئیل) آسمان وزمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہے، اسے دیکھ کر سخت رعب طاری ہوا، گھر آئے، بیوی سے کہا پانی کے چھینٹے مارو، کمبل اوڑھا دو، انہوں نے ایسا ہی کیا، آپ لیٹ گئے اور اس کے بعد وحی آئی۔

يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ (۱)

''اور لوگوں کو ڈرا اور اپنے رب کی بڑائی کر۔''

منتر اور حدیث دونوں جگہ کسی سونے یا لیٹنے والے کو اٹھانے اور مخاطب کرنے کا انداز بالکل یکساں ہے، پھر منتر میں جو کچھ کہا گیا ہے اس موقع پر نازل ہونے والی آیات میں جو کچھ کہا گیا ہے، ان دونوں میں عجیب حد تک مطابقت اور یکسانیت ہے، ایک ہلکے سے تقابل سے اس کی وضاحت ہوتی ہے۔

ویدکا منتر:

۱۔ اللہ نے احمد کو جگایا۔

۲۔ اٹھ! اور یہاں وہاں لوگوں کے پاس جا۔

۳۔ اور میری بڑائی کر۔ (لہٰذا بت وغیرہ چھوڑ)

۴۔ میں تجھے ساری نعمتیں دوں گا۔ (لہٰذا قوم سے جزاء مت چاہ)

۵۔ یقیناً میں ہی غالب ہوں۔ (لہٰذا صبر کے ساتھ اپنے کام پر جمے رہو)

(۱) المدثر: ۱ تا ۳

قرآن کی آیت:

۱۔ اوکمبل اوڑھنے والے! (یہ سونے والے کو جگانے کی آواز ہے)

۲۔ اٹھ! اور ڈرا۔ (ڈرانے کا کام یہاں وہاں لوگوں کے پاس جا کر ہی ہوسکتا ہے)

۳۔ اور اپنے رب کی بڑائی کر، اپنے کپڑے پاک رکھ اور گندی چیز (یعنی بت وغیرہ) چھوڑ۔

۴۔ اور زیادہ چاہنے کے لئے احسان مت کر۔ (اس معنی میں یہ آیت بھی ہے کہ "تیرا رب تجھے اتنا دے گا کہ تو خوش ہو جائے گا")

۵۔ اور اپنے رب کے لئے صبر کر (کام پر جمے رہو)

بارہواں منتر

"یہاں اے گایو! یہاں اے گھوڑو! یہاں اے انسانو! ترقی کرو
اور بڑھو؛ کیوں کہ فقیروں کا سہارا اور ہزاروں کی خیرات کرنے والا
یہاں بیٹھا ہے۔"

یہ اسلامی حکومت کے دور میں ہمہ گیر ترقی کا بیان ہے، اور واقعۃً خلافت راشدہ کے عہد میں ہمہ جہت ترقی کا ایسا ہی ریلا تھا کہ پہلے جتنی ترقی بمشکل صدیوں میں ہوا کرتی تھی، اس عہد میں کہیں بڑھ کر آٹھ دس سال کے اندر ہونے لگی، اس منتر کے دوسرے حصہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزید اوصاف کا ذکر ہے: (۱) فقیروں کا سہارا۔ (۲) ہزاروں کو خیرات دینے والا، ابوطالب نے کیا خوب کہا ہے ۔

وأَبْيَضُ يُسْتَسْقَى الْغَمامُ بِوجْهِه
ثِمالُ اليَتامٰى عِصْمَةٌ لِلأَرامِلِ

"آپ خوبصورت ہیں، آپ کے چہرے سے بارش طلب کی جاتی
ہے، یتیموں کا سہارا اور بیواؤں کے محافظ ہیں۔"

نوٹ: ممکن ہے کہ اس منتر میں گائے سے نیک لوگ، گھوڑے سے بہادر لوگ اور

انسانوں سے عام لوگ مراد ہوں، اور مقصود یہ ہو کہ ہر اچھے قسم کے لوگ اپنے اپنے دائرہ میں خوب ترقی کریں گے، اور ان اوصاف وکمالات کے جو ہر کھلیں گے، اور یہ بات بھی محمد ﷺ کے عہد نبوت اور آپ کے خلفاء کے عہد خلافت میں ہوئی۔

تیرہواں منتر

''نہیں اے غالب رب! یہ گائیں ہلاک نہ ہوں، اور ان کا چرواہا
ہلاک نہ ہو، اور اے غالب رب! ان کا دشمن اور ڈاکو ان پر غلبہ نہ
پائے۔''

یہ **نراشنس** اور اس کی امت کے لئے دعا ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ اللہ ان کی حفاظت کرے گا، دشمن یعنی مشرک اور ڈاکو یعنی شیطان انہیں نابود نہ کرسکیں گے، اور واقعی آپ کا لایا ہوا دین اپنی اصلی شکل میں محفوظ ہے، جب کہ کوئی اور دین اپنی اصلی شکل میں محفوظ نہیں، اسی طرح آپ کی امت حق پر جمے ہوئے ایک گروہ کے ساتھ موجود ہے، جب کہ اسے مٹانے کے لئے کوئی حکمت اور تدبیر چھوڑی نہیں گئی، فالحمد للہ۔

چودہواں منتر

''ہم تعریفی کلمات اور نہایت عمدہ کلام سے بڑے ادب کے ساتھ
ایک بہادر کے گُن گاتے ہیں، تو خوشی سے ہمارے گیت قبول فرما؛
تاکہ ہم کبھی ہلاکت یا خسارے میں نہ رہیں۔''

یہ سارے منتروں کا حسن خاتمہ ہے، اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ آپ کو ماننے اور آپ کے گُن گانے میں کامیابی اور نجات ہے، بصورت دیگر ناکامی اور گھاٹا ہے، یہی بات قرآن نے بھی اس آیت میں فرمائی ہے:

وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ (۱)

---

(۱) آل عمران: ۸۵

''جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہے گا تو وہ اس سے ہر گز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت کے اندر گھاٹا اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔''

اب تک پچھلے صفحات میں وید سے جتنے منتر ذکر کئے جا چکے ہیں یہ کل چودہ منتر ہیں جو اَتھر وید کے بیسویں کانڈ کے ایک سو ستائیسویں سوکت میں آئے ہیں، اس سوکت کو کستاپ سوکت کہا جاتا ہے، ہندو اس کا بہت اہتمام کرتے ہیں، دھارمک اجتماعات اور تقریبات کے موقعوں پر سترہ (۱۷) سادھو باہم مل کر اسے دیر تک پڑھتے اور دہراتے رہتے ہیں، گویا انہیں حکم ہے کہ ان منتروں کو خوب اچھی طرح یاد رکھیں اور ان سے غافل نہ ہوں۔

کستاپ، پیٹ کے اندر موجود اندرونی غدود اور گٹھلیوں کو کہتے ہیں، لہذا منتروں کے اس مجموعہ کو اس نام سے موسوم کرنے کے معنی یہ ہیں کہ یہ پیٹ کے غدود کی طرح پوشیدہ اور اہم رازوں پر مشتمل ہے، یا یہ کہ ان میں ذکر کی ہوئی باتیں ایسے مقام پر ظاہر ہوں گی جسے باقی زمین سے وہی نسبت ہوگی جو پیٹ کو باقی جسم سے ہے، اور معلوم ہے کہ مکہ ناف زمین ہے، لہذا مقصود یہ ہوا کہ ان منتروں کے اسرار وہیں سے ظاہر ہوں گے، اب دیکھئے کہ مکہ سے کون سا راز ظاہر ہوا؟ یہی کہ ان منتروں میں ''**نراشنس**'' ''محمد'' ''**ریبھ**'' اور ''**کاروم**'' (احمد) کے نام سے جو شخص اپنی صفات وخصوصیات اور علامات کے ساتھ مذکور ہے وہی اللہ کی طرف سے نبوت وپیغمبری لے کر ظاہر ہوا۔

کستاپ کے ایک اور معنی بھی کئے جاتے ہیں ''گناہوں سے پاک، دکھوں کو دور کرنے والا'' یہ دونوں خصوصیات بھی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تھیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (۱)

---

(۱) الجمعة: ۲

''آپ لوگوں پر اللہ کی آیات تلاوت کرتے ہیں اور انہیں گناہوں سے پاک وصاف کرتے ہیں اور انہیں کتاب حکمت سکھاتے ہیں۔''

اور ارشاد ہے:

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (۱)

''آپ ان سے ان کا بوجھ اتارتے ہیں اور وہ پھندے چھڑاتے ہیں جو انہیں لگے ہوئے تھے۔''

یعنی رسوم ورواج کے بندھنوں کو چھڑا کر زندگی کا دکھ دور کرتے اور راحت پہنچاتے ہیں۔

یہاں تک سوکت اپنے معانی ومطالب کے ساتھ مکمل ہوگیا،لیکن اس کے علاوہ بھی مختلف ویدوں میں **نراشنس** کا ذکر کیا گیا ہے، جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پر صادق آتا ہے۔

ہندوؤں کی ویدوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوہ حسنہ

ہندو کتب میں ایک کلکی اوتار (رسول) کی آمد کی پیشینگوئی واشگاف الفاظ میں موجود ہے، یہ ہندوؤں کے نزدیک بڑی عظیم الشان پیشینگوئی ہے جو حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہے اور ہندو اس کلکی اوتار کی آمد کا اب بھی انتظار کر رہے ہیں؛ لیکن آیئے! دیکھتے ہیں اس انتظار کی حقیقت کیا ہے؟ یعنی اب یہ انتظار صحیح بھی ہے یا نہیں؟ کلکی اوتار کے متعلق اس پیشینگوئی کو سمجھنے کے لئے دنیا کے بارے میں ہندو خیالات کا سامنے رہنا ضروری ہے، لہٰذا چند سطریں اس بارے میں بھی درج کی جاتی ہیں، ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ اس دنیا کے چار دور ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

(۱) ست جگ۔ (سچائی کی دنیا یا سچائی کا دور) اس دور میں ہندو عقیدے کے مطابق کوئی غم اور رنج وملال نہ تھا۔

---

(۱) الاعراف: ۱۵۷

(۲) ترتیہ جگ۔ اس عہد میں حرص و بخل اور اخلاقی انحطاط نے دبے پاؤں لوگوں میں داخل ہونا شروع کر دیا تھا۔

(۳) دواپر جگ۔ اس عہد میں شر و فساد نے خاصی قوت اختیار کر لی تھی۔

(۴) کل جگ۔ کل بمعنی کالا اور سیاہ۔ یعنی اس عہد میں شر و فساد اور گمراہی کا وہ زور ہوگا کہ گویا ہر طرف اس کی سیاہی چھا جائے گی۔

ہندو کہتے ہیں کہ پہلے تین دور گذر چکے ہیں اور اب ہم چوتھے اور آخری کل جگ سے گذر رہے ہیں، یہ دور طوفان نوح سے شروع ہوا ہے اور قیامت پر منتہی ہوگا؛ چوں کہ مذکورہ بالا رسول اسی دور میں آئے گا اور اس دور کا سب سے بڑا اور آخری رسول ہوگا، اس لئے اسے کلکی اوتار کہا جاتا ہے، بعض ہندو کتابوں میں اس کی بھی صراحت ہے کہ تیئس بڑے بڑے رسول گذر چکے ہیں اور اب صرف یہی آخری رسول کلکی اوتار باقی رہ گیا ہے۔

کلکی اوتار نام رکھے جانے کی ایک وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ جس وقت یہ رسول آئے گا، ہر طرف گمراہی اور فساد کے غلبہ سے فضا اندھیری ہو چکی ہوگی، یہ رسول انسان کو ان تاریکیوں سے نکال کر اجالے میں لائے گا اور فضا میں اٹی ہوئی سیاہی (کالک) کو دھو کر انسانی معاشرہ کو پاک اور روشن کرے گا، اس مختصر سی توضیح کے بعد کلکی اوتار سے متعلق پیشینگوئی اور اس کی خصوصیات ذکر کی جا رہی ہیں۔

کلکی اوتار اور اس کی خصوصیات

پران یا پوران ہندو دھرم کی مشہور کتابیں ہیں، یہ کل اٹھارہ بتائی جاتی ہیں، ان میں سے ایک کتاب بھوشیہ پران ہے، بھوشیہ کے معنی پیشینگوئی کے ہیں؛ چوں کہ اس پران میں آئندہ پیش آنے والی باتوں کا ذکر ہے، اس لئے اس کا نام بھوشیہ پران ہے۔

کلکی اوتار کا نام

مذکورہ بھوشیہ پران کی ایک فصل پرتی سرگ ہے، اس فصل میں بتایا گیا ہے کہ جو رسول ''کل جگ'' میں پیدا ہوگا اس کا نام ''سروانما'' ہوگا۔

''انما'' اس شخص کو کہتے ہیں جس کی تعریف وثنا کی جائے، اور ''سرو'' کا معنی ہے دوسروں سے زیادہ یا سب سے زیادہ۔ لہذا ''سروانما'' کا معنی ہوا جس کی دوسرے سے زیادہ یا سب سے زیادہ تعریف کی جائے، اور معلوم ہوا کہ ٹھیک یہی معنی عربی زبان کے لفظ ''محمد'' (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ہے، دونوں میں اس کے سوا کوئی فرق نہیں کہ ایک سنسکرت ہے، دوسرا عربی۔

کلکی اوتار کے والد اور والدہ کا نام

کتاب کلکی پوران ادھیائے ر ۲، اشلوک ر ۱۱ میں ہے:

'सुमत्यां विष्णुयशसा गर्भमाधत्त वैष्णवम्' ।

-कल्कि पुराण, अध्याय २, श्लोक ११

یعنی ''کلکی اوتار ''سومتی'' سے پیدا ہوگا اور اس کے باپ کا نام ''ویشنوویش'' ہوگا۔''

''سومتی'' کا لفظی ترجمہ ''آمنہ'' ہے اور ''ویشنوویش'' کا عبداللہ، اور دنیا جانتی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد کا نام عبداللہ اور ماں کا نام آمنہ تھا۔

کلکی پوران ادھیائے ر ۲، اشلوک ر ۴ میں اور بھاگوت پوران، سرگ ر ۱۲، ادھیائے ر ۲، اشلوک ر ۱۸ میں بھی آپ کے والد کا نام ''ویشنوویش'' (یعنی عبداللہ) بتایا گیا ہے۔

جائے پیدائش اور خاندان

بھاگوت پران، اسکنڈ ر ۱۲، ادھیائے ر ۲، اشلوک ر ۱۸ اور کلکی پوران ادھیائے ر ۲، اشلوک ر ۴ بالترتیب یہ ہیں:

'शम्भलग्राममुख्यस्य ब्रा ह्मणस्य महात्मनः ।
भवने विष्णुयशसः कल्किः प्रादुर्भविष्यति ।। '

भागवत पु ० १२. २. १८

शम्भले विष्णुयशसो गृहे प्रादुर्भवाम्यहम्' ।

-कल्कि पुराण, अध्याय २, श्लोक ४

یعنی ''کلکی اوتار ''**شنبل** گرام'' میں ''ویشنوویش'' کے یہاں ان

کے برہمن مہنت (دینی پیشوا) کے گھر پیدا ہوگا۔''

اب ان اشلوکوں میں آئے ہوئے الفاظ پر غور کیجئے، ''**شنبل**'' کے معنی امن والا اور گرام کے معنی شہر اور گاؤں۔ پس ''**شنبل** گرام'' کا معنی ہوا امن والا شہر، اور پوری دنیا میں یہ نام اور یہ صفت صرف مکہ کی ہے، اسی لئے قرآن میں اس کو ''**البلد الامین**'' امن والا شہر کہا گیا ہے، اور ابراہیم علیہ السلام نے بھی جب اس کو اپنی ذریت سے آباد کیا تو یہی دعا کی کہ:

رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا الْبَلَدَ آمِنًا (۱)

(اے پروردگار! اسے امن والا شہر بنا)

چنانچہ یہ ایسا امن والا شہر ہوا کہ دورِ جاہلیت میں بھی جب ذرا ذرا سی بات پر لوگ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹ لیتے تھے، یہاں اگر کوئی اپنے باپ کے قاتل کو بھی پا جاتا تو اف تک نہ کہتا تھا (یعنی یہاں معافی اور رحم دلی کا جذبہ اس قدر بڑھ جاتا تھا)۔

''وِیشنو'' اصلاً اللہ کا نام ہے، جب ہندوؤں میں شرک آیا تو انہوں نے اسی نام کا ایک دیوتا مان لیا، ''ویش'' غلام اور بندے کو کہتے ہیں، لہٰذا ''ویشنو ویش'' کا معنی ہوا الٰہ کا بندہ، جسے عربی میں ''عبداللہ'' کہیں گے، یہی عبداللہ محمد کے والد کا نام تھا۔

''برہمن مہنت'' دینی پیشوا کو کہتے ہیں، مکہ کے دینی پیشوا پہلے ہاشم تھے، پھر مطلب، پھر ہاشم کے بیٹے عبدالمطلب، ان ہی عبدالمطلب کی دینی پیشوائی کے عہد میں ان کے گھرانے کے بیٹے عبداللہ سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے، پس کس قدر سچی تصویر ہے جو ان اشلوکوں میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماں باپ، خاندان، اور شہر کی کھینچی گئی ہے۔

تاریخ پیدائش

کلکی پوران ادھیائے ر ۲، اشلوک ر ۱۵ میں ہے:

द्वादश्यां शुक्लपक्षस्य माधवे माधवे मासि माधवम्: ।।
जातो दहशतु: पुत्र पितरौ हृष्टमानसौ ।। '

(۱) ابراہیم: ۳۵

कल्कि पुराण, द्वितीय अध्याय, १५ वां श्लोक ।

یعنی ''کلکی اوتار بیساکھ مہینے کی ۱۲؍تاریخ کو پیدا ہوگا۔'' (ساتویں صدی ہوگی)

بیساکھ ہندی کا مشہور مہینہ ہے، جو اب بھی ہندی کیلنڈروں میں اسی نام سے لکھا جاتا ہے، ہندی کیلنڈر کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ۱۲؍بیساکھ ۶۲۸ءبکرمی کو پیدا ہوئے، اس دن عربی کیلنڈر کے حساب سے ماہ ربیع الاول س ا، عام الفیل کا دوسرا دن دوشنبہ (سوموار) تھا، اور یہ دن ہندو کیلنڈر اور عقیدہ کے مطابق نہایت مقدس دن تھا۔

کلکی اوتار کا زمانہ

آگے اشلوکوں میں آرہا ہے کہ کلکی اوتار گھوڑے اور اونٹ کی سواری کرے گا اور اپنے ساتھ تلوار رکھے گا، جس سے دین کے دشمنوں کو تباہ کرے گا، اس کے معنی یہ ہیں کہ کلکی اوتار ایسے دور میں آئیں گے جب سواری کے لئے گھوڑے اور اونٹ اور جنگ کے لئے تلوار استعمال ہورہی ہوگی اور ظاہر ہے کہ یہ زمانہ کافی پہلے گذر چکا ہے، اب گھوڑے اور اونٹ کی بجائے کاروں اور ٹرینوں اور ہوائی جہازوں کی سواری کا دور ہے، اور تلوار کی جگہ توپ ٹینک اور گولے اور میزائل چل رہے ہیں، لہٰذا موجودہ اور آئندہ دور میں اس رسول کا انتظار فضول ہے، اسے تاریخ کے گذشتہ عہد میں تلاش کرنا چاہئے اور اس کے خصائص کی روشنی میں اس کی تعیین کرنی چاہئے، اور یہ نہ بھولنا چاہئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم گھوڑوں اور اونٹوں اور تلواروں کے عہد میں بھیجے گئے تھے۔

کلکی اوتار کے والد اور والدہ کی وفات

کلکی پوران اور بھاگوت پران اسکنڈ ۱۲؍میں مذکور ہے کہ:

''کلکی اوتار کے والد اس کی پیدائش سے پہلے انتقال کر جائیں گے اور والدہ اس کی پیدائش کے تھوڑے ہی عرصہ بعد انتقال کر جائیں گی۔''

یہ دونوں باتیں بھی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بالکل ٹھیک ٹھیک صادق آتی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش سے کچھ دن پہلے فوت ہو گئے اور والدہ آپ کی پیدائش کے چھ برس بعد وفات پا گئیں۔

شادی اور بیوی

مذکورہ دونوں کتابوں میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ:

> ''کلکی اوتار'' ''سالمل دیپ'' کی سیدہ سے شادی کرے گا اور شادی کا یہ کام اس کے ایک چچا اور تین بھائی انجام دیں گے۔''

قدیم ہندوؤں کے نزدیک ''سالمل دیپ'' جزیرۃ العرب اور سرزمین کنعان یعنی فلسطین کو کہتے ہیں؛ چوں کہ سرزمین کنعان میں کلکی اوتار کی گذشتہ اور آئندہ صفات سے متصف کوئی بھی انسان نہیں پایا گیا، اس لئے یہاں ''سالمل دیپ'' سے جزیرۂ عرب ہی مراد ہوگا، عرب کے سردار قریش تھے، اور سیدہ خدیجہ قریشی عورتوں کی سردار تھیں، لہٰذا یہی عرب کی سیدہ ہوئیں اور معلوم ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے شادی کی۔

پھر شادی کا یہ کام آپ کے چچا ابوطالب نے انجام دیا اور ان کے تین لڑکوں جعفر، طالب اور عقیل نے انتظامات کئے اور یہ تینوں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچیرے بھائی تھے۔

کلکی اوتار ایک پہاڑی غار میں جائے گا اور وہاں ایک فرشتے سے علم حاصل کرے گا

کلکی پوران یہ بھی بتلاتی ہے کہ:

> ''کلکی اوتار ایک پہاڑ کی گھپا (غار) میں جائے گا اور وہاں پرشورام سے علم حاصل کرے گا۔''

اور معلوم ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حراء نامی پہاڑ کے ایک گار میں جا کر عبادت میں مصروف رہا کرتے تھے، اور یہاں پر ایک رات اچانک حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ کی وحی لے کر

آئے کہ:

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ (۱)

(پڑھ! اپنے اس رب کے نام سے جس نے پیدا کیا)

تو یہ تھا آپ کا پہلی بار علم حاصل کرنا، اس کے بعد تحصیل علم کا یہ سلسلہ زندگی بھر قائم رہا۔

پرشورام ہندوؤں کے نزدیک ایک فرشتہ کا نام ہے، جس کا ایک خاص کام یہ ہے کہ وہ دین کے دشمن کفار وملحدین پر عذاب لاتا ہے اور یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہود ونصاریٰ اور مسلمانوں کی زبان میں بعینہ اس فرشتہ کو جبرئیل کہا جاتا ہے، جبرئیل علیہ السلام کا ایک نام روح القدس بھی ہے اور پرشورام کے سنسکرت لفظ کا بھی یہی معنی ہے۔

کلکی اوتار کی دعوت، ایذا رسانی، ہجرت، پھر واپسی اور اپنے شہر کی فتح

اس کے بعد کلکی پوران میں بتایا گیا ہے کہ:

> ''کلکی اوتار اپنے دین کی دعوت اپنے شہر **شنبل** گرام (شہر امن) میں شروع کرے گا، جو سالمل دیپ (جزیرۂ عرب) میں واقع ہے، مگر اس شہر کے لوگ اس کی مخالفت کریں گے اور اسے تکلیف پہنچائیں گے؛ چنانچہ وہ یہ شہر چھوڑ کر شمال کی طرف ایک دوسرے شہر کو جو چٹانوں اور پہاڑوں سے گھرا ہوگا ہجرت کر جائے گا، پھر ایک عرصہ کے بعد تلوار لئے ہوئے اپنے شہر کو واپس آئے گا اور اسے فتح کرے گا اور اس کے بعد سارا ملک فتح ہو جائے گا۔''

اب آپ دیکھئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس پیشینگوئی کی مطابقت سورج کی طرح روشن ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وحی آنے کے بعد اپنے شہر مکہ مکرمہ میں جو **شنبل** گرام **(البلد الامین)**

---

(۱) العلق: ۱

ہے اور سالمل دیپ (جزیرۃ العرب) میں واقع ہے، اپنی دعوت شروع کی، وہاں کے لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کی اور تکلیفیں پہنچائیں؛ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجبور ہو کر مدینہ منورہ ہجرت کی، مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ سے شمال کی طرف چار سو کلومیٹر سے زیادہ دوری پر واقع ہے، اور ہر طرف سے چٹانوں اور پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے، یہاں آتے ہی مکہ والوں نے لڑائیاں شروع کر دیں، نتیجہ یہ ہوا کہ ہجرت کے آٹھویں سال آپ نے تلوار اور لشکر لے کر مکہ کا قصد فرمایا اور اسے فتح کر کے وہاں اللہ کا حکم نافذ کر دیا، ادھر مکہ فتح ہونا تھا کہ عرب کے سارے علاقے فتح ہوتے چلے گئے، یعنی اس کے بعد تقریباً ایک سال میں پورا عرب زیرنگیں آ گیا۔

براق اور معراج

بھاگوت پوران اسکنڈ/ ۱۲، ادھیائے/ ۲، اشلوک/ ۱۹-۲۰ میں (جو آگے آ رہے ہیں) اور دوسرے اشلوکوں میں بھی بتایا گیا ہے کہ:

> ''کلکی اوتار کو ایک اڑنے والا گھوڑا دیا جائے گا جو بجلی سے بھی تیز ہوگا، اور یہ اس پر سوار ہو کر زمین کی اور ساتوں آسمانوں کی سیر کرے گا۔''

یہ اسراء اور معراج کے واقعہ کا بیان ہے، اس کے لئے آپ کو براق دیا گیا تھا، جو قد و قامت میں تو گھوڑے اور گدھے کے بیچ بیچ کا تھا، مگر رفتار میں بجلی سے بھی تیز تھا، اس کا قدم اس کی نگاہ کی انتہا پر پڑتا تھا، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر بیٹھ کر مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک سفر کیا، پھر بیت المقدس سے ساتوں آسمانوں کی سیر کی۔

کلکی اوتار تلوار اٹھائے گا، شیطانوں اور بے دینوں سے لڑائی کرے گا اور دین دشمنوں کے سر کچلے گا

بھاگوت پوران کے اسی مقام پر یہ بھی مذکور ہے کہ:

''کلکی اوتار دین دشمنوں سے تلوار کے ذریعہ جنگ کرے گا اور
بادشاہوں اور حکمرانوں کے بھیس میں چھپے ہوے کروڑوں
شریروں اور بدمعاشوں کو کچلے گا۔''

اب دیکھئے کہ ٹھیک ٹھیک یہی بات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہوئی، آپ نے دشمنان دین سے بذریعہ تلوار جنگ کی، انہیں معرکوں میں شکست دی، لڑائیوں میں ان پر غالب آئے، شریروں، کافروں، ملحدوں کو کچلا اور سرداروں، حکمرانوں اور بادشاہوں کو ماتحتوں سمیت حق قبول کرنے اور رب کے حکم کے تابع بنایا، یہ بات کسی اور نبی کو حاصل نہ ہوسکی۔

جنگ میں فرشتوں کے ذریعہ مدد

کلکی پوران ادھیائے ۲ ر اشلوک ۷ ر میں ہے:

यात यूयं भुवं देवाः स्वांशावतरणे रतः ।
-कल्लिा पुराण, अध्याय २. श्लोक ७।

یعنی'' جنگ کے اندر فرشتوں کے ذریعہ کلکی اوتار کی مدد کی جائے گی۔''

یہ بات بھی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے معروف ہے، اللہ نے جنگِ بدر میں فرشتوں کے ذریعہ آپؐ کی مدد فرمائی، بعض دیگر غزوات میں بھی فرشتوں کے ذریعہ آپ کی مدد کی گئی۔

چار خلفاء سے تائید

کلکی پوران، ادھیائے ر ۲، اشلوک ر ۵ میں ہے:

'चतुभिर्धाभिर्देव करिष्यामि कलिक्षयम् ।
-कल्कि पुराण, अध्याय २, शलोक ५ ।

یعنی'' کلکی اوتار اپنے چار مددگاروں کے ذریعہ شیطانوں کو کچلے گا۔''

واضح رہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت و جہاد کا جو کام بھی کیا اس میں آپ کے چار خلفاء آپ کے وزیر و مدگار رہے، یعنی ابوبکر و عمر اور عثمان و علی رضی اللہ عنہم، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفات پا گئے تو بالترتیب ان چاروں نے یکے بعد دیگرے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی؛ چنانچہ

شیطانوں کا خاتمہ کیا، دشمنان دین کو کچلا، اسلام اور مسلمانوں کا علم بلند کیا اور دور دور تک اسلام کا بول بالا کیا۔

دنیا کی سروری و سرداری

بھاگوت پوران، اسکنڈ ۱۲/ ادھیائے ۲/ اشلوک ۱۹/ (جو قریب ہی آرہا ہے) میں کلکی اوتار کو جگت پتی کہا گیا ہے، جس کا معنی ہے "دنیا کا سردار" اور دنیا کے سردار ہونے کا لازمی نتیجہ یہ بھی ہے کہ وہ ساری دنیا کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہو۔

اب محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھئے کہ آپ ساری دنیا کے سردار تھے، اسی لئے آپ کو آج تک سرورِ عالم کہا جاتا ہے، پھر آپ ساری دنیا کی طرف پیغمبر بھی بنا کر بھیجے گئے تھے؛ چنانچہ آپ نے کالے گورے سب کو دین اسلام کی دعوت دی اور کسی استثناء کے بغیر دنیا کی ہر قوم کے لوگوں نے آپ کی دعوت قبول کی اور آپ پر ایمان لائے، پھر آپ ہی کے دین اور دعوت اور وجود میں لائے ہوئے سماج کی بدولت لوگوں نے ان انسانی حقوق اور حریت و شرف کو جانا جن کا انہیں پہلے سے کوئی علم نہیں تھا۔

کلکی اوتار پر نبوت و رسالت کا خاتمہ

بھاگوت پوران پرتھم اسکنڈ ادھیائے ۳/ اشلوک ۲۵/ میں ہے کہ:

> "بڑے بڑے پیغمبر چوبیس ہیں، کلکی اوتار آخری پیغمبر ہوگا جو
> سارے پیغمبروں کا خاتمہ ہوگا۔"

معلوم ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علاوہ دنیا میں کوئی ایسا پیغمبر اور نبی نہیں آیا جس نے اپنے اوپر نبوت و رسالت کے خاتمہ کا دعویٰ کیا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد جس نے بھی نبوت و رسالت کا دعویٰ کیا، ثابت ہوا کہ وہ جھوٹا اور دجال تھا، لہٰذا تنہا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کی شخصیت ہے جو خاتم النبیین ہے۔

کلکی اوتار کا حسن و جمال

بھاگوت پوران اسکنڈ ۱۲/ ادھیائے ۲/ اشلوک ۲۰/ (جو قریب ہی آرہا ہے) میں

کلکی اوتار کے متعلق بتایا گیا ہے کہ:

''وہ ایسا خوبصورت ہوگا کہ اس کے حسن و جمال کی مثال نہ ہوگی۔''

اور محمد ﷺ ایسے ہی خوبصورت تھے کہ آپ کا چہرہ سب سے زیادہ حسین و جمیل اور جگمگاتا ہوا تھا، مختلف صحابہؓ سے احادیث میں آپ کے چہرے کا یہ وصف منقول ہے کہ آپ کا چہرہ مبارک گورا، پُرکشش، روشن رنگ اور سرخی آمیز تھا۔

کلکی اوتار کا جسم خوشبو دار

بھاگوت پوران اسکنڈر ۱۲، ادھیائے ۲، اشلوک ۲۱ میں ہے:

'अथ तेषां भविष्यन्ति मनांसि विशदानि वै ।
बासुदेवाङ्गरागातिपुण्यगन्धानिलस्पृशाम् ।'
-भगवदतपुराण, द्वादश स्कन्ध, द्वितीय अध्याय, २१वां श्लोक।

یعنی ''کلکی اوتار کے جسم سے نہایت عمدہ خوشبو پھوٹتی ہوگی، جو فضا کو معطر کرے گی، اور طبیعتوں میں انتہائی فرحت لائے گی۔''

اور صحیح احادیث میں وارد ہے کہ محمد ﷺ کے جسم اور پسینے سے نہایت عمدہ خوشبو پھوٹتی تھی۔

سیدنا انس بن مالکؓ کا بیان ہے کہ میں نے کوئی حریر و دیباج نہیں چھوا جو نبی ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو اور نہ کبھی کوئی عنبر یا مشک یا کوئی ایسی خوشبو سونگھی جو رسول اللہ ﷺ کی خوشبو سے بہتر ہو۔(۱)

ابو جحیفہؓ کہتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کا ہاتھ تھام کر اپنے چہرے پر رکھا تو وہ برف سے زیادہ ٹھنڈا اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔(۲)

---

(۱) صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۳۵۶۱، فتح الباری: ۲/ ۶۵۴، صحیح مسلم، فضائل، حدیث نمبر: ۸۱، ۴/ ۱۸۱۴

(۲) صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۳۵۵۳، فتح الباری: ۶/ ۶۵۳

کلکی اوتار صفات خیر کا جامع

بھاگوت پوران، اسکنڈر/ ۱۲، ادھیائے/ ۲، اشلوک/ ۱۹-۲۰ میں ہے:

अश्वमायुगमरहा देवदत्तं जगत्पतिः।
अ‍सिनासधुदमनमीश्वगुणान्वितः।
विचरवाना क्षोण्या हयेना प्रतिमद्युतिः।
लिङ्गच्छदो दस्यूकोटिशोनिहनिष्यति।।

-भागवतपुरारा १२-२-२६-२०

یعنی ''دنیا کا سردار جو آٹھ ربانی صفات سے متصف ہوگا، وہ ایک اڑنے والے تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہوگا، یہ گھوڑا اسے فرشتے دیں گے اور وہ تلوار سے بے دینوں اور ظالموں کو کچلے گا۔''

''اور جگمگاتے ہوئے جمال والا یہ شخص اس تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہوگا اور زمین کا چکر لگائے گا اور حکمرانوں کے بھیس میں چھپے ہوئے کروڑوں شیطانوں کو کچلے گا۔''

ان دو اشلوکوں سے واضح ہوتا ہے کہ کلکی اوتار کی حسب ذیل صفات ہوں گی:

☆ وہ دنیا کا سردار ہوگا۔

☆ تلوار رکھے گا، یعنی جنگ اور لڑائی کرے گا۔

☆ دین دشمن سرکش حکام و شیاطین کو کچلے گا۔

☆ اسے ایک خاص قسم کا گھوڑا دیا جائے گا۔

(ان چاروں خصوصیات پر پیچھے گفتگو ہو چکی ہے اور بتایا جا چکا ہے کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی میں پائی جاتی تھیں)

☆ اور وہ آٹھ مقدس ربانی صفات سے متصف ہوگا۔

آٹھ مقدس ربانی صفات کیا ہیں، ان کا بیان کتاب ''مہابھارت'' میں اس طرح آیا ہے:

अष्टौ गुणाः पुरुषं दीपयन्ति
प्रज्ञा च कोल्यं च दमः श्र तं च।
पराक्रमश्च बहुभाषिता च'
दानं यथाशक्ति कृतज्ञता च'।।

-महाभारत

اب ذیل میں ان صفات کی ترتیب اور مختصر سی توضیح دی جا رہی ہے:

۱-प्रज्ञा (پرگیا): یعنی غیبی باتوں کی اطلاع پانا اور ان کی خبر دینا۔

۲-कुलीनता (**کلینتا**): یعنی اونچے خاندان سے تعلق رکھنا اور عالی نسب ہونا۔

۳-इन्द्रिय-दमन (اندریہ دمن): یعنی اپنے نفس پر قابو اور غلبہ رکھنا۔

۴-श्रु तिज्ञान (**شرو تگیان**): یعنی وحی و نبوت پانا۔

۵-पराक्रम(پراکرم): یعنی طاقتور جسم کا ہونا۔

۶-बहुभाषिता(بھو بھاشتا): یعنی کم بولنا۔

۷-दान (دان): یعنی جود وسخاوت۔

۸-कृतज्ञता (**کرتگتا**): یعنی حکمت اور دور اندیشی۔

یہ ہیں ہندو عقیدے کے مطابق آٹھ ربانی صفات جو کلکی اوتار میں اکٹھا موجود ہوں گی۔

آیئے اب ذرا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات سے ان کا تقابل کرتے ہیں:

۱-غیب پر اطلاع پانا اور اس کی خبر دینا

قرآن اور احادیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غیب کی بہت سی باتیں بتائی تھیں، جن کی خبر آپ نے صحابہؓ اور امت کو دی، مثال کے طور پر آسمان و زمین، تاروں اور پہاڑ، درخت اور جانور، فرشتے اور روح، جن اور انسان، آدم اور بہت سے آدم زاد کی پیدائش، اللہ کے انعام اور گرفت کے واقعات مثلاً قوم نوح، عاد، ثمود، لوط، اصحاب ایکہ، اصحابِ مدین، آلِ فرعون وغیرہ کے واقعات کی خبریں۔

اسی طرح آئندہ پیش آنے والی خبریں جن میں کچھ آپ کی زندگی میں پیش آئیں، کچھ وفات کے بعد جلد ہی پیش آئیں، کچھ عرصہ دراز کے بعد پیش آئیں اور کچھ کا ابھی انتظار ہے، مثلاً فارس پر روم کا غلبہ، کفار و مشرکین پر مسلمانوں کا غلبہ، مما لک کی فتوحات یعنی یمن و شام، مصر و عراق وغیرہ پر مسلمانوں کا غلبہ، خوزو کرمان، حبشہ و رومان، بربر اور ترکوں سے لڑائی، خروج مہدی، خروج دجال، نزول عیسیٰ، قتل دجال، ظہور یاجوج و ماجوج اور قیامت کی چھوٹی بڑی نشانیاں وغیرہ، یہ اور اس جیسی بہت ساری باتیں اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتائیں اور آپ نے امت کو بتائیں۔

۲-عالی نسبی

اس بارے میں صرف اتنا بتا دینا کافی ہے کہ قریش عرب کا سب سے اونچا خاندان تھا اور بنو ہاشم اس خاندان کا سب سے معزز گھرانہ تھا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی گھرانے بنو ہاشم سے تعلق رکھتے تھے۔

۳-نفس پر غلبہ

اس کی علامت یہ ہے کہ آدمی منکرات وفواحش سے دور ہو، نفس اور مال کے معاملے میں پاکدامن ہو، دشمن پر قابو پا کر انتقام لینے کی بجائے معاف کر دے، اور شر و فساد پر آمادہ کرنے والے حالات اور ان پر قدرت کے باوجود مکارمِ اخلاق اختیار کرے، اس کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نظر ڈالئے۔ آپ اپنے نفس، اپنی ضرورت پر سب سے بڑھ کر کنٹرول رکھتے تھے، معاشرے میں ہر طرف بھڑکانے والی صورت موجود تھی، اور کہیں کوئی رکاوٹ نہ تھی؛ لیکن آپ کسی فحش کاری کے قریب نہ پھٹکے، آپ کو بہت زیادہ اور شدید اذیتیں دی گئیں اور پھر آپ کو انتقام پر مکمل قدرت بھی حاصل ہوئی، مگر آپ نے اپنے نفس کے لئے کسی سے کوئی انتقام نہ لیا۔ فرمایا کہ:

''پہلوان وہ نہیں ہے جو دوسروں کو پچھاڑ دے، پہلوان وہ ہے جو

غصہ کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے۔''(۱)

اور فرمایا کہ:

''جو شخص مجھے اپنے دونوں جبڑوں اور دونوں رانوں کے درمیان کی (یعنی منہ اور شرمگاہ کی حفاظت کی) گارنٹی دے میں اسے جنت کی گارنٹی دیتا ہوں۔(۲)

۴- وحی و نبوت پانا

محمد رسول اللہ ﷺ کے متعلق اس بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں۔

۵- طاقتور جسم کا ہونا

محمد رسول اللہ ﷺ اس وصف میں بھی یکتا تھے، مکہ کا مشہور پہلوان رکانہ بن عبد یزید اپنے عہد کا یگانہ پہلوان تھا، اچھے اچھے اس کا مقابلہ نہ کر پاتے تھے، اس نے نبی ﷺ کو چیلنج کیا کہ مجھے پچھاڑ دیں تو مسلمان ہو جاؤں گا، آپ ﷺ نے اس کو ایک بار نہیں بلکہ تین تین بار پچھاڑ دیا؛ چنانچہ وہ مسلمان ہو گیا۔

۶- کم بولنا

محمد ﷺ بہت کم گو تھے، دیر تک خاموش رہتے، بلا ضرورت نہ بولتے،(۳) اور صحابہ کو بھی کم گوئی سکھاتے، فرماتے: آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ کم بولے۔(۴)

۷- جود و سخاوت اور صدقہ و خیرات

اس صفت میں بھی محمد ﷺ سارے انسانوں سے ممتاز تھے، آپ کی سخاوت اور دریا دلی کا یہ حال تھا کہ پوری انسانی تاریخ میں آپ کی مثال نہیں، جو آتا خرچ کر دیتے اور فرمایا کرتے کہ:

---

(۱) صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۶۴۷۴ (۲) صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۶۱۱۴

(۳) شفاء قاضی عیاض: ۱/۱۷۷ (۴) مسند احمد: ۱/۲۰۱

''اگر احد پہاڑ کے برابر بھی مجھے سونا مل جائے تو گوارا نہیں کہ تین راتیں گذر جائیں اور اس میں سے کچھ بھی میرے پاس بچا رہے، اگر بچے تو صرف وہ دینار جو قرض کی ادائیگی کے لئے ہو۔''(۱)

۸-حکمت اور دور اندیشی

اس کا واضح مفہوم ہے کہ جو قدم بھی اٹھایا جائے، انجام اور نتیجہ پر نظر رکھ کر اٹھایا جائے، اور یہ وصف محمد ﷺ کے تمام تصرفات میں واضح ہے، آپ کی زندگی خطرات سے پُر تھی، دعوت و جہاد، جنگ و صلح، عہد و میثاق، وفود کی روانگی اور آمد سب کچھ پہلو بہ پہلو جاری تھا، آپ مختلف شعبہ ہائے زندگی میں لوگوں سے انفرادی اور اجتماعی معاملات کر رہے تھے؛ لیکن کسی ایک معاملہ میں بھی آپ سے چوک نہیں ہوئی۔

کلکی اوتار کی خصوصیات کا خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ ہندو کتب میں کلکی اوتار کے لئے جن آٹھ ربانی صفات کا ذکر ہے وہ سب کی سب محمد ﷺ میں بڑے امتیاز کے ساتھ موجود تھیں اور ان کے علاوہ باقی جن صفات وخصوصیات کا ذکر ان کتابوں میں کلکی اوتار کے لئے ہے، وہ بھی سب کی سب محمد ﷺ میں پورے طور پر موجود تھیں، جب کہ یہ خصوصیات کسی دوسرے نبی اور رسول میں نہیں پائی گئیں، اس لئے یہ یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اس کلکی اوتار سے محمد ﷺ ہی مراد ہیں، آیئے ان خصوصیات کو ایک بار پھر دہرائے لیتے ہیں:

۱۔ اس (کلکی اوتار) کا نام ''سروانما'' ہوگا، سروانما کا معنی ہے ''محمد'' (ﷺ)۔

۲۔ اس کے والد کا نام ''ویشنو ویش'' ہوگا۔ اس کا معنی ہے ''عبد اللہ'' (اور یہی محمد ﷺ کے والد کا نام تھا)

۳۔ اس کی والدہ کا نام ''سومتی'' ہوگا، اس کا معنی ہے ''آمنہ'' (اور یہی محمد ﷺ کی

---

(۱) بخاری، حدیث نمبر: ۱۴۰۸، ۶۴۴۴، ۷۲۲۸ وغیرہ

والدہ کا نام تھا)

۴۔ وہ ''شنبل گرام'' میں پیدا ہوگا، اس کا معنی ہے ''**البلد الامین**'' ''امن والا شہر (اور یہ مکہ کا نام اور اس کا وصف ہے)

۵۔ یہ **شنبل** گرام ''سالمل دیپ'' میں ہے، سالمل دیپ جزیرۂ عرب کو کہتے ہیں۔

۶۔ وہ ان کے ''برہمن مہنت'' یعنی دینی پیشوا کے گھر پیدا ہوگا۔ (محمد ﷺ عبد المطلب کے گھر پیدا ہوئے جو مکہ کے دینی پیشوا تھے)۔

۷۔ وہ ساتویں صدی بکرمی میں ماہ بیساکھ کی ۱۲؍تاریخ کو پیدا ہوگا۔ (محمد ﷺ کی پیدائش اسی تاریخ اور مہینے میں ۶۲۸؍بکرمی میں ہوئی)۔

۸۔ اس کے والد اس کی پیدائش سے پہلے مرجائیں گے اور والدہ پیدائش کے کچھ عرصہ بعد (محمد ﷺ کے ساتھ ٹھیک یہی بات ہوئی، والد ان کی پیدائش سے پہلے فوت ہوگئے اور والدہ چھ سال بعد)۔

۹۔ وہ سالمل دیپ کی سیدہ سے شادی کرے گا۔ (محمد ﷺ کی بیوی سیدہ خدیجہ عرب عورتوں کی سیدہ (سردار) تھیں، رضی اللہ عنہا)۔

۱۰۔ وہ ایک پہاڑی میں جاکر پرشورام سے علم حاصل کرے گا۔ (محمد ﷺ حراء پہاڑ کے ایک غار میں رہ کر عبادت کیا کرتے تھے، وہیں جبرئیل علیہ السلام سے وحی پائی، جبرئیل کا نام ہندوؤں کے نزدیک پرشورام ہے)۔

۱۱۔ اس کی بعثت اس وقت ہوگی جب اونٹوں اور گھوڑوں کی سواری کا اور تلوار سے لڑائی کا زمانہ ہوگا۔ (محمد ﷺ ایسے ہی دور میں بھیجے گئے، اب یہ دور ختم ہوچکا ہے، اور کاروں، ٹرینوں، ہوائی جہازوں اور میزائلوں کا زمانہ چل رہا ہے۔)

۱۲۔ وہ اللہ کی طرف بلائے گا، اس پر اس کے شہر والے اسے ایذاء دیں گے، لہٰذا وہ اپنا شہر چھوڑ کر شمال کی طرف پہاڑوں اور چٹانوں سے گھرے ہوئے ایک دوسرے شہر کو ہجرت

کر جائے گا، پھر واپس آ کر اپنے شہر کو تلوار کے ذریعہ فتح کرے گا۔ (بعینہ یہی بات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ پیش آئی، آپ نے دعوت دی، آپ کو ایذاء پہنچائی گئی، آپ نے مدینہ ہجرت کی جو کہ شمال میں ہی ہے اور پہاڑوں اور چٹانوں سے گھرا ہوا ہے، پھر چند سال بعد واپس آ کر بزور تلوار مکہ فتح کر لیا)۔

۱۳۔ اسے ایک اڑتا ہوا گھوڑا دیا جائے گا، جس پر وہ زمین و آسمان کی سیر کرے گا۔ (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج کی رات براق دیا گیا جس پر آپ نے مکہ سے بیت المقدس اور وہاں سے آسمانوں کی سیر کی)۔

۱۴۔ وہ لڑائیاں لڑے گا اور تلوار سے جنگ کرے گا۔ (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لڑائیاں بھی لڑیں اور جنگ میں تلوار بھی استعمال کی)۔

۱۵۔ وہ شیطانوں سے لڑے گا، اور دین کے دشمنوں کو کچلے گا۔ (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی کیا)۔

۱۶۔ اللہ جنگ میں فرشتوں کے ذریعہ اس کی مدد کرے گا، اللہ تعالیٰ نے متعدد غزوات میں فرشتوں کے ذریعہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کی)۔

۱۷۔ اس کے چار خلفاء ہوں گے، جو دین پھیلانے اور دشمن کو کچلنے میں اس کی مدد کریں گے۔ (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چار خلیفہ ہوئے جنہوں نے یہ کام کیا)۔

۱۸۔ وہ سرورِ عالم (دنیا کا سردار) ہوگا۔ (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا اور آخرت دونوں جگہ سرورِ عالم ہیں)۔

۱۹۔ اس پر نبوت و رسالت ختم ہوگی۔ (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری رسول اور خاتم النبیین تھے)۔

۲۰۔ وہ سب سے خوبصورت ہوگا۔ (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے ہی تھے)۔

۲۱۔ اس کے جسم میں خوشبو ہوگی جو فضاء کو معطر کرے گی اور سونگھنے والے کو مسرور و سرشار کر دے گی۔ (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اور پسینے دونوں میں یہ خوشبو موجود تھی۔)

۲۲۔ وہ آٹھ مقدس ربانی صفات سے متصف ہوگا۔ (ان کی تفصیل اور مطابقت ابھی گذری ہے)۔

تو یہ ہیں کلکی اوتار جن کی بشارت ہندو کتابوں میں آئی ہے اور جو ان واضح اوصاف وخصائص کے ساتھ ان کتابوں میں مذکور ہیں، آپ انہیں پڑھئے، بار بار پڑھئے، غور سے پڑھئے اور سوچئے کہ کیا کلکی اوتار سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بجائے کوئی اور ہستی ہو سکتی ہے؟ اور کیا اب بھی ہندوؤں کے لئے اس کی آمد کے انتظار میں بیٹھے رہنے کی کوئی گنجائش ہے؟ پھر کیوں نہ آپ وہ حق بات قبول کریں جو اگر آپ ہندو ہیں تو آپ کے دھرم اور آپ کی کتابوں کے مطابق حق اور سچ ہے، کیا ضروری ہے کہ حق کا انکار کر کے دنیا کی چند روزہ زندگی سنوارنے کی کوشش کریں اور مرنے کے بعد مستقبل اور ہیشگی کا گھاٹا گلے لگ جائے۔

○○○

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکرِ خیر بائبل میں ☆

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے جو آسمانی کتابیں نازل ہوئیں ہیں، وہ ہیں: تورات وانجیل، تورات وانجیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں متعدد پیشین گوئیاں موجود ہیں، ان میں سے چند واضح پیشین گوئیاں یہاں نقل کی جارہی ہیں:

عہدِ عتیق

پیشین گوئی نمبر:۱

کتاب استثناء، باب:۱۸، آیت ۱۷ میں ہے:

''اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں، سوٹھیک کہتے ہیں، میں ان کے لئے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیرے مانند ایک نبی برپا کروں گا، اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا، اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا، اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے تو میں ان کا حساب اس سے لوں گا؛ لیکن جو نبی گستاخ بن کر کوئی ایسی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اس کو حکم نہیں دیا یا اور معبودوں کے نام سے کچھ کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے گا، اور اگر تو اپنے دل میں کہے کہ جو بات خداوند نے نہیں کہی ہے اسے ہم کیوں کر پہچانیں؟ تو پہچان یہ

☆ ملخص از: بائبل سے قرآن تک، ترجمہ اظہار الحق (مولانا رحمت اللہ کیرانوی ؒ)، سورۂ صف تفہیم القرآن (مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ؒ)

ہے کہ جب وہ نبی خداوند کے نام سے کچھ کہے، اور اس کے کہے کے
مطابق کچھ واقع یا پورا نہ ہو تو وہ بات خداوند کی کہی ہوئی نہیں، بلکہ اس
نبی نے وہ بات خود گستاخ بن کر کہی ہے، تو اس سے خوف نہ کرنا۔" (۱)

یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے کہلایا گیا، یہ واضح طور پر پیغمبر اسلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ہے اور اس کی دلیلیں یہ ہیں:

(۱) فرمایا گیا ہے: "ان ہی کے بھائیوں میں سے تیرے مانند ایک نبی بھیجوں گا" اس سے معلوم ہوا کہ جس نبی کی پیشین گوئی کی گئی ہے، وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں نہیں تھے، بعد میں آنے والے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد تین پیغمبروں کا ذکر آتا ہے، حضرت یوشع علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام، ان میں سے حضرت یوشع علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے، وہ بعد میں آنے والے نہیں تھے؛ اس لئے وہ اس پیشین گوئی کا مصداق نہیں ہو سکتے۔

(۲) "ان ہی کے بھائیوں میں سے"، یہاں "ان ہی" سے مراد بنی اسرائیل ہیں، جو حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد ہیں، لہٰذا بنی اسرائیل کے بھائی ہوئے بنو اسماعیل؛ کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام کے بھائی تھے، معلوم ہوا کہ آنے والے نبی بنی اسرائیل میں نہیں ہوں گے، بنی اسماعیل میں سے ہوں گے؛ چنانچہ بائبل میں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی اولاد کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

"وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بسا رہے گا۔" (۲)

اسی طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی کے حق میں کتاب پیدائش، باب/ ۲۵، آیت/ ۱۸ میں ترجمہ: مطبوعہ ۱۸۴۴ء کے مطابق اس طرح ہے:

"وہ اپنے سب بھائیوں کے آخر میں رہا"

پس بھائیوں سے مراد حضرت اسماعیلؑ کی اولاد ہیں، اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جس

---

(۱) آیات: ۱۷ تا ۲۲　　(۲) کتاب پیدائش: باب/ ۱۶، آیت/ ۱۲، عربی مطبوعہ

نبی کی پیشین گوئی کی گئی ہے، وہ نہ حضرت یوشع ہیں نہ حضرت عیسیٰ، اور نہ حضرت یحییٰ علیہم السلام یا دوسرے انبیاء بنی اسرائیل؛ کیونکہ یہ سب بنی اسرائیل میں سے تھے نہ کہ ان کے بھائی بنی اسماعیل میں سے، اور بنی اسماعیل میں سے صرف آپ ہی کی شخصیت ہے، جس نے نبوت کا دعویٰ کیا۔

(۳) تورات کی اس عبارت میں ایک لفظ آیا ہے: ''تیرے مانند'' یعنی جس نبی کو برپا کیا جائے گا، وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مانند ہوگا، اور بنی اسرائیل میں سے موسیٰ کے مانند کوئی نبی پیدا ہی نہیں ہوا؛ چنانچہ استثناء، باب: ۳۴ کی آیت / ۱۰ اس پر وضاحت کے ساتھ دلالت کر رہی ہے کہ:

''بنی اسرائیل میں کوئی نبی موسیٰ کی مانند جس سے خداوند نے روبرو باتیں کیں نہیں اٹھا۔''

اسی سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اس پیشین گوئی میں بنی اسرائیل کا کوئی نبی مراد نہیں تھا، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کئی جہتوں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مانند ہیں، مثلاً:

☆ دونوں کا ماں باپ کے واسطہ سے پیدا ہونا، بخلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے۔

☆ دونوں کا شادی شدہ اور صاحب اولاد ہونا، بخلاف حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کے۔

☆ دونوں کی شریعت میں جہاد کا حکم، جبکہ عیسائیوں کے دعویٰ کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جہاد کی تعلیم نہیں دی۔

☆ دونوں کی شریعت میں سیاست مدن یعنی سلطنت کے نظم ونسق کے احکام۔

☆ دونوں کا بستر پر وفات پانا، جبکہ حضرت یحییٰ علیہ السلام شہید کئے گئے اور عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھایا گیا۔

☆ امت کی وجہ سے ملعون نہ ہونا، جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے

میں عیسائیوں کا عقیدہ ہے۔

☆ دونوں کا قبر میں مدفون ہونا۔

☆ دونوں کی شریعت میں احکام میں مناسبت، جیسے: عبادت کے وقت پاک صاف ہونا، کپڑوں کا بول وبراز سے پاک ہونا، حائضہ اور نفاس والی عورت پر غسل کا واجب ہونا، اللہ کا نام لئے بغیر ذبح کئے ہوئے جانور اور بتوں پر ذبح کئے گئے جانوروں کا حرام ہونا، زنا، حدود اور قصاص کی سزاؤں میں یکسانیت، سود کو حرام قرار دینا وغیرہ۔

معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مانند ان کے بعد آنے والے انبیاء میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی شخصیت ہے۔

(۴) اس پیشین گوئی میں یہ بھی ہے کہ اگر کوئی نبی خدا کے نام سے اپنی طرف سے کوئی بات کہے وہ قتل کر دیا جائے گا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اللہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے بہت سی باتیں فرمائیں، اگر آپ نبی برحق نہیں ہوتے تو تورات کے اس بیان کے مطابق آپ کا قتل ہو جاتا، قرآن میں بھی یہ بات فرمائی گئی ہے کہ اگر آپ کوئی بات اپنی طرف سے کہیں گے تو ہم آپ کی شہ رگ کاٹ دیں گے:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ، لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ، ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ (۱)

''اور اگر یہ رسول ہماری طرف بعض جھوٹی باتیں منسوب کرتے تو ہم ان سے قوت سلب کر کے ان کی رگِ قلب کاٹ ڈالتے۔''

(۵) اس آیت میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ جب وہ نبی خداوند کے نام سے کچھ کہے اور اس کے کہے کے مطابق کچھ واقع یا پورا نہ ہو تو وہ بات خداوند کی کہی ہوئی نہیں؛ بلکہ اس نبی نے وہ بات خود گستاخ بن کر کہی ہے تو اس سے خوف نہ کرنا۔

---

(۱) الحاقۃ: ۴۴ تا ۴۶

اس میں نبیٔ صادق کی علامت یہ بتائی گئی ہے کہ نبی جو پیشین گوئی کرے گا، وہ پوری ہوگی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت سی پیشین گوئیاں سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں، جو حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئیں، جیسے: مکہ سے ہجرت کرتے وقت یہ پیشین گوئی کہ مسلمان مکہ میں پھر واپس آئیں گے، غزوۂ بدر کے بارے میں پیشین گوئی کہ اس میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوگی، غزوۂ احد کے بارے میں پیشین گوئی کہ اس میں مسلمانوں کو نقصان پہنچے گا، روم وفارس کے بارے میں پیشین گوئی کہ دوبارہ رومیوں کو فتح ہوگی، اسی طرح بیت المقدس اور قسطنطنیہ کے مسلمانوں کے ہاتھوں فتح کئے جانے کی پیشین گوئی وغیرہ، یہ ساری پیشین گوئیاں ان اوقات میں کی گئیں، جب یہ بات ظاہری حالات کے بالکل برعکس تھی۔

پیشین گوئی نمبر: ۲

کتاب استثناء، باب: ۳۲، آیت ۲۱ میں ہے:

> ''انہوں نے اس چیز کے باعث جو خدا نہیں، مجھے غیرت اور اپنی باطل باتوں سے مجھے غصہ دلایا، سو میں بھی ان کے ذریعہ سے جو کوئی امت نہیں، ان کو غیرت اور ایک نادان قوم کے ذریعہ سے ان کو غصہ دلاؤں گا۔'' (۱)

تورات کی اس آیت میں بنی اسرائیل کو یہ بات کہی گئی ہے کہ ان کو ایک ایسی قوم کے ذریعہ غصہ دلایا جائے گا، جو ایک تو کوئی امت نہیں ہوں گے، امت بنتی ہے نبی کی نسبت سے، تو مطلب یہ ہوا کہ کسی نبی کی تعلیمات ان میں موجود نہیں ہوں گی، دوسرے: وہ نادان قوم ہوگی، نادان سے مراد ہے جاہل؛ چنانچہ بائبل کے عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۹ء میں ''جاہل'' ہی کا لفظ استعمال ہوا ہے، جاہل کو عرب ''اُمّی'' کہا کرتے تھے، اب غور کیجئے تو اس میں صاف اشارہ ہے عرب جاہلیت کی طرف؛ کیوں کہ کسی نبی کی تعلیم ان کے پاس موجود نہیں تھی، اور وہ عام طور

(۱) کتاب استثناء: باب: ۳۲، آیت ۲۱

پر پڑھنے لکھنے سے نابلد تھے، نیز اس میں کسی نبی کا آنا بنی اسرائیل کے لئے غصہ کا باعث تھا؛ کیوں کہ وہ کہتے تھے کہ حضرت ہاجرہ باندی تھیں، انہیں سے حضرت اسماعیل پیدا ہوئے، اور عرب حضرت اسماعیل کی نسل سے تھے؛ اس لئے وہ ان کو حقیر سمجھتے تھے، اور جب کوئی قوم حقیر سمجھی جاتی ہے اور اس کو عزت وغلبہ حاصل ہو تو اس سے غصہ آتا ہے؛ چنانچہ یہودیوں کے ایمان نہ لانے کا اصل سبب یہی تھا کہ وہ بنی اسماعیل کو حقیر سمجھتے تھے اور اس کا مستحق نہیں سمجھتے تھے کہ ان میں اللہ کا نبی اور وہ بھی آخری نبی بنایا جائے، اس سے بھی صاف طور پر رسول اللہ ﷺ کی بشارت معلوم ہوتی ہے۔

پیشین گوئی نمبر: ۳

کتاب استثناء کے ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۴۴ء کے باب ر ۳۳ میں ہے:

''خداوند سینا سے آیا، اور شعیر سے ان پر آشکارا ہوا، وہ کوہِ فاران سے جلوہ گر ہوا، اور ہزاروں قدسیوں میں سے آیا، اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لئے آتشی شریعت تھی۔''

خداوند کے سینا سے آنے کا مطلب ہے، خدا کا موسیٰ کو توراۃ عطا فرمانا؛ کیونکہ کوہِ طور کو کوہِ سینا بھی کہتے ہیں، اس لئے کہ یہ پہاڑ صحرائے سینا ہی میں واقع ہے، اور کوہِ شعیر سے طلوع ہونے کا مطلب خدا کا عیسیٰ کو انجیل عطا فرمانا ہے، جس پر حضرت عیسیٰ عبادت کیا کرتے تھے، یہ شام میں واقع ہے اور آج کل اس کو ''جبل الخلیل'' کہا جاتا ہے، کوہِ فاران سے جلوہ گر ہونے سے اللہ کے قرآن نازل کرنے کی طرف اشارہ ہے؛ اس لئے کہ فاران مکہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے، جیسا کہ کتاب پیدائش، باب: ۲۱، آیت ر ۲۰ سے معلوم ہوتا ہے، اس میں حضرت اسماعیلؑ کا حال بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

''اور خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا، اور وہ بڑا ہوا، اور بیابان میں رہنے لگا، اور تیر انداز بنا، اور وہ فاران کے بیابان میں رہتا تھا، اور اس کی ماں نے ملکِ مصر سے اس کے لئے بیوی لی۔''

یہ حضرت اسماعیل اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کا ذکر ہے، پس یہ پیغمبرِ اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے سلسلہ میں بہت ہی واضح اشارہ ہے۔

پیشین گوئی نمبر: ۴

کتاب پیدائش، باب: ۱۷، آیت ۲۰:

اس آیت میں اللہ نے ابراہیم علیہ السلام سے اسماعیل علیہ السلام کے حق میں جو وعدہ فرمایا، اس کی عبارت ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۴۴ء میں یوں ہے:

''اور اسماعیل کے حق میں بھی میں نے تیری دعا سنی، دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اسے برومند کردوں گا، اور اسے بہت بڑھاؤں گا، اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے، اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا۔''

اس میں ایک ''بڑی قوم'' کا لفظ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب اشارہ کررہا ہے، اس لئے کہ اسماعیلؑ کی اولاد میں کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا موجود نہیں ہے کہ جو بڑی قوم والا ہو، ٹھیک اسی طرح حق تعالیٰ نے ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی دعا کو نقل فرمایا ہے، جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے دونوں باپ بیٹوں نے اللہ سے مانگی تھی، اور وہ یہ ہے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (۱)

''اے ہمارے پروردگار! ان میں ایک پیغمبر انہیں میں سے بھیجئے، جو ان کے سامنے تیری آیتیں تلاوت کرے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور انہیں پاک وصاف کردے، بلاشبہ آپ عزت وحکمت والے ہیں۔''

(۱) البقرة: ۱۲۹

عزت وحکمت والے ہیں۔''

پیشین گوئی نمبر:۵

کتاب یسعیاہ باب: ۴۲، آیت ۹ میں ہے:

''دیکھو پرانی باتیں پوری ہوگئیں اور میں نئی بتاتا ہوں، اس سے پیشتر کہ واقع ہوں میں تم سے بیان کرتا ہوں:

اے سمندر پر گذرنے والو! اور اس میں بسنے والو! اے جزیروں اور ان کے باشندو! خداوند کے لئے نیا گیت گاؤ، زمین پر سرتا سر اسی کی ستائش کرو، بیابان اور اس کی بستیاں، قیدار کے آباد گاؤں اپنی آواز بلند کریں، سلع کے بسنے والے گیت گائیں، پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں، وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں، اور جزیروں میں اس کی ثناء خوانی کریں، خداوند بہادر کی مانند نکلے گا، وہ جنگی مرد کی مانند اپنی غیرت دکھائے گا، وہ نعرہ مارے گا، ہاں وہ للکارے گا، وہ اپنے دشمنوں پر غالب آئے گا، میں بہت مدت سے چپ رہا، میں خاموش ہورہا اور ضبط کرتا رہا، پر اب میں دردِزہ والی کی طرح چلاؤں گا، میں ہانپوں گا اور زور زور سے سانس لوں گا، میں پہاڑوں اور ٹیلوں کو ویران کرڈالوں گا، اور ان کے سبزہ زاروں کو خشک کروں گا، اور ان کی ندیوں کو جزیرے بناؤں گا، اور تالابوں کو سکھادوں گا اور اندھوں کو اس راہ سے جسے وہ نہیں جانتے لے جاؤں گا، میں ان کو ان راستوں پر جن سے وہ آگاہ نہیں لے چلوں گا، میں ان کے آگے تاریکی کو روشنی اور اونچی نیچی جگہوں کو ہموار کردوں گا، میں ان سے یہ سلوک کروں گا اور ان کو ترک نہ کروں

گا، جو کھودی ہوئی مورتوں پر بھروسہ کرتے اور ڈھائے ہوئے
بتوں سے کہتے ہیں تم ہمارے معبود ہو وہ پیچھے ہٹیں گے، اور بہت
شرمندہ ہوں گے۔'' (۱)

نئے گیت سے مراد عبادات کے وہ نئے طریقے ہیں، جو شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پائے جاتے ہیں، اور روئے زمین کے آخری حصہ کے باشندوں اور جزیروں، شہروں اور خشکی کے تمام علاقوں کے لئے ان کے عام ہونے سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے عام ہونے کی جانب اشارہ پایا جاتا ہے، بالخصوص لفظ ''قیدار'' اس کی طرف قوی اشارہ ہے؛ اس لئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیدار بن اسماعیل کی اولاد میں سے ہیں، اسی طرح ''پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں'' کے الفاظ اس خاص عبادت کی طرف اشارہ ہے جو حج کے زمانہ میں ادا کی جاتی ہے، جس میں لاکھوں انسان ''لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ'' کی صدا لگاتے ہیں، اسی طرح ''جزیروں میں ان کی ثناءخوانی کریں'' کے الفاظ اذان کی طرف اشارہ کرتے ہیں؛ کیوں کہ لاکھوں کروڑوں انسان دنیا کے مختلف حصوں میں پانچوں وقت بلند آواز سے اذان کہتے ہیں۔

اسی طرح ''خداوند بہادر مرد کی طرح نکلے گا، وہ جنگی مرد کی طرح اپنی غیرت دکھائے گا'' ان الفاظ سے جہاد کے مضمون کی جانب حسین اشارہ کیا گیا ہے، یعنی آپ کا اور آپ کے متبعین کا جہاد محض خدا کے لئے ہوگا، اور اسی کے حکم سے ہوگا، نفسانی خواہشات کی لذتوں سے خالی ہوگا؛ اس لئے اللہ نے اس نبی کے اور اس کے متبعین کے خروج کو اپنے خروج سے تعبیر فرمایا۔

اسی طرح آیت نمبر/ ۱۴ میں جہاد کی مشروعیت کی وجہ پر روشنی ڈالی اور آیت نمبر/ ۱۶ میں اہل عرب کی حالت کا نقشہ کھینچا کہ یہ لوگ احکام خداوندی سے قطعاً ناواقف تھے، بت پرستی اور گندی جاہلی رسموں میں مبتلا تھے، جیسا کہ قرآن کریم میں بھی حق تعالیٰ نے ان کے حق

---

(۱) آیات: ۹/ تا ۱۷

میں شہادت دی ہے کہ اگر چہ وہ اس سے پہلے بالکل ناواقف اور کھلی گمراہی میں تھے، ''میں ان کو ترک نہ کروں گا'' کے الفاظ سے اس امت محمدیہ پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے، اسی طرح آپ کی شریعت کے دائمی اور ابدی ہونے کی طرف بھی اشارہ ہے، پھر ''جو کھودی ہوئی مورتوں پر بھروسہ کرتے اور ڈھالے ہوئے بتوں سے کہتے ہیں تم ہمارے معبود ہو، وہ پیچھے ہٹیں گے اور بہت شرمندہ ہوں گے''، ان الفاظ میں خدا کی طرف سے وعدہ کیا جارہا ہے کہ بت پرست اور مورتیوں کے پجاری یعنی عرب کے مشرکین اور صلیب کی عبادت کرنے اور قدیسیوں کی تصویروں کی پوجا کرنے والوں کو بڑی ذلت ورسوائی نصیب ہوگی۔

اس پیشین گوئی میں قیدار اور سلع کا لفظ صاف طور پر اس بات کو واضح کرتا ہے کہ اس کا تعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت سے ہے؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عیسیٰؑ کے صاحبزادے قیدار کی نسل سے تھے اور سلع مدینہ کی پہاڑی کا نام ہے، جہاں آپ مقیم ہوئے۔

عہدِ جدید

پیشین گوئی نمبر:۶

انجیل متیؒ، باب:۲۱، آیت ر ۳۳ میں ہے:

> ''ایک اور تمثیل سنو! ایک گھر کا مالک تھا، جس نے تاکستان لگایا اور اس کی چاروں طرف احاطہ گھیرا اور اس میں حوض کھودا اور برج بنایا، اور اسے باغبانوں کو ٹھیکے پر دے کر دیس چلا گیا، اور جب پھل کا موسم قریب آیا تو اس نے اپنے نوکروں کو باغبانوں کے پاس اپنا پھل لینے کو بھیجا اور باغبانوں نے اس کے نوکروں کو پکڑ کر کسی کو پیٹا اور کسی کو قتل کیا، اور کسی کو سنگسار کیا، پھر اس نے اور نوکروں کو بھیجا، جو پہلوں سے زیادہ تھے، اور انہوں نے ان کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا، آخر اس نے اپنے بیٹے کو ان کے پاس یہ

کہہ کر بھیجا کہ وہ میرے بیٹے کا تو لحاظ کریں گے، جب باغبانوں نے بیٹے کو دیکھا تو آپس میں کہا، یہی وارث ہے، آؤ، اسے قتل کر کے اس کی میراث پر قبضہ کرلیں اور اسے پکڑ کر تاکستان سے باہر نکالا اور قتل کر دیا، پس جب تاکستان کا مالک آئے گا تو ان باغبانوں کے ساتھ کیا کرے گا؟ انہوں نے اس سے کہا ان بدکاروں کو بری طرح ہلاک کرے گا اور تاکستان کا ٹھیکہ دوسرے باغبانوں کو دے گا جو موسم پر اس کو پھل دیں، یسوع نے ان سے کہا: کیا تم نے کتاب مقدس میں کبھی نہیں پڑھا کہ:

جس پتھر کو معماروں نے رَد کیا،
وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا،
یہ خداوند کی طرف سے ہوا،
اور ہماری نظر میں عجیب ہے؟

اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائے گی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے، دے دی جائے گی، اور جو اس پتھر پر گرے گا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا؛ لیکن جس پر وہ گرے گا، اسے پیس ڈالے گا، اور جب سردار کاہنوں اور فریسیوں نے اس کی تمثیلیں سنیں تو سمجھ گئے کہ ہمارے حق میں کہتا ہے۔(۱)

اس تمثیل میں مالکِ مکان سے مراد اللہ تعالیٰ ہیں، اور باغ سے شریعت کی طرف اشارہ ہے، اور اس کا احاطہ گھیرنے اور اس میں شیرۂ انگور کے لئے حوض کھدوانے اور برج بنوانے سے محرمات اور مباحات اور اوامر و نواہی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، سرکش مالیوں سے مراد جیسا کہ کاہنوں کے سرداروں نے سمجھا، یہودی ہیں، اور بھیجے ہوئے نوکروں کا مصداق

(۱) آیات: ۲۱ تا ۴۵

انبیاء علیہم السلام ہیں، بیٹے سے مراد عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور انجیل میں اظہارِ محبت کے طور پر عیسیٰ علیہ السلام کے لئے اس لفظ کا استعمال کیا گیا ہے، اور ان کے نظریہ کے مطابق یہودیوں نے ان کو قتل بھی کیا، اور ''وہ پتھر جس کو معماروں نے رد کر دیا تھا''، یہ کنایہ ہے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے، اور وہ امت جو اس کے پھل لائے گی، اس کا اشارہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہے، اور یہی وہ پتھر ہے کہ جو اس پر گرا ریزہ ریزہ ہو گیا، اور جس شخص پر یہ پتھر گرا، وہ پس گیا۔

معماروں کے پتھر کو رد کرنے سے مراد یہ ہے کہ حضرت ہاجرہ کی نسل سے ہونے کی وجہ سے عربوں کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور کونے کا پتھر ہونے کا مطلب ہے اہمیت اور عظمت؛ کیوں کہ کونے میں لگائے گئے پتھر کی خاص اہمیت ہوتی ہے اور اس پر گرنے والے پتھر کے ریزہ ریزہ ہو جانے اور وہ جس پر گرے، اس کو پیس ڈالنے سے مراد اسلام کا غلبہ ہے؛ چنانچہ کفار مکہ ہوں یا یہود، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہی میں مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کی طاقت ٹوٹ گئی اور ایران کے آتش پرستوں یا شام و فلسطین کے عیسائیوں کو آپ کے بعد بہت قلیل عرصہ میں مسلمانوں کے ہاتھوں شکست فاش ہوئی۔

پیشین گوئی نمبر: ۷

انجیل یوحنا میں حضرت عیسیٰ کا ارشاد اس طرح نقل کیا گیا ہے:

> ''لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے؛ کیوں کہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ ''فارقلیط'' تمہارے پاس نہ آئے گا؛ لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا، اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے بارے میں قصور وار ٹھہرائے گا، گناہ کے بارے میں اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے، راست بازی کے بارے میں اس لئے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں، اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے، عدالت کے بارے میں اس لئے کہ دنیا کا سردار مجرم ٹھہرایا گیا ہے، مجھے تم سے اور بھی بہت

سی باتیں کہنا ہیں، مگر اب تم ان کو برداشت نہیں کر سکتے؛ لیکن جب
وہ یعنی سچائی کی روح آئے گی تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گی اور
تمہیں آئندہ کی خبریں دے گی، وہ جلال ظاہر کرے گی، اس لئے
کہ مجھ ہی سے حاصل کر کے تمہیں خبریں دے گی، جو کچھ باپ کا
ہے، وہ سب میرا ہے؛ اس لئے میں نے کہا کہ وہ مجھ ہی سے حاصل
کرتا ہے اور تمہیں خبریں دے گا۔'' (۱)

فارقلیط کا لفظ معرّب ہے، اصل میں حضرت عیسیٰ نے سریانی زبان میں لوگوں سے خطاب کیا تھا اور اس زمانہ میں فلسطین کے عام لوگ یہی زبان بولتے تھے؛ مگر انجیل کی تدوین یونانی زبان میں ہوئی؛ کیوں کہ یونانیوں نے بڑی تعداد میں عیسائیت کو قبول کرلیا تھا، یونانی زبان میں دو الفاظ تلفظ کے اعتبار سے قریب قریب ہیں، ایک لفظ: Periclytos ہے، جس کے معنی ہیں: ''تعریف کیا ہوا'' یہ لفظ بالکل ''محمد'' کا ہم معنی ہے، دوسرا لفظ: Paracletus ہے، جس کے معنی مددگار اور وکیل و کارساز کے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ لفظ Periclytos ہے، جو محمد کا بالکل ہم معنی ہے، یہ تو یونانی لفظ ہے؛ لیکن خوش قسمتی سے وہ اصل سریانی لفظ ابن ہشام کی سیرت میں موجود ہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی اسی کتاب سے معلوم ہوجاتا ہے کہ اس کا ہم معنی یونانی لفظ کیا ہے، محمد بن اسحاقؒ کے حوالہ سے ابن ہشامؒ نے یُحَنّس (یوحنا) کی انجیل کے باب: ۱۵، آیات ۲۳ تا ۲۷/ اور باب ۱۶/ آیت کا پورا ترجمہ نقل کیا ہے اور اس میں یونانی ''فارقلیط'' کے بجائے سریانی زبان کا لفظ ''مُنْحَمَنَّا'' استعمال کیا گیا ہے، پھر ابن اسحاق یا ابن ہشام نے اس کی تشریح یہ کی ہے کہ ''مُنْحَمَنَّا'' کے معنی سریانی میں محمد اور یونانی میں ''برقلیطُس'' ہیں۔ (۲)

نوٹ: اس بشارت کی تشریح میں مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی اظہار

(۱) باب: ۱۶، آیات ۷ تا ۱۶ (۲) ابن ہشام: جلد اول، ص: ۲۴۸

الحق کے علاوہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی تفہیم القرآن: ج ۵،
تفسیر سورۂ صف سے استفادہ کیا گیا ہے۔

پیشین گوئی نمبر: ۸

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک اہم حواری برناباس Barnabas تھے، انہوں نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات وارشادات کو جمع کیا تھا، یہ مجموعہ ''انجیل برناباس'' کہلاتا ہے؛ چوں کہ برناباس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا نہیں مانتے ہیں، خدا کا بندہ اور نبی مانتے ہیں، اس لئے عیسائیوں نے اس انجیل کو رد کردیا اور اسے ضائع کرنے کا حکم دے دیا، ۱۷۰۹ء میں اس کتاب کا اطالوی زبان میں ترجمہ دریافت ہوا، جو ابھی بھی آسٹریا میں محفوظ ہے، ہسپانوی زبان میں اس کا ایک اور ترجمہ اٹھارہویں صدی کے شروع میں ڈاکٹر ہامان کو ملا، اور پھر یہی نسخہ مشہور مستشرق اور قرآن مجید کے مترجم ''جارج سیل'' کے ہاتھ لگا، جس نے اپنے ترجمہ میں اس کے اقتباسات پیش کئے، عیسائیوں کا دعویٰ ہے کہ کسی مسلمان نے جو پہلے عیسائی رہا ہوگا اس نے اسے مرتب کیا ہے اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی شامل کردی ہے؛ لیکن یہ بات قطعاً غلط ہے، حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش سے بھی ۷۵ رسال پہلے پوپ گلاسیس اول (Gelasius) کے زمانہ میں بدعقیدہ اور گمراہ کن (Heretical) کتابوں کی جو فہرست مرتب کی گئی تھی اور ایک پاپائی فتویٰ کے ذریعہ سے جس کا پڑھنا ممنوع کردیا گیا تھا، ان میں انجیل برناباس بھی شامل تھی، سوال یہ ہے کہ اس وقت کون سا مسلمان تھا جس نے یہ جعلی انجیل تیار کی تھی؟

انجیل برناباس میں جگہ جگہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کی بہت ہی واضح پیشینگوئیاں کی گئی ہیں، ان میں سے چند عبارتیں پیش ہیں:

> ''تمام انبیاء جن کو خدا نے دنیا میں بھیجا، جن کی تعداد ایک لاکھ ۴۴ ر ہزار تھی، انہوں نے ابہام کے ساتھ بات کی؛ مگر میرے بعد تمام انبیاء اور مقدس ہستیوں کا نور آئے گا، جو انبیاء کی کہی ہوئی

باتوں کے اندھیرے پر روشنی ڈال دے گا؛ کیوں کہ وہ خدا کا رسول ہے۔''(۱)

''فریسیوں اور لاویوں نے کہا: اگر تو نہ مسیح ہے، نہ الیاس، نہ کوئی اور نبی، تو کیوں تو نئی تعلیم دیتا ہے اور اپنے آپ کو مسیح سے بھی زیادہ بنا کر پیش کرتا ہے؟ یسوع نے جواب دیا: جو معجزے خدا میرے ہاتھ سے دکھاتا ہے وہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ میں وہی کچھ کہتا ہوں جو خدا چاہتا ہے، ورنہ درحقیقت میں اپنے آپ کو اس مسیح سے بڑا شمار کئے جانے کے قابل نہیں قرار دیتا جس کا تم ذکر کر رہے ہو، میں تو اس خدا کے رسول کے موزے کے بند یا اس کی جوتی کے تسمے کھولنے کے لائق بھی نہیں ہوں، جس کو تم مسیح کہتے ہو، جو مجھ سے پہلے بنایا گیا تھا اور میرے بعد آئے گا اور صداقت کی باتیں لے کر آئے گا؛ تا کہ اس کے دین کی کوئی انتہا نہ ہو۔''(۲)

''بالیقین میں تم سے کہتا ہوں کہ ہر نبی جو آیا ہے، وہ صرف ایک قوم کے لئے خدا کی رحمت کا نشان بن کر پیدا ہوا ہے، اس وجہ سے ان انبیاء کی باتیں ان لوگوں کے سوا کہیں اور نہیں پھیلیں، جن کی طرف وہ بھیجے گئے تھے؛ مگر خدا کا رسول جب آئے گا، خدا گویا اس کو اپنے ہاتھ کی مہر دے دے گا، یہاں تک کہ وہ دنیا کی تمام قوموں کو جو اس کی تعلیم پائیں گی، نجات اور رحمت پہنچا دے گا، وہ بے خدا لوگوں پر اقتدار لے کر آئے گا اور بت پرستی کا ایسا قلع قمع کرے گا کہ شیطان پریشان ہوجائے گا، اس کے آگے شاگردوں کے ساتھ

(۱) باب: ۱۷ (۲) باب: ۴۲

ایک طویل مکالمہ میں حضرت عیسیٰ تصریح کرتے ہیں کہ ”وہ بنی اسماعیل میں سے ہوگا۔“(۱)

”اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کا رسول وہ رونق ہے، جس سے خدا کی پیدا کی ہوئی قریب قریب تمام چیزوں کو خوشی نصیب ہوگی؛ کیوں کہ وہ فہم اور نصیحت، حکمت اور طاقت، خشیت اور محبت، حزم اور ورع کی روح سے آراستہ ہے، وہ فیاضی اور رحمت، عدل اور تقوی، شرافت اور صبر کی روح سے مزین ہے، جو اس نے خدا سے ان تمام چیزوں کی بہ نسبت تین گنی پائی ہیں، جنہیں خدا نے اپنی مخلوق میں سے یہ روح بخشی ہے، کیسا مبارک وقت ہوگا جب وہ دنیا میں آئے گا، یقین جانو، میں نے اس کو دیکھا ہے اور اس کی تعظیم کی ہے، جس طرح ہر نبی نے اس کو دیکھا ہے، اس کی روح کو دیکھنے ہی سے خدا نے ان کو نبوت دی، اور جب میں نے اس کو دیکھا تو میری روح سکینت سے بھر گئی، یہ کہتے ہوئے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! خدا تمہارے ساتھ ہو، اور وہ مجھے تمہاری جوتی کے تسمے باندھنے کے قابل بنادے؛ کیوں کہ یہ مرتبہ بھی پالوں تو میں ایک بڑا نبی اور خدا کی ایک مقدس ہستی ہوجاؤں گا۔“(۲)

”(میرے جانے سے) تمہارا دل پریشان نہ ہو، نہ تم خوف کرو؛ کیوں کہ میں نے تم کو پیدا نہیں کیا ہے؛ بلکہ خدا ہمارا خالق، جس نے تمہیں پیدا کیا ہے وہ تمہاری حفاظت کرے گا، رہا میں تو اس وقت میں دنیا میں اس رسول خدا کے لئے راستہ تیار کرنے آیا ہوں

(۱) باب: ۴۳ (۲) باب: ۴۴

جو دنیا کے لئے نجات لے کر آئے گا،۔۔۔ اندر یاس نے کہا: استاد ہمیں اس کی نشانی بتادے؛ تا کہ ہم اسے پہچان لیں، یسوع نے جواب دیا: وہ تمہارے زمانہ میں نہیں آئے گا، بلکہ تمہارے کچھ سال بعد آئے گا، جب کہ میری انجیل مسخ ہوچکی ہوگی کہ مشکل سے کوئی ۳۰؍آدمی مومن باقی رہ جائیں گے، اس وقت اللہ دنیا پر رحم فرمائے گا اور اپنے رسول کو بھیجے گا، جس کے سر پر سفید بادل کا سایہ ہوگا، جس سے وہ خدا کا برگزیدہ جانا جائے گا اور اس کے ذریعہ سے خدا کی معرفت دنیا کو حاصل ہوگی، وہ بے خدا لوگوں کے خلاف بڑی طاقت کے ساتھ آئے گا اور زمین پر بت پرستی کو مٹادے گا اور مجھے اس کی بڑی خوشی ہے؛ کیوں کہ اس کے ذریعہ سے ہمارا خدا پہچانا جائے گا اور اس کی تقدیس ہوگی، اور میری صداقت دنیا کو معلوم ہوگی اور وہ ان لوگوں سے انتقام لے گا، جو مجھے انسان سے بڑھ کر کچھ قرار دیں گے۔۔۔ وہ ایک ایسی صداقت کے ساتھ آئے گا جو تمام انبیاء کی لائی ہوئی صداقت سے زیادہ واضح ہوگی۔'' (۱)

''خدا کا عہد یروشلم میں، معبد سلیمان کے اندر کیا گیا تھا نہ کہ کہیں اور، مگر مری بات کا یقین کرو کہ ایک وقت آئے گا جب خدا اپنی رحمت ایک اور شہر میں نازل فرمائے گا، پھر ہر جگہ اس کی صحیح عبادت ہوسکے گی، اور اللہ اپنی رحمت سے ہر جگہ سچی نماز کو قبول فرمائے گا۔۔۔ میں دراصل اسرائیل کے گھرانے کی طرف نجات کا نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں؛ مگر میرے بعد مسیح آئے گا، خدا کا بھیجا ہوا، تمام

(۱) باب: ۷۲

دنیا کی طرف، جس کے لئے خدا نے یہ ساری دنیا بنائی ہے، اس وقت ساری دنیا میں اللہ کی عبادت ہوگی، اور اس کی رحمت نازل ہوگی۔'' (۱)

''(یسوع نے سردار کاہن سے کہا): زندہ خدا کی قسم! جس کے حضور میری جان حاضر ہے، میں وہ مسیح نہیں ہوں جس کی آمد کا تمام دنیا کی قومیں انتظار کررہی ہیں، جس کا وعدہ خدا نے ہمارے باپ ابراہیمؑ سے یہ کہہ کر کیا تھا کہ تیری نسل کے وسیلہ سے زمین کی سب قومیں برکت پائیں گی؛ مگر جب خدا مجھے دنیا سے لے جائے گا تو شیطان پھر یہ بغاوت برپا کرے گا کہ ناپرہیزگار لوگ مجھے خدا اور خدا کا بیٹا مانیں، اس کی وجہ سے میری باتوں اور میری تعلیمات کو مسخ کردیا جائے گا؛ یہاں تک کہ بمشکل ۳۰/صاحب ایمان باقی رہ جائیں گے، اس وقت خدا دنیا پر رحم فرمائے گا اور اپنا رسول بھیجے گا، جس کے لئے اس نے دنیا کی یہ ساری چیزیں بنائی ہیں، جو قوت کے ساتھ جنوب سے آئے گا اور بتوں کو بت پرستوں کے ساتھ برباد کردے گا، جو شیطان سے وہ اقتدار چھین لے گا، جو اس نے انسانوں پر حاصل کرلیا ہے، وہ خدا کی رحمت ان لوگوں کی نجات کے لئے اپنے ساتھ لائے گا، جو اس پر ایمان لائیں گے اور مبارک ہے وہ جو اس کی باتوں کو مانے۔'' (۲)

''سردار کاہن نے پوچھا کہ خدا کے اس رسول کے بعد دوسرے نبی بھی آئیں گے؟ یسوع نے جواب دیا: اس کے بعد خدا کے بھیجے

(۱) باب: ۸۳ (۲) باب: ۹۶

ہوئے سچے نبی نہیں آئیں گے؛ مگر بہت سے جھوٹے نبی آجائیں گے، جن کا مجھے بڑا غم ہے؛ کیوں کہ شیطان خدا کے عادلانہ فیصلے کی وجہ سے ان کو اٹھائے گا اور وہ میری انجیل کے پردے میں اپنے آپ کو چھپائیں گے۔''(۱)

''سردار کاہن نے پوچھا کہ وہ مسیح کس نام سے پکارا جائے گا اور کون سی نشانیاں اس کی آمد کو ظاہر کریں گی؟ یسوع نے جواب دیا، اس مسیح کا نام ''قابلِ تعریف'' ہے؛ کیوں کہ خدا نے جب اس کی روح پیدا کی تھی، اس وقت اس کا یہ نام خود رکھا تھا اور وہاں اسے ایک ملکوتی شان میں رکھا گیا تھا، خدا نے کہا: ''اے محمدؐ! انتظار کر، کیوں کہ تیری ہی خاطر میں جنت، دنیا اور بہت سی مخلوق پیدا کروں گا اور اس کو تجھے تحفہ کے طور پر دوں گا، یہاں تک کہ جو تیری تبریک کرے گا، اسے برکت دی جائے گی، اور جو تجھ پر لعنت کرے گا، اس پر لعنت کی جائے گی، جب میں تجھے دنیا کی طرف بھیجوں گا تو میں تجھ کو اپنے پیغامبرِ نجات کی حیثیت سے بھیجوں گا، تیری بات سچی ہوگی؛ یہاں تک کہ زمین وآسمان ٹل جائیں گے، مگر تیرا دین نہیں ٹلے گا، سو اس کا مبارک نام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔''(۲)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے اور ایک بے وفا شاگرد ''یہوداہ اسکریوتی'' کے حضرت عیسیٰ کی صورت اختیار کرنے اور عیسیٰ سمجھ کر مارے جانے کا ذکر اس طرح وارد ہوا ہے:

''اس کے بعد مجھے یقین ہے کہ جو مجھے بیچے گا، وہی میرے نام سے مارا جائے گا؛ کیوں کہ خدا مجھے زمین سے اوپر اٹھالے گا اور اس

---

(۱) باب: ۹۷ (۲) باب: ۹۷

غدار کی صورت ایسی بدل دے گا کہ ہر شخص یہ سمجھے گا کہ وہ میں ہی ہوں، تاہم جب وہ ایک بری موت مرے گا تو ایک مدت تک میری ہی تذلیل ہوتی رہے گی، مگر جب محمد ﷺ خدا کا مقدس رسول آئے گا تو میری وہ بدنامی دور کردی جائے گی اور خدا یہ اس لئے کرے گا کہ میں نے اس مسیح کی صداقت کا اقرار کیا ہے، وہ مجھے اس کا یہ انعام دے گا کہ لوگ یہ جان لیں گے کہ میں زندہ ہوں اور اس ذلت کی موت سے میرا کوئی واسطہ نہیں ہے۔'' (۱)

(نوٹ: یہ بحث مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی تفہیم القرآن، ج:۵ سے ماخوذ ہے۔)

○○○

---

(۱) باب: ۱۱۳

غیر مسلم مفکرین اور اصحابِ دانش کا اعتراف ☆

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت کی عظمت کا ایک پہلو یہ ہے کہ غیر مسلم مفکرین اور مصنفین نے بھی آپ کے مقام ومرتبہ کا اعتراف کیا ہے، ان حقیقت شناسوں کی فہرست تو بہت طویل ہے؛ لیکن ان میں سے چند حضرات کے اقوال ذکر کرنا مناسب ہوگا، اس سلسلہ میں سب سے پہلے ہم ہندوستان کے چند اصحابِ فکر کا ذکر کریں گے، پھر اردو کے چند غیر مسلم شعراء کے منظوم خراجِ عقیدت کی جھلکیاں سامنے رکھیں گے، اور اخیر میں مغربی مفکرین کے اقتباسات پیش کئے جائیں گے، ان کی اہمیت اس لئے ہے کہ یہ مذہبی خوش اعتقادی نہیں ہے، نہ لکھنے والوں اور کہنے والوں نے کسی کی دباؤ کے تحت لکھا ہے؛ بلکہ یہ حقیقت کا اعتراف ہے، مجھے یقین ہے کہ آج بھی جو غیر مسلم بھائی غیر جانبداری کے ساتھ اور تلاش حق کے جذبہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کریں گے، وہ بھی یقیناً آپ کی عظمت کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہیں گے۔

ہندوستان کی چند اہم شخصیتیں

گاندھی جی جنوبی افریقہ کے پس منظر میں لکھتے ہیں:

''یہ کہا جاتا ہے کہ اہل یوروپ جنوبی افریقہ میں اسلام کے فروغ سے خائف ہیں، اسلام جس نے اسپین کو تہذیب سے آشنا کیا، اسلام جو مشعل ہدایت لے کر مراقش پہنچا اور جس نے دنیا کو اخوت ومحبت کا پیغام دیا، جنوبی افریقہ کے یورپین اسلام سے غالباً اس وجہ

☆ مختلف مضامین سے ماخوذ (مرتب)

سے خوفزدہ ہیں کہ اس کے پیروکار سفید فام نسل کے لوگوں سے مساوات کا مطالبہ کریں گے، اگر ایسا ہے تو ان کا خوفزدہ ہونا بجا ہے، اگر اخوت ان کی نظر میں کوئی گناہ ہے اور رنگ دار نسلوں کو برابری کا درجہ دینے سے اگر وہ ڈرتے ہیں تو اسلام سے ان کا خائف ہونا حق بجانب ہے''۔(۱)

بابائے قوم جناب موہن داس کرم چند گاندھی پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''اسلام نے تمام دنیا سے خراج تحسین وصول کیا، جب مغرب پر تاریکی اور جہالت کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں، اس وقت مشرق سے ایک ستارہ نمودار ہوا، ایک روشن ستارہ؛ جس کی روشنی سے ظلمت کدے منور ہوگئے، اسلام دین باطل نہیں ہے، ہندوؤں کو اس کا مطالعہ کرنا چاہئے؛ تاکہ وہ بھی میری طرح اس کی تعظیم کرنا سیکھ جائیں، میں یقین سے کہتا ہوں کہ اسلام نے بزور شمشیر سرفرازی اور سربلندی حاصل نہیں کی؛ بلکہ اس کی بنیاد ہے: نبی کا خلوص، خودی پر آپ کا غلبہ، وعدوں کا پاس، غلام، دوست اور احباب سے یکساں محبت، آپ کی جراءت اور بے خوفی اللہ اور خود پر یقین جیسے اوصاف، لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا، اس کی فتوحات میں یہی اوصاف حمیدہ شامل ہیں، اور یہی وہ اوصاف ہیں جن کی مدد سے مسلمان تمام پابندوں اور رکاوٹوں کے باوجود پیش قدمی کرتے چلے گئے۔''

(۱) اسلام کے پیغمبر محمد، مؤلف: پروفیسر راما کرشنا راؤ، ترجمہ: شمیم احمد عثمانی، ص:۸

پروفیسر راما کرشنا راؤ مراٹھی (آرٹس کالج برائے خواتین میسور) کے شعبۂ فلسفہ میں استاد اور صدر شعبہ رہے ہیں، انہوں نے (Mohammad The Prophet of Islam) کے نام سے ایک کتابچہ تصنیف کیا ہے، جس کا دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے، مصنف نے اس کتاب میں بہت تفصیل کے ساتھ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خراج تحسین پیش کیا ہے:

''اگر عظمت کا راز کسی ایسی قوم کی تطہیر میں پوشیدہ ہے جو سرتا پا وحشت و بربریت کا شکار اور اخلاقی تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی ہو تو وہ شخصیت جس نے عربوں جیسی انتہائی پستیوں میں گری ہوئی قوم کو یکسر بدل کر رکھ دیا، اسے عظمت و شائستگی کے اعلی مقام پر پہنچایا اور علم و تہذیب کا مشعل بردار بنایا، ہر لحاظ سے عظیم قرار پاتی ہے، اگر کسی معاشرہ کے متصادم عناصر کے درمیان اخوت و محبت کا رشتہ استوار کرنا عظمت کی نشانی ہے تو یہ امتیاز پیغمبرِ صحرا کے حصہ میں آتا ہے، اگر توہمات کے شکار اور باطل رسومات میں گرفتار لوگوں کی اصلاح کا نام عظمت ہے تو پیغمبر اسلامؐ نے ہزار ہا انسانوں کو توہم پرستی اور بے بنیاد خوف سے نجات دلائی، اگر عظمت کا تصور اعلی اخلاق کا مظہر ہونے سے وابستہ ہے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے دوست اور دشمن 'امین' اور 'صادق' کہہ کر پکارتے تھے، اگر ایک فاتح کو عظیم انسان کہا جا سکتا ہے تو ہمارے سامنے ایک ایسی شخصیت آتی ہے جس نے اپنی زندگی کا آغاز ایک بے سہارا یتیم اور معمولی انسان کی حیثیت سے کیا اور بالآخر عرب و عجم کی تاجدار کہلائی، جس کا مقام قیصر و کسریٰ سے کسی طرح کم نہ تھا، اس نے ایک ایسی مملکت کی بنیاد ڈالی جو چودہ سو (اب پندرہ سو) سال سے اب تک چلی آ رہی ہے، اگر کسی رہ نما سے اس کے پیروکاروں کی عقیدتمندی عظمت کا پیمانہ

ہے تو دنیا کے گوشہ گوشہ میں بسنے والے کروڑوں انسانوں کی روحوں کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام ایک سحر انگیز کیفیت سے سرشار کئے ہوئے ہے۔

حالانکہ آپؐ نے ایتھنز، روم، فارس، ہند یا چین کی دانش گاہوں میں فلسفہ کی باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی تھی، پھر بھی آپؐ انسانیت کو لافانی اہمیت کی حامل عظیم ترین صداقتوں سے آگاہ کر سکتے تھے، اگرچہ آپ اُمّی تھے تاہم آپؐ کی تقریر اتنی شستہ ہوتی تھی کہ سننے والوں کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آجاتے تھے، یتیم اور دنیوی وسائل سے محروم ہونے کے باوجود آپؐ سب کی آنکھوں کا تارا تھے، آپؐ کسی ملٹری اکیڈمی کے تربیت یافتہ نہ تھے؛ لیکن آپؐ نے سخت مشکلات کے بالمقابل بڑی ذہانت سے اپنی فوجوں کو منظم کیا اور محض اخلاق وروحانی طاقت کے بل بوتے پر فتوحات حاصل کیں۔''(۱)

ہندوستان کی مشہور دانشور اور مجاہد آزادی محترمہ سروجنی نائیڈو آپؐ کی تعلیمات- جو اسلام کی شکل میں ہیں- کے بارے میں لکھتی ہیں:

''اسلام پہلا مذہب ہے جس نے نہ صرف جمہوریت کی تعلیم دی؛ بلکہ اس پر عمل کر کے دکھایا، جب مسجد کے مینار سے اذان کی آواز بلند ہوتی ہے اور نمازی مسجد میں جمع ہوتے ہیں تو دن میں پانچ مرتبہ اسلامی جمہوریت کا منظر نظر کے سامنے ہوتا ہے؛ کیونکہ اس وقت شاہ وگدا پہلو بہ پہلو سجدہ ریز ہوتے ہیں، اور اقرار کرتے ہیں کہ اللہ ہی سب سے بڑا ہے۔''

(۱) حوالۂ مذکور، ص:۱۹-۲۰

یہ عظیم ہندوستانی شاعرہ مزید لکھتی ہیں:

''میں اسلام کی اس ناقابل تقسیم وحدت سے بہت زیادہ متاثر ہوئی ہوں جو انسانوں کو غیر محسوس طور پر ایک دوسرے کا بھائی بنادیتی ہے، اگر آپ لندن میں مصر، الجیریا، ہندوستان یا ترکی کے رہنے والے مسلمانوں سے ملیں گے تو آپ محسوس کریں گے کہ ان کے نزدیک یہ چیز کوئی اہمیت نہیں رکھتی کہ ان میں سے کس کا تعلق مصر کی سرزمین سے ہے اور ہندوستان کس کا وطن ہے۔''(۱)

انٹرنیشنل سنٹر فار ریلیجیس اسٹڈیز دہلی کے ڈائریکٹر جناب این-کے سنگھ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کی سیرت پر ایک جامع کتاب (Prophet Mohammad and his Companions) میں لکھتے ہیں:

''انھوں نے تعصب سے خالی عدل کا تصور کا پیش کیا، جس کے نتیجہ میں ریاست کا حکمراں بھی عام شہری کے مانند تصور کیا جانے لگا، اس ریاست میں مذہبی رواداری کا یہ عالم تھا کہ مسلم حکومتوں کی غیر مسلم رعایا کو قانون سازی اور تہذیبی امور میں مکمل آزادی حاصل تھی۔''(۲)

منشی پریم چند (۱۸۸۵ء-۱۹۳۶ء) اردو اور ہندی کے مشہور ادیب ہیں، وہ اسلام میں عدل و مساوات کے تصور کو پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''عرفات کے پہاڑ پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے جس حیات بخش پیغام کی بارش ہوئی تھی، وہ ہمیشہ اسلامی زندگی کے لئے آبِ حیات کا کام کرتی رہے گی، اس پیغام کا جوہر کیا تھا؟ عدل وانصاف!

---

(۱) کتاب مذکور، ص: ۸ (۲) ص: ۲۱

اس کے ایک ایک لفظ سے صدائے عدل وانصاف گونج رہی ہے،
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اے مومنو! میری باتیں سنواور اسے سمجھو،
تمہیں معلوم ہو کہ سب ایمان والے آپس میں بھائی بھائی ہیں،
تمہاری ایک ہی برادری ہے، ایک بھائی کی چیز دوسرے بھائی پر کبھی
حلال نہیں ہوسکتی، جب تک کہ وہ خوشی کے ساتھ نہ دے دی جائے،
ناانصافی مت کرو، اس سے ہمیشہ بچتے رہو'۔ اس پیغام جاوداں میں
اسلام کی روح پوشیدہ ہے، اسلام کی بنیاد عدل پر مبنی ہے، وہاں
بادشاہ اور فقیر، امیر اور غریب کے لئے فقط ایک انصاف ہے، کسی
کے ساتھ رعایت نہیں، کسی کی طرف داری نہیں۔'' (۱)

اسی کتاب میں ایک اور موقع پر وہ لکھتے ہیں:

''ہم تو یہاں تک کہنے کو تیار ہیں کہ اسلام میں عوام الناس کے لئے
جتنی قوتِ کشش ہے، وہ کسی اور میں نہیں ہے، جب نماز پڑھتے
وقت ایک مہتر خود کو شہر کے بڑے سے بڑے رئیس کے ساتھ ایک
ہی صف میں کھڑا پاتا ہے تو کیا اس کے دل میں احساس فخر کی ترنگیں
نہ اُٹھنے لگتی ہوں گی؟ اس کے برعکس ہندو سماج نے جن لوگوں کو
پست بنادیا ہے، ان کو کنویں کی منڈیر پر بھی نہیں چڑھنے دیتے،
انھیں مندروں میں داخل نہیں ہونے دیتے، یہ اپنے سے ملانے کی
نہیں، اپنے سے الگ کرنے کی علامتیں ہیں۔ (۲)

جناب **راجندر نارائن لال** جنہوں نے کاشی ہندو یونیورسٹی بنارس سے ۱۹۴۰ء میں قدیم ہندوستانی تاریخ اور سنسکرت میں ماسٹرز کی ڈگری حاصل کی تھی، انہوں نے ہندی میں ایک کتاب ''اسلام-ایک خدائی نظام حیات'' تالیف کی تھی، وہ فتح مکہ کے موقع پر آپ

(۱) اسلامی تہذیب، ناشر: مدھر سندیش سنگم، ص: ۸-۷ (۲) حوالۂ سابق، ص: ۱۴

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے عام معافی کے اعلان پر لکھتے ہیں:

> ''اسلام لانے کے بعد جو کایا پلٹ ہوئی ، وہ گویا اس کی تاریخی حیاتِ نو ہے،سب سے بڑی حیرت کی بات یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت میں فتح مکہ کے وقت ایک شخص کی بھی جان نہیں گئی (سوائے تین سرکش لوگوں کے)اور پیغمبر اور ان کے پیروؤں نے اپنے اپنے دشمنوں کے مظالم کا بدلہ وانتقام لئے بغیر انھیں چھوڑ دیا، تاریخ میں جنگ کے بعد فاتحین کے ذریعہ مفتوحین کو اس طرح اجتماعی معافی دینے کی کوئی نظیر نہیں ملتی،اس کے برعکس دیگر دھارمک پرانوں کے قصوں میں اوتاروں اور دیوتاؤں کے ذریعہ سے مخالفین کے خوف ناک قتل عام کا تذکرہ مذکور ہے۔''(۱)

دلت طبقہ کے ایک بڑے لیڈر اور دانشور مہاتما جوتی با پھلے (۱۸۹۰ء-۱۸۲۷ء) پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بڑے معتقدین میں تھے،خود با پھلے کی اہمیت یہ ہے کہ ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر فکری اعتبار سے ان کو اپنا گرو مانتے ہیں، پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کی عقیدت بلکہ اسلام سے عقیدت کی جیتی جاگتی تصویر وہ طویل نظم (پواڑا) ہے، جو'مانو محمد' کے عنوان سے انھوں نے قلمبند کی ہے،اس نظم کے اشعار کے مفہوم کچھ یوں ہیں:

> ''(حضرت)محمدؐ صحیح معنوں میں ایک عظیم شخص تھے،سچائی کے لئے انھوں نے دنیاداری کو ٹھکرادیا۔انھوں نے پوری زندگی میں یہ تعلیم دی کہ جھوٹے مذہب کو ترک کردو۔وہ باعزم تھے، دنیاوالوں کے لئے انھوں نے قرآن لکھا (غیر مسلم قرآن کو حضورؐ کی تحریر سمجھتے ہیں۔مصنف)اونچ نیچ کو مٹایا اور جھوٹی شان کو ٹھکرایا۔اس وقت کسی نے بھی ان کا ساتھ نہیں دیا،اس وقت بھی وہ سچائی کے لئے

---

(۱) کتاب مذکور،ص:۳۱-۳۲

جدو جہد کرتے رہے۔ مالک وغلام، اونچ نیچ کی تفریق کے خلاف آواز اٹھائی۔ حتی المقدور غریبوں کو خیرات دی۔ انھوں نے مورتی پوجنے والوں کی مخالفت کی۔ ایشور کا صحیح تصور دیا۔ عوام کو تعلیم دی کہ ایشور (خدا) ایک ہے۔ تمام انسانوں میں بھائی چارہ پیدا کرنے کے لئے کوشاں رہے۔ اس دور کے دھرم گرو نے ان کی مخالفت کی، جس کی وجہ سے انھیں سخت تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے باوجود یہ کامیاب رہے۔ بعد میں بہت ساروں نے اسلام قبول کیا۔ اسلام کے پیرو جب بھارت دیش میں آئے تو مسلمانوں نے محسوس کیا کہ یہاں شودروں اور برہمنوں کے سماجی درجات میں بہت فرق ہے۔ اس لئے انھوں نے شودروں کو اسلام کی دکشا دی اور برہمنوں کو شکست دی اور شودروں کو برہمنوں کی غلامی سے آزاد کیا اور انھیں اپنا ہم نوالہ بنایا۔ مساوی حقوق دیئے۔ اپنے ساتھ مسجدوں میں لے گئے۔ بھائی چارگی پیدا کی۔ یہاں کے کشتریوں کو شکست دیکر اپنی حکومت قائم کی۔ بھارت کے شودروں کو مسلمانوں سے فائدہ ہوا۔ آریہ لوگوں کو شرم محسوس ہوئی۔ اس لئے آریہ آج بھی مسلمانوں پر الزام لگاتے ہیں۔ صوفیوں نے یہاں کے کشتریوں کو بھی متاثر کیا، اس لئے ان کے دلوں میں بھی اسلام کی عظمت بیٹھ گئی۔ برہمنزم کے مقابل میں اسلام مساوات کا علمبر دار ہے۔ اس لئے یہاں کا نچلا طبقہ مسلمان ہوا۔ برہمنی دھرم کے خلاف ایک چیلنج کے طور پر کھڑا ہوا۔ اس لئے آریاؤں کے دلوں میں آج بھی غصہ ہے۔ آج بھی یہ آریہ ہندو مذہب کی تعریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مغل ظالم تھے۔ پھر پُھلے سوال کرتے ہیں کہ شودروں کو

کس نے آزاد کیا۔ اس ملک میں انارکی پھیلا کر شودروں کو غلام کا درجہ کس نے دیا؟''(۱)

کانپور کے ایک برہمن خاندان میں پیدا ہونے والی شخصیت سوامی لکشمی شنکر آچاریہ (۱۹۵۳ء) ہیں، انہوں نے اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ سے متاثر ہو کر ''اسلامک آتنک واد کا اتہاس'' نامی کتاب لکھی، جس کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہوا، پھر ان کو کچھ مسلمان دوستوں نے توجہ دلائی کہ انہوں نے یہ کتاب سنی سنائی باتوں کی بنیاد پر لکھی ہے، انصاف کی بات یہ ہوگی کہ آپ براہ راست قرآن مجید اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کریں پھر کوئی رائے قائم کریں؛ چنانچہ انہوں نے انصاف سے کام لیتے ہوئے اس مشورہ پر عمل کیا اور پھر تو ان کی رائے ایسی تبدیل ہوئی کہ اس کتاب کی تلافی کے طور پر انہوں نے ''اسلام۔ آتنک واد یا آدرش'' نامی کتاب لکھی، جس کا اردو ترجمہ ''اسلام۔ دہشت گردی یا ایک مثالی دین'' کے نام سے شائع ہوا، جس میں وہ غزوات نبوی کے بارے میں تحریر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرتِ پاک کا مطالعہ کرنے کے بعد میں نے پایا کہ پیغمبر محمد نے توحید کی سچائی کو قائم کرنے کے لئے انتہائی مصائب جھیلے، مکہ کے کافر دینِ حق کی راہ میں روڑے ڈالنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اور آپ کی پیش کردہ سچائی کی راہ پر چلنے والے مسلمانوں کو مسلسل تیرہ سالوں تک ہر طرح سے ظلم وتشدد کا نشانہ بناتے رہے اور ذلیل کرتے رہے، اس ظلم عظیم کے بعد بھی محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صبر کا دامن تھامے رکھا، یہاں تک کہ ان کو اپنا وطن چھوڑ کر مدینہ جانا پڑا؛ لیکن مکہ کے مشرک قریش نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اور مسلمانوں کا پیچھا یہاں بھی نہیں چھوڑا، جب پانی سر سے اونچا ہوگیا تو اپنی اور مسلمانوں کی اور سب سے بڑھ کر حق کی حفاظت

---

(۱) مہاتما جوتی با پھلے، حیات اور کارنامے، از: سید شاہ غازی الدین ایڈوکیٹ، ص: ۸۳۔۸۲

کے لئے مجبور ہو کر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لڑنا پڑا، اس طرح محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور مسلمانوں پر لڑائی تھوپی گئی، ان ہی حالات میں حق کی حفاظت کے لئے جہاد (یعنی دفاع نفس اور دین کی حفاظت کے لئے مقدس جنگ) کی آیتیں اور باطل پرست ظالم کافروں ومشرکوں کو سزا دینے والی آیتیں اللہ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آسمان سے نازل ہوئیں، پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ سے لڑی گئی جنگیں پیش قدمی کے طور پر نہ ہو کر ظالمانہ حملوں اور دہشت گردی سے بچاؤ کے لئے دفاعی جنگیں ہیں؛ کیونکہ ظالموں کے ساتھ ایسا سلوک کئے بغیر امن کا قیام نہیں ہوسکتا۔" (۱)

شعراء کا خراجِ عقیدت ☆

جہاں ہندوستان کے غیر مسلم مفکرین نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام ومرتبہ کا اعتراف کیا ہے، وہیں غیر مسلم شعراء نے بھی آپؐ کی شان والا صفات میں شعروسخن کی زبان میں نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے؛ چنانچہ چند شعراء کے اشعار نقل کئے جاتے ہیں:

- جناب پنڈت بال مکند عرش ملسیانی (ولادت: ۱۹۰۸ء، وفات: ۱۹۷۹ء)

حاصل جلوۂ ازل، پیکر نور ذات تو   شانِ پیمبری سے ہے سرورِ کائنات تو

- پرفیسر تلوک چند محرومؔ (ولادت: ۱۸۸۷ء، وفات: ۱۹۶٦ء)

مبارک پیش رو، جس کی ہے شفقت دوست ودشمن پر   مبارک پیش رو، جس کا ہے سینہ صاف کینے سے

- کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ (ولادت: ۱۹۰۹ء)

تکمیل معرفت ہے محبت رسولؐ کی   ہے بندگی خدا کی، اطاعت رسولؐ کی
عشق ہو جائے کسی سے کوئی چارہ تو نہیں   کچھ مسلماں کا محمدؐ پہ اجارہ تو نہیں

(۱) کتاب مذکور، ص: ۲۵

☆ ڈاکٹر راہی فدائی باقوی (بنگلور)

● چندر پرکاش جوہر بجنوری (ولادت: ۱۹۲۳ء)

نہیں ذکرِ محمدؐ کے لئے تخصیص مذہب کی — یہ کس نے کہہ دیا، یہ صرف مسلم کی زباں تک ہے

● کالی داس گپتا رضاؔ (ولادت: ۱۹۲۵ء)

جام و مینا سے نہیں ہم کو سروکار مگر — آپؐ کے نام سے آجائے تو مستی اچھی

● امیر چند قیسیؔ جالندھری

حیات سادہ کے اسباق دے کے عالم کو — تکلّفات کے پردے اٹھا دیا تو نے

● کرشن بہاری نورؔ

دَیر سے نورؔ چلا اور حرم تک پہنچا — سلسلہ میرے گناہوں کا کرم تک پہنچا
تیری معراج محمدؐ تو خدا ہی جانے — میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

● پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی (ولادت: ۱۸۶۶ء، وفات: ۱۹۵۵ء) تلمیذ شمس العلماء الطاف حسین حالیؔ (متوفی: ۱۹۱۵ء)

یوں روشنی ایمان کی دے دل میں کہ جسے — بطحاء سے ہوا جلوہ فگن نورؐ خدا کا

● جناب بابو برج گوپی ناتھ صاحب بیکلؔ امرتسری

اے رسول پاک، اے پیغمبر عالی وقار — چشم باطن بیں نے دیکھی تجھ میں شانِ کردگار
تیرے دم سے گل نظر آئے، رہِ عرفاں کے خار — خوبیوں کا ہو تری کیونکر بھلا ہم سے شمار
نور سے تیرے اندھیرے میں درخشانی ہوئی — تیرے آگے آبرو کفار کی پانی ہوئی

کیوں نہ ہم بھی اس جہاں کا پیشوا مانیں تجھے — کیوں نہ راہِ حق میں اپنا رہنما مانیں تجھے
دیکھنے کو دے خدا آنکھیں تو پہچانیں تجھے — حق کی ہے ہے بیکلؔ صدا شمس الضحیٰ مانیں تجھے
گو مسلمانوں کا اک پیغمبرِ اعظم ہے تو — اپنی آنکھوں میں بھی اک اَوتار سے کب کم ہے تو

● ٹھاکر دامودر ذکی محبوب نگری (تلنگانہ) شاگرد ازلؔ لاہوری

اتنی سکت کہاں ہے میں آسکوں وہاں تک　　تو خواب میں تو آجا اک بار اے مدینہ

● بابو روشن لعل صاحب نعیمؔ ڈیرہ غازی خاں

للّٰہ بلا لیجئے سرکار مدینہ　　مرجائے نہ یہ ہند میں بیمار مدینہ
حسرت ہے کہ دم نکلے درِ شاہِ عرب پر　　مدفن ہو تہہ سایۂ دیوارِ مدینہ
اے شیخ تجھی کو رہِ فردوس مبارک　　کافی ہے مجھے گوشۂ گلزارِ مدینہ
مرجائے نعیمؔ الفتِ سرورؐ میں الٰہی　　تعویذِ لحد ہو درِ دربار مدینہ

● مہارانا کلیان سنگھ عاشقؔ دہلوی (ولادت: ۱۷۴۹ء، وفات: ۱۸۲۲ء)

یہ لکھتے ہیں نعتِ رسولؐ خدا　　مغیث الوریٰ خواجۂ دوسرا
محمدؐ ہیں محبوبِ پروردگار　　محمدؐ ہیں مطلوبِ پروردگار

● منشی شنکر لال ساقیؔ سہارنپوری ولد خوب چند (۱۸۶۰ـ۱۸۹۰)

مرا ہر لفظ نعتِ احمدیؐ سے درّ یکتا ہے　　لکھا جو دائرہ ہے، وہ مہِ کامل کا ہالا ہے
صفاتِ ذاتِ احمد لکھ سکوں کیا میری طاقت ہے　　خیالِ اہل دانش جب یہاں مکڑی کا جالا ہے

نعت لکھتا ہوں مگر شرم مجھے آتی ہے　　کیا مری انؐ کی مدح خوانوں میں پیشی ہوگی

● پنڈت امرناتھ مدن ساحر دہلوی (۱۸۶۳ـ۱۹۴۲)

بے سایہ نور باعث ایجاد و مغفرت　　جس کے وجودِ جود سے رحمت نہال ہے
امت کا اپنی شافع روز جزا بنا　　اب پرسش جواب نہ روئے سوال ہے

● مہاراجہ کشن پرشاد شاؔد ولد راجہ ہری کرشن پرشاد (۱۸۶۴ـ۱۹۴۰) وزیرِ اعظم سلطنت آصفیہ، حیدرآباد

مشغلہ نعت نبیؐ کا ہے مجھے شکرِ خدا　　بعد مدت کے یہ ہاتھ آیا ہے مقصد مجھ کو

کافرِ عشقِ محمدؐ خلق کہتی ہے مجھے　　سب مسلماں قدر کرتے ہیں مرے زنار کی
ہم کو تو گلشنِ طیبہ میں اُڑا کر لے جا　　ہم تیرے بادِ صبا، بندۂ احساں ہوں گے

● چودھری دِلّو رام کوثرؔی ولد بھورا رام حصاری (۱۸۸۲ـ۱۹۳۳)

شکر اے ہندو بیاں اس طرز سے تو وصف احمدؐ کا　　مسلماں مان جائیں لوہا سب تیغ مہنّد کا
محمدؐ اور دِلّو رام میں نقطہ نہیں کوئی　　کہ ہے مداح اور ممدوح میں یہ ربط کس حد کا

● لالہ لال چند فلک لاہوری تلمیذ دوارکا پرساد لکھنوی (۱۸۷۷ـ۱۹۶۷)

نغمۂ وحدتِ حق دہر میں گایا تو نے　　کملی والےؐ یہ عجب گیت سنایا تو نے
ربِ بے مثل کا دنیا میں بٹھا کر سکہ　　نقش اوہام پرستی کا مٹایا تو نے

● منی لال جواںؔ سندیلوی (۱۸۸۹ـ۱۹۷۴) نے واقعہ معراج کو کس خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے:

آج کیا ہے، جو سجاوٹ ہے سرِ چرخ بریں　　چاندنی رات بھی دلکش ہے، ستارے بھی حسیں
نور ہی نور ہے، ظلمت کا کہیں نام نہیں　　قابلِ دید ہے گلزارِ جناں کی تزئیں

● شنکر سہائے جوہرؔ بلگرامی ولد بابو سری واستو (۱۸۹۰ـ۱۹۷۱) منصف وناظم دیوانی وفوجداری، حیدرآباد۔دکن

یوں تو دنیا میں بہت سے ہوئے مولیٰ والے　　پر تری شان ہی کچھ اور تھی بطحاء والے
تو وہ مخلوق کہ خالق تری تخلیق پہ خوش　　بعد مولیٰ تجھےؐ کیوں مانیں نہ مولیٰ والے

● پنڈت رگھوندر راؤ جذبؔ رائچوری تلمیذ ترکی شوکت میرٹھی (۱۹۷۳۔۱۸۹۴)
ایڈوکیٹ

لکھتا ہوں ثنائے رخِ نیکوئے محمد — روکش خورشید فلک روئے محمد
مکہ سے مدینہ سے ہی پہنچی سرِ افلاک — بوئے گل رُخسار وگیسوئے محمد

● منشی مہادیو پرساد سامیؔ جبل پوری تلمیذ مضطر خیرآبادی (۱۹۷۱۔۱۸۹۵)

جنت کی سمت رُخ نہ کروں آپ کے بغیر — حضرتؐ کا ہوں گدا تو طبیعت غیور ہے
ممکن ہے مدح کس سے ہو، اس ذات پاک کی — مدحت طراز جس کا خدائے غفور ہے

● بشن نارائن حامیؔ بریلوی ولد پنڈت دیبی پرشاد صادقؔ بریلوی (ولادت تقریبا: ۱۸۹۶)

ہو کیوں نہ بشر تابع فرمانِ محمد — فردوس میں جائیں گے غلامانِ محمد
عاشق تپش مہر قیامت سے ڈریں کیوں — کافی ہے انھیں سایہٗ دامانِ محمد

● پنڈت ہری چند اخترؔ ہوشیار پوری تلمیذ حفیظ جالندھری (۱۹۵۸۔۱۹۰۰)

سبز گنبد کے اشارے کھینچ لائے ہیں ہمیں — لیجئے دربار میں حاضر ہیں اے سرکار ہم
نام پاک احمدِ مرسل سے ہم کو پیار ہے — اس لئے لکھتے ہیں اخترؔ نعت میں اشعار ہم

● حکیم بال کشن داس باغؔ اکبرآبادی ولد حکیم ہنومان سہائے تلمیذ حضرت سید محمد علی شاہ میکشؔ اکبرآبادی وفلکؔ حیدرآبادی (۱۹۵۹۔۱۹۰۶)

رہا کرتا ہے اس میں جلوہٗ یکتا محمدؐ کا — مرا دل ہے ازل سے آئینہ خانہ محمد کا
گلہ غم کا نہیں، غم دینے والے یہ شکایت ہے — جو تجھ کو غم ہی دینا تھا، تو غم دیتا محمدؐ کا

● منوہر لال دلؔ کشمیری ولد گوند امل آنند شاگرد اثرؔ لکھنوی و جوش ملسیانی (ولادت: ۱۹۱۲)

آقا جو محمد ﷺ ہے عرب اور عجم کا   بے مثل نمونہ ہے مروّت کا کرم کا
حاصل ہے جنہیں تیرے غلاموں کی غلامی   لیتے نہیں وہ نام کبھی قیصر و جم کا
فردوس نظر ہے ترے مسکن کی زیارت   روضہ ترا دنیا میں بدل باغِ ارم کا
کیا دلؔ سے بیاں ہو ترے اخلاق کی توصیف   عالَم ہوا مداح ترے لطف و کرم کا

● راجہ مکھن لال مکھن حیدرآبادی (وفات مابعد: ۱۸۴۴ء)

بسکہ تو نے کیا ہے جرم عظیم   جا پکڑ دامنِ شفیع رحیم
عرض کر بندگی بصد تعظیم   بول اپنا پکار حال سقیم

● منشی پیارے لال رونقؔ دہلوی تلمیذ راسخ دہلوی (وفات: ۱۹۳۴)

کلمۂ صل علیٰ وردِ زباں رکھتا ہوں   خواب میں دیکھ لیا ہے قدِ بالا تیرا
عفو ہو جائیں گی محشر میں خطائیں ساری   داورِ حشر کو دوں گا میں حوالہ تیرا

● ڈاکٹر کے۔ مدنا منظر تماپوری منظرؔ (وفات: ۱۹۸۲ء)

تمہارے عشق میں جینا، تمہارے عشق میں مرنا   اسے ہم دین کہتے ہیں، اسے ایماں سمجھتے ہیں
الٰہی زندگی میں ایک ایسا وقت بھی آئے   کروں سجدہ جہاں نقشِ کفِ پا ہو محمد کا

● جناب چندر بھان خیالؔ (ولادت: ۱۹۴۶ء)

اوج بخش و بخت آور، نام تھا محمد کا   آسروں نے ڈھونڈا تھا، آسرا محمد کا
رفعتوں کی خاموشی، وسعتوں کی تاریکی   ختم ہو گئی جیسے مصطفی کی آمد پر

● گیان چند مرمکیاؔ بنگلور (ولادت: ۱۹۵۹ء)

کرنے دو مجھے صاحب ایمان کو سلام   حضرت رسولِ پاک ﷺ مہربان کو سلام
جب آپ ﷺ نے انسانیت کی راہ دکھائی   انسان بھی کرنے لگے انسان کو سلام

● منشی بشیشور پرشاد

خون کافر پر نہیں، حصر و قیام اسلام کا
اس سے مستحکم نہیں ہرگز نظام اسلام کا
حبّ عالمگیر سے چمکا ہے نام اسلام کا
ورنہ میں کرتا نہ ہرگز احترام اسلام کا

● جگدیش مہتہ دردؔ دہلوی

یا شاہِ عرب، غم سے عجب حال ہوا ہے
ہے مرنے میں کچھ لطف، نہ جینے میں مزا ہے

● جگن ناتھ آزادؔ

سلام اس ذات اقدس پر، سلام اس فخر دوراں پر
ہزاروں جس کے احسانات ہیں، دنیائے امکاں پر

● کرشن کمار سنگھ

خدا شاہد محمد مصطفیٰ کا
دو عالم میں کوئی ثانی نہیں ہے
مرے دل میں بھی ہے عشقِ محمدؐ
مجھے بھی اپنی بخشش کا یقیں ہے

● پربھو دیالی عاشقؔ لکھنوی

رحمت للعالمین، دامانِ رحمت کے سوا
زیب سرتاج شہ، تاج شفاعت کے سوا
ہادی خیر البشر، ماہ ہدایت کے سوا
کس قدر اوصاف ہیں، ان میں نبوت کے سوا

● رام پرکاش ساحرؔ

ذکرِ حق، ذکرِ نبیؐ ہے، بس اسی میں غرق ہو
ہاتھ کو جنبش نہ دے، تسبیح کا خود دانہ نہ بن
عشق احمد میں فنا ہو جا، عبادت ہے یہی
عشق کرنا ہے حقیقت میں تو خود افسانہ نہ بن

● ہربنس لال مجرمؔ

تصور نے تمہارے معجزے کیا کیا دکھائے ہیں
زمیں سے تا فلک تم ہو، فلک سے تا زمیں تم ہو
سمائے ہو تمہیں تم نور بن کر میری آنکھوں میں
مرے لب پر تمہیں تم ہو، مرے دل میں تمہیں تم ہو

● پنڈت رلا رام رتن پنڈوری

آیا ہے لب پہ نام رسولِ کریم کا جلوہ تڑپ اٹھا ہے ریاضِ نعیم کا
بحرِ عدن میں لاکھوں ہوں، لولوئے شاہوار پیغام لے کے آیا ہے جھونکا نسیم کا

● منشی راج بہادر زخمی

کیوں نہ اعجازِ محمدؐ کے ہوں قائل اغیار کرلیا ایک زمانہ کو مسخر اپنا

● منشی چنڈی پرشاد شیدا دہلوی

وہ لطف رنگ سحاب بھی ہے، نسیمِ رحمت مآب بھی ہے
رسولوں میں انتخاب بھی ہے، زمیں پر گردوں رکاب بھی ہے
رفیق بھی ہے خلیق بھی ہے، آشنائے رمز طریق بھی ہے
وہ ایک بحر عمیق بھی ہے، بشر فرشتہ حباب بھی ہے

● کملا پت سہائے ماہر بلگرامی

چل گیا اسم محمدؐ کا وہ جادو دل میں نام احمدؐ کا جو چڑ چاہوا ہر سو دل میں

● رویندر جین

آپؐ کے ماننے والوں میں ضروری تو نہیں صرف شامل ہوں مسلمان، رسولِ اکرمؐ

● سردار لعل نشتر

فقط ایک نشتر ہی کیا مدح خواں ہے ثنا خواں محمدؐ کا سارا جہاں ہے

● ستیہ پال رضوانی

از خاکِ عرب تابہ عجم مانتے ہیں ہاں صاحب الطاف وکرم مانتے ہیں

مغربی مفکرین کے اعترافات

مغربی دانشور اور عیسائی دنیا عام طور پر صلیبی جنگوں کے پس منظر میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں منفی رویہ رکھتے ہیں؛لیکن پھر بھی انصاف پسند اور حقیقت پسند لوگوں نے پیغمبر اسلام اور اسلام کے بارے میں جن محاسن کا اظہار کیا ہے، وہ اس طرح ہیں:

پروفیسر میسگنن نے لکھا ہے:

''اسلام متضاد انتہاؤں کے درمیان توازن قائم کرتا ہے اور اس کی نظر ہمیشہ کردار سازی پر ہوتی ہے جو تہذیب کی بنیاد ہے،اس مقصد کے حصول کے لئے اسلام اپنے قانون وراثت اور منظم ولازمی نظام زکوٰۃ کو کام میں لاتا ہے،اور اجارہ داری،سودخوری،غیر حاصل شدہ آمدنیوں اور منافعوں کو پہلے ہی متعین کر لینا،منڈیوں پر غاصبانہ قبضے،ذخیرہ اندوزی اور اشیاء کی مصنوعی قلت پیدا کر کے قیمتوں میں اضافہ کرنے جیسی سماج دشمن معاشی سرگرمیوں کو ناجائز قرار دیتا ہے، قمار بازی اسلام میں حرام ہے،تعلیم گاہوں،مسجدوں،شفاخانوں کی مالی اعانت کرنا،کنویں کھودنے اور یتیم خانے قائم کرنے کے لئے روپیہ خرچ کرنا اسلام میں دولت کا بہترین مصرف شمار کیا جاتا ہے،یتیم خانے پہلی مرتبہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے زیر اثر وجود میں آئے،یتیم خانے اپنے قیام کے لئے آپ کے ممنون احسان ہیں جو خود بھی یتیم پیدا ہوئے تھے۔''

ٹامس کارلائل حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کہتا ہے:

''یہ کارخیر اس بات کا غماز ہے کہ اس فرزندِ صحرا نے اپنے دل میں موجزن انسان دوستی،خدا ترسی اور مساوات کے جذبات کو

ان کی فطری زبان عطا کی۔''(۱)

فرانس کے عظیم جرنیل نپولین بونا پارٹ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے:

''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دراصل اصل سالارِ اعظم تھے، آپ نے اہلِ عرب کو درسِ اتحاد دیا، ان کے آپس کے تنازعات و مناقشات ختم کیے، تھوڑی ہی مدت میں آپ کی امت نے نصف دنیا کو فتح کرلیا، ۱۵ رسال کے قلیل عرصے میں لوگوں کی کثیر تعداد نے جھوٹے دیوتاؤں کی پرستش سے توبہ کرلی، مٹی کی بنی ہوئی دیویاں مٹی میں ملادی گئیں، بت خانوں میں رکھی ہوئی مورتیوں کو توڑ دیا گیا، حیرت انگیز کارنامہ تھا رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کا کہ یہ سب کچھ صرف پندرہ ہی سال کے عرصے میں ہو گیا، جبکہ حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام پندرہ سو سال میں اپنی امتوں کو صحیح راہ پر لانے میں کامیاب نہ ہوئے تھے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عظیم انسان تھے، جب آپ دنیا میں تشریف لائے اس وقت اہل عرب صدیوں سے خانہ جنگی میں مبتلا تھے، دنیا کے اسٹیج پر دیگر قوموں نے جو عظمت وشہرت حاصل کی، اس قوم نے بھی اس طرح ابتلاء ومصائب کے دور سے گزر کر عظمت حاصل کی اور اس نے اپنی روح اور نفس کو تمام آلائشوں سے پاک کر کے تقدس و پاکیزگی کا جوہر حاصل کیا۔

روسی فلاسفر کاؤنٹ ٹالسٹائے کہتا ہے:

''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عظیم الشان مصلحین میں سے ہیں جنہوں نے اتحاد

(۱) اسلام کے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، از راما کرشنا راؤ، ص: ۱۳

امت کی بہت بڑی خدمت کی ہے، ان کے فخر کے لیے یہی کافی ہے کہ انہوں نے وحشی انسانوں کو نورِحق کی جانب ہدایت کی اور ان کو اتحاد، صلح پسندی اور پرہیزگاری کی زندگی بسر کرنے والا بنا دیا اور ان کے لیے ترقی وتہذیب کے راستے کھول دیئے اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اتنا بڑا کام صرف ایک فرد واحد کی ذات سے ظہور پذیر ہوا۔''

سرولیم میور اپنی کتاب لائف آف محمد میں لکھتا ہے:

''ہمیں بلا تکلف اس حقیقت کا اعتراف کر لینا چاہیے کہ تعلیم نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تاریک توہمات کو ہمیشہ کے لئے جزیرہ نمائے عرب سے باہر نکال دیا جو صدیوں سے اس ملک پر چھائے ہوئے تھے، بت پرستی نابود ہوگئی، توحید اور اللہ کی بے پناہ رحمت کا تصور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متبعین کے دلوں میں گہرائیوں اور زندگی کے اعماق میں جاگزیں ہوگئی، معاشرتی اصلاحات کی بھی کوئی کمی نہ رہی، ایمان کے دائرہ میں برادرانہ محبت، یتیموں کی پرورش، غلاموں سے احسان ومروت جیسے جوہر نمودار ہوگئے، امتناع شراب میں جو کامیابی اسلام نے حاصل کی اور کسی مذہب کو نصیب نہیں ہوئی۔''

جوزف جے نوٹن رقم طراز ہیں:

''جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مذہب مطلق العنان روس کیلئے بھی اتنا ہی موزوں ہے جتنا جمہوریت پسند متحدہ امریکا کے لئے وہ مناسب ومفید ہے، اسلام ایک عالمگیر حکومت کی نشاندہی کرتا ہے اور اسلام کی کتاب قرآن کا موضوع زندگی ہے اور اس میں پوری انسانی زندگی کو سمیٹ دیا گیا ہے۔''

مشہور فرانسیسی مؤرخ موسیو سیدیو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں:

''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوں تو محض اُمی تھے، مگر عقل ورائے میں یگانۂ روزگار تھے، ہمیشہ خندہ پیشانی سے پیش آتے اور اکثر خاموش رہتے، طبیعت کے حلیم، خلق کے نیک، اکثر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ذکر کیا کرتے، لغویات کبھی زبان سے نہ نکالتے، مساکین کو دوست رکھتے، کبھی فقیر کو فقر کے سبب سے حقیر نہ جانتے، نہ کسی بادشاہ سے اس کی بادشاہی کے سبب سے خوف کھاتے تھے۔''

جارج برناڈ شاہ لکھتا ہے:

''میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کو ہمیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھا ہے، یہ الزام بے بنیاد ہے کہ آپ عیسائیوں کے دشمن تھے، میں نے اس حیرت انگیز شخصیت کی سوانح مبارک کا گہرا مطالعہ کیا ہے، میری رائے میں آپ پورے بنی نوع انسان کے محافظ تھے۔''

ایس مارگو لیوتھ رقم طراز ہے:

''رسول امین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دردمندی کا دائرہ انسان ہی تک محدود نہ تھا؛ بلکہ انہوں نے جانوروں پر بھی ظلم وستم توڑنے کو بہت بُرا کہا ہے۔''

مسٹر ایڈورڈ مونٹے کہتے ہیں:

''آپ نے سوسائٹی کے تزکیہ اور اعمال کی تطہیر کیلئے جو اسوۂ حسنہ پیش کیا ہے، وہ آپ کو انسانیت کا محسن اوّل قرار دیتا ہے۔''

ڈاکٹر جی ویل نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان الفاظ میں تعریف کی ہے:

''بیشک رہبر اعظم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گمراہوں کیلئے ایک بہترین راہ

ہدایت قائم کی اور یقینا آپ کی زندگی نہایت پاک صاف تھی، آپ کا لباس اور آپ کی غذا بہت سادہ تھی، آپ کے مزاج میں بالکل تمکنت نہ تھی، یہاں تک کہ وہ اپنے متبعین کو تعظیم وتکریم کے رسمی آداب سے منع فرماتے تھے، آپ نے اپنے غلام سے کبھی وہ خدمت نہ لی جس کو آپ خود کر سکتے تھے، آپ بازار جا کر خود ضرورت کی چیزیں خریدتے ، اپنے کپڑوں میں پیوند لگاتے ، خود بکریوں کا دودھ دوہتے اور ہر وقت ہر شخص سے ملنے کیلئے تیار رہتے تھے، آپ بیماروں کی عیادت کرتے تھے اور ہر شخص سے مہربانی کا برتاؤ فرماتے تھے، آپ کی خوش اخلاقی ،فیاضی اور رحم دلی محدود نہ تھی، غرض آپ قوم کی اصلاح کی فکر میں ہر وقت مشغول رہتے تھے، آپ کے پاس بے شمار تحائف آتے تھے؛ لیکن بوقت وفات آپ نے صرف چند معمولی چیزیں چھوڑیں اور ان کو بھی مسلمانوں کا حق سمجھتے تھے۔''

لیفٹیننٹ کرنل سالیکس کہتے ہیں:

''نبی محترم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات زندگی پر نظر ڈالنے کے بعد کوئی انصاف پسند شخص ان کی اولوالعزمی ، اخلاقی جرأت ، نہایت خلوصِ نیت، سادگی اور رحم وکرم کا اقرار کیے بغیر نہیں رہ سکتا ، پھر انہی صفات کے ساتھ استقلال وعزم وحق پسندی اور معاملہ فہمی کی قابلیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے، یہ یقینی بات ہے کہ آپ نے اپنی سادگی ، لطف وکرم اور اخلاق کو بلا خیال ومرتبہ قائم رکھا، اس کے علاوہ شروع سے آخر تک وہ اپنے آپ کو ایک بندۂ خدا اور پیغمبر خدا بتلاتے رہے؛ حالانکہ وہ اس سے زیادہ کا دعویٰ کر کے اس میں

کامیاب ہو سکتے تھے۔''

ڈاکٹر مائیکل ہارٹ نے اپنی کتاب (The Hundred) میں تاریخ کی ۱۰۰ ر ایسی شخصیتوں کا ذکر کیا جنہوں نے دنیا میں انمٹ نقوش چھوڑے، اس عیسائی نے ۱۰۰ ر ہستیوں میں سب سے پہلے نمبر پر نبی آخر الزماں کا مبارک تذکرہ کیا، وہ لکھتا ہے:

''میں نے ان سو آدمیوں کا تذکرہ کیا جنہوں نے تاریخ کو سب سے زیادہ متاثر کیا، ان میں سب سے پہلے محمد ﷺ کا تذکرہ کیا ہے، اس سے بعض لوگ حیران ہوں گے؛ لیکن اس کی میرے پاس ایک ٹھوس دلیل موجود ہے، کائنات میں جتنی بھی ہستیاں آئیں اگر ان کے حالات پڑھتے ہیں تو وہ ہمیں اپنے بچپن سے لڑکپن میں کسی نہ کسی استاد کے سامنے بیٹھے تعلیم پاتے نظر آتے ہیں، جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان تمام ہستیوں نے پہلے مروجہ تعلیم حاصل کی اور پھر اس کی بنیاد بنا کر انہوں نے زندگیوں میں کچھ اچھے کام کر دکھائے؛ لیکن دنیا میں فقط ایک ہستی ایسی نظر آتی ہے کہ جس کی زندگی کی تفصیلات کو دیکھا جائے تو پوری زندگی کسی کے سامنے شاگرد بن کر بیٹھی نظر نہیں آتی، وہ ہستی محمد ﷺ ہیں، یہ وہ ہستی ہیں جنہوں نے دنیا سے علم نہیں پایا بلکہ دنیا کو ایسا علم دیا کہ جیسا علم نہ پہلے کسی نے دیا اور نہ بعد میں کوئی دے گا، لہٰذا اس بات پر میرے دل نے چاہا کہ جس شخصیت نے ایسی علمی خدمات سرانجام دی ہوں، میں غیر مذہب کا آدمی ہونے کے باوجود ان کو تاریخ کی سب سے اعلیٰ شخصیات میں پہلا درجہ مانتا ہوں۔''

ریمنڈ لیروگ رسول اکرم ﷺ کو اس طرح خراج عقیدت پیش کرتا ہے:

''نبی عربی ﷺ اس معاشرتی اور بین الاقوامی انقلاب کے بانی

ہیں جس کا سراغ اس سے قبل تاریخ میں نہیں ملتا، انہوں نے ایک ایسی حکومت کی بنیاد رکھی جسے تمام کرۂ ارض پر پھیلنا تھا اور جس میں سوائے عدل اور احسان کے اور کسی قانون کو نہیں ہونا تھا، ان کی تعلیم تمام انسانوں کی مساوات ، باہمی تعاون اور عالمگیر اخوت تھی۔''(۱)

باسوارسمتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق حسنہ کا یوں اعتراف کرتے ہیں:

''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کو تکلیف نہیں پہنچایا، آپ کی عادت یہ تھی کہ مصافحہ کرتے وقت اپنا ہاتھ اس وقت تک نہیں کھینچتے تھے، جب تک کہ دوسرا نہ کھینچ لیتا، کسی کی حفاظت کا ذمہ لیتے تو اسے پورے طور پر نبھاتے، آپ شیریں کلام تھے، جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتا، اس کا دل آپ کی عزت، محبت اور احترام سے معمور ہو جاتا تھا، جو بھی آپ سے قریب ہوتا، وہ آپ کا گرویدہ ہو جاتا۔''(۲)

آر،وی،سی باڈلے لکھتے ہیں:

''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خون بہانے کے دلدادہ نہیں تھے، جنگ میں جو قید ہوتے، ان کو اختیار دیا جاتا تھا کہ یا تو فدیہ دے کر آزاد ہو جائیں یا پھر اسلام قبول کر لیں، (یہ مذکورہ مستشرق کی غلط فہمی ہے، سیرت رسول میں ایسا کوئی واقعہ مذکور نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیدیوں سے فدیہ نہ ملنے پر ان کو مسلمان ہونے پر مجبور کیا ہو) قرآن کہتا ہے کہ دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے، ایک دو مواقع کے سوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ دشمنوں سے اچھا سلوک کیا ہے (یہ ایک

---

(۱) از: صراط الہدیٰ ویب (۲) باسوارسمتھ: ۱۳۱

دومواقع میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرزِ عمل انصاف سے ہٹ کر نہیں ہے؛ بلکہ عدل وانصاف کے عین مطابق ہے) اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انتقام کو اپنی تعلیم کا حصہ بنانا چاہتے تو یہ کر سکتے تھے اور یہ اس زمانے کے دستور کے خلاف بھی نہیں ہوتا، اور اس زمانے سے بہت بعد تک عیسائی مذہب کے اخلاقی اصولوں کے بھی یہ عین مطابق ہوتا، ۱۰۹۹ء میں صلیبیوں نے جب بیت المقدس پر حملہ کیا تو انھوں نے قتل عام کیا، اور پورے شہر کو تباہ وبرباد کر دیا؛ لیکن صلاح الدین ایوبی نے جس وقت بیت المقدس کو عیسائیوں سے دوبارہ واپس لیا تو انھوں نے عیسائیوں کی طرح کوئی انتقامی کارروائی نہیں کی، اور نہ خود مسلمانوں نے ہی مذہبی جنگجوؤں کی طرح ان ممالک کو تباہ وبرباد اور ویران کیا؛ بلکہ وہ جہاں گئے، انھوں نے وہاں اپنے انمٹ نقوش چھوڑے، اور علاقہ وخطہ کو سرسبز وشاداب بنایا۔

یوروپ میں علوم وفنون کو از سر نو زندہ کیے جانے کا سہرا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکاروں کا شرمندۂ احسان ہے، جس وقت اسلامی ثقافت وتہذیب اپنے عروج پر تھی، اس وقت یوروپ جہالت کی تاریکی میں اندھوں کی طرح ٹامک ٹوئیاں مار رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو بھی جنگ کی، وہ مصلحت کا تقاضا اور حالات وظرف کے اعتبار سے ناگزیر تھی اور جو بعد میں مجموعی طور پر فائدہ مند بھی ثابت ہوئی، یہ بات یقینی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان حملہ آوروں کی طرح نہ تھے، جن کی فطرت میدان جنگ میں خون بہانا ہوتی ہے اور جنہیں انسانی خون دیکھ کر ہی تسکین ملتی ہے۔(۱)

(۱) The Messenger: 137

آرتھر گلمن کچھ یوں رقمطراز ہیں:

''محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی فتح مذہبی تھی نہ کہ سیاسی، آپ نے ذاتی تعریف کی ہر نشانی اور علامت کو رد کر دیا اور کسی بھی طرح کے شاہی لقب کو اختیار کرنے سے منع کر دیا، جب سرکش اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ظلم کرنے والے سرداران قریش آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے مجرموں کی طرح کھڑے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کہ تم مجھ سے کیا امید کر رہے ہو کہ میں تم سے کیسا برتاؤ کروں گا، ان سب نے کہا تھا کہ آپ شریف بھائی ہیں، اور آپ سے ہمیں رحم و معافی کی امید ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان کیا کہ تمہاری امید رائیگاں نہیں جائے گی، تم سب آزاد ہو، تمہیں کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔(۱)

جان بیگٹ گلب لکھتے ہیں:

''فلسطین، مصر اور شام میں مسلمانوں کی تیز رفتار فتوحات کے سلسلہ میں یہ بات دلچسپ ہے کہ ان مفتوح اقوام سے زبردستی مذہب تبدیل نہیں کرایا گیا؛ بلکہ انھوں نے اپنی مرضی اور خوشی سے اسلام کو اپنایا؛ کیونکہ پیغمبر اسلام محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جبری تبدیلیٔ مذہب کی حمایت کبھی نہیں کی اور نہ ہی کبھی عیسائیوں اور یہودیوں کا زبردستی مذہب تبدیل کرایا، مدینہ کے یہودیوں کو مدینہ سے اس لئے نکالا گیا کہ وہ فتنہ پرور قوم تھی اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مشن کی پوری طرح مخالف تھی، دوسرے الفاظ میں کہیں تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

---

(۱) The saracens by Arthur gilman P: 184 London : 1887

کی یہودیوں سے مخالفت سیاسی تھی، مذہبی نہیں، ان کو مدینے سے
نکال دینے کے بعد بھی کچھ یہودی مدینے میں موجود تھے؛ لیکن ان
موجودہ یہودیوں کو کبھی مسلمان ہونے پر مجبور نہیں کیا گیا، نہ ہی اس
سلسلے میں ان پر کسی قسم کا دباؤ ڈالا گیا، قرآن مجید میں کئی آیتیں
ایسی ہیں جو مذہبی آزادی کی وضاحت کرتی ہیں اور جن میں بتایا گیا
ہے کہ پیغمبر کا کام لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانا ہوتا ہے، نہ کہ
ان پر جبر کر کے اسلام کی طرف لے آنا۔''(۱)

کیرن آرم اسٹرانگ عہد نبوی ﷺ میں اقلیتوں کی مذہبی آزادی کا تذکرہ یوں کرتی ہیں:

''اسلامی حکومت کے اندر یہودیوں، عیسائیوں کو مکمل آزادی تھی
اور ان کو تبلیغِ مذہب کی بھی اجازت تھی بشرطیکہ وہ مسلمانوں کی
محبوب ترین ہستی محمد (ﷺ) کے خلاف گستاخی اور دریدہ دہنی
نہ کریں۔''

ایک دوسرے مقام پر کیرن آرن اسٹرانگ لکھتی ہیں:

''محمد (ﷺ) ایسی تہذیب اور مذہب کے بانی تھے، جس کی بنیا
دتلوار پر نہیں تھی، مغربی پروپیگنڈے اور پروپیگنڈے کو افسانوی
اور داستانی رنگ دینے کے باوجود اسلام کے نام میں امن وامان اور
دیگر اقوام سے صلح کا مفہوم شامل ہے۔''(۲)

ٹی ڈبلیو آرنلڈ جنھوں نے اسلام کی دنیا بھر میں پرامن تبلیغ واشاعت پر شہرۂ آفاق

---

(۱) The life and times of Mohammad by John bagot Glubb, P : 35

(۲) Muhammad A western attemp to understand Islam by K Armstorng, P: 266

کتاب لکھی ہے، وہ اپنے مطالعہ کا خلاصہ جو برسوں کی مدت اور ہزاروں صفحات پر محیط ہے، بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''اسلام جیسا کوئی مذہب وسیع النظر، روادار اور صلح کل والا نہیں ہے، جس نے دیگر اقوام اور مذاہب کے افراد کو اتنی زیادہ آزادی دی ہو، اسلام دیگر اقوام و مذاہب کے دین و ایمان سے کوئی سروکار نہیں رکھتا ہے، سوائے ان چند استثنائی صورتوں کے جب مسلمان حکمرانوں نے ملکی مصلحت اور حکمت کے خیال سے مذہبی اتحاد کا طریقہ اختیار کیا، رواداری مسلمانوں کی فطرت اور دوسروں کو مکمل آزادی ان کا خاصہ رہا ہے، ہمیں اپنی پوری توجہ ظلم و زیادتی کے چند گنے چنے واقعات پر ہی مبذول نہیں کرنی چاہئے، جو کہیں کہیں پیش آئے ہیں، اس کے مقابل اسلام کی وسیع النظری، مذہبی آزادی اور رواداری کے واقعات جو تاریخ کے صفحات پر بکھرے پڑے ہیں، ان پر بھی انصاف کی نگاہ ڈالنی چاہئے۔(۱)

معروف مستشرق عالم ''ٹامس کارلائل'' (۱۷۹۵ء-۱۸۸۱ء) نے اپنی کتاب ''ہیروز اینڈ ہیرو-ورشپ) میں جہاں نبی پاک کو تمام انبیاء کے سردار کے طور پر مانا اور پیش کیا ہے، وہیں اس نے اسلام کی اشاعت میں تلوار کے عمل دخل کو قطعاً جھوٹ اور یاوہ گوئی قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''یہ عقل میں آنے والی بات ہی نہیں کہ ایک شخص، جو اپنی دعوت کے ابتدائی دنوں میں بالکل تن تنہا ہو، کوئی اس کو ماننے والا نہ ہو، وہ اکیلے پوری قوم اور جماعت کے خلاف تلوار لے کر اٹھ کھڑا ہو اور انہیں اپنے آپ کو منوانے پر مجبور کر دے۔

The Preaching of Islam by T.W. Arnold, P: 398 (۱)

وہ ایک اور موقع پر کہتا ہے:

''صحرائے عرب کی یہ عظیم شخصیت جنہیں دنیا محمد کے نام سے جانتی ہے پاکیزہ روح، شفاف قلب و بلند نظری اور مقدس خیالات رکھتا تھا۔جن کو خدا ہی نے حق وصداقت کی اشاعت کے لئے پیدا کیا۔ ہستی کا بھید ان پر کھل گیا تھا۔آپ کا کلام خود اللہ کی آواز تھا۔

مشہور انگریزی مفکر اور فلسفی جارج برنارڈ شا نے اس حقیقت کا کھل کر اعتراف کیا ہے کہ اسلام تنگ اور جامد خیالات پر مبنی مذہب نہیں؛ بلکہ اس میں زمانہ کے ساتھ چلنے اور بدلتے حالات سے ہم آہنگ ہونے کی زبردست صلاحیت ہے اور اسی بنا پر یورپ میں اسلام وسیع امکان رکھتا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''آئندہ سو برسوں میں اگر کوئی مذہب انگلینڈ؛ بلکہ پورے یورپ پر حکومت کرنے کا موقع پا سکتا ہے تو وہ مذہب ''اسلام'' ہی ہوسکتا ہے، میں نے اسلام کو اس کی حیرت انگیز حرکت ونمو کی وجہ سے ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے، یہی صرف ایک ایسا مذہب ہے، جو زندگی کے بدلتے ہوئے حالات سے ہم آہنگ ہونے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے، جو اس کو ہر زمانہ میں قابل توجہ بنانے میں اہم کردار ادا کرسکتا ہے، میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مذہب کے بارے میں پیشین گوئی کی ہے کہ وہ کل کے یورپ کو قابل قبول ہوگا، جیسا کہ وہ آج کے یورپ کو قابل قبول ہونا شروع ہوگیا ہے۔

مغربی مفکر لارڈ ہیڈلی بدر کے قیدیوں کے سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طرزعمل کے تعلق سے لکھتا ہے:

''کیا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا بدر کے قیدیوں کے ساتھ یہ طرزعمل اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ محمد نہ متشدد تھے اور نہ ہی خون کے پیاسے

تھے، جیسا کہ ان کے دشمن اور مخالفین کہتے ہیں؛ بلکہ ان کا طرز عمل بقدر استطاعت ہمیشہ جنگ وجدال سے گریز کا تھا، جب پورا جزیرۂ عرب ان کے زیر نگیں ہوگیا تھا، تب بھی انھوں نے کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا؛ بلکہ مخالفین کو جان و مال کی حفاظت کا پروانہ دیا اور حکم دیا کہ کوئی بھی ان کے مذہبی معتقدات اور مذہبی رسوم ورواج میں مداخلت نہ کرے۔''(۱)

اسلام کے جمہوری مزاج نے عورت کو مرد کی غلامی سے نجات دلائی، سرچارلس ایڈورڈ آرکیبالڈ ہملٹن کہتا ہے:

''اسلام انسان کی فطری معصومیت سے دنیا کو روشناس کراتا ہے، اسلام کے مطابق مرد اور عورت کی تخلیق ایک ہی جوہر سے ہوئی ہے، ان میں ایک ہی روح ہے اور انہیں ذہنی، روحانی اور اخلاقی کارنامے انجام دینے کی یکساں صلاحیتیں عطا کی گئی ہیں۔ عربوں میں یہ روایت تھی کہ صرف مرد ہی وراثت کا حقدار ہے؛ کیونکہ وقت پر وہی شمشیر کے جوہر دکھا سکتا ہے؛ لیکن اسلام نے صنف نازک کے حقوق کا دفاع کیا اور اسے اپنے والدین کی وراثت میں حقدار ٹھہرایا، صدیوں پہلے اس نے عورتوں کو جائیداد میں ملکیت کے حقوق دیئے، بارہ صدیوں بعد انگلینڈ نے جو جمہوریت کا گہوارہ کہلاتا ہے، اس اصول کو اپنایا اور ۱۸۸۱ء میں شادی شدہ عورتوں کے حقوق سے متعلق ایک قانون پاس کیا، لیکن سینکڑوں سال پہلے پیغمبر اسلامؐ نے اعلان کیا تھا کہ عورتیں مردوں کا نصف ثانی ہیں اور

---

(۱) الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی عیون غربیۃ منصفۃ، ص: ۱۰۴

ان کے حقوق کا احترام کیا جانا چاہئے۔ خبردار! عورتوں کے ساتھ
انھیں دیئے گئے حقوق کے مطابق سلوک کیا جائے۔'' (۱)

انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا میں لکھا ہے:

''حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام پیغمبروں اور مذہبی شخصیات میں کامیاب
ترین انسان تھے''۔

لیکن یہ کوئی حادثاتی کامیابی نہیں تھی اور نہ ہی کوئی نعمت غیر مترقبہ تھی، یہ اس حقیقت کا اعتراف تھا کہ آپ اپنے معاصرین کی نظر میں ایک سچے اور کھرے انسان تھے اور یہ کہ آپؐ ایک قابلِ ستائش اور جامع الصفات شخصیت کے مالک تھے۔

آپ کی ذات میں قیصر اور پوپ یکجا ہو گئے تھے، آپ پوپ تھے؛ لیکن پوپ کے اختیارات کے بغیر، آپ قیصر تھے، قیصر کی عسکری طاقت کے بغیر، آپؐ کے پاس نہ کوئی باقاعدہ فوج تھی نہ محافظ، نہ محلات تھے نہ کوئی مستقل ذریعہ آمدنی، اگر کوئی شخص یہ دعوی کر سکتا ہے کہ اس نے صرف روحانی طاقت کے بل پر حکمرانی کی ہے تو وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے؛ کیونکہ آپؐ کے اقتدار کے پسِ پشت اس کے مادی لوازمات کارفرما نہیں تھے، آپؐ مادی مظاہر سے بے نیاز تھے، آپؐ کی نجی زندگی کی سادگی آپؐ کی عوامی زندگی میں جلوہ گر تھی۔

فتح مکہ کے بعد دس ہزار مربع میل سے بھی زیادہ زمین آپؐ کے قدموں تلے تھی، عربوں کے بے تاج بادشاہ ہوتے ہوئے بھی آپؐ اپنے جوتے خود گانٹھتے تھے، اپنے کپڑوں میں خود پیوند لگاتے تھے، بکریوں کا دودھ اپنے ہاتھوں سے دوہتے تھے، گھر میں خود جھاڑو لگاتے تھے، چولہا جلاتے تھے اور ادنیٰ سے ادنیٰ گھریلو کام خود انجام دیتے تھے، پورا مدینہ شہر جہاں آپؐ قیام پذیر تھے، آپؐ کی زندگی کے آخری ایام میں دولت مند ہو گیا تھا، ہر جگہ سونے اور چاندی کی ریل پیل تھی؛ لیکن دولت کی فراوانی کے اس دور میں بھی شہنشاہِ عرب کے گھر میں

(۱) اسلام کے پیغمبر محمدؐ، از: راما کرشنا راؤ، ص: ۱۲-۱۱

کئی کئی دن تک چولہا نہیں جلتا تھا اور آپ پانی اور کھجوروں پر گذارا کرتے تھے، آپؐ کے اہل بیت کئی کئی رات متواتر فاقے کرتے کیونکہ انھیں شام کا کھانا میسر نہیں ہوتا تھا، آپؐ دن بھر کی تھکا دینے والی مصروفیت کے بعد کسی نرم بستر پر آرام نہیں کرتے تھے، کھجور کی چٹائی آپؐ کا بچھونا ہوتی تھی، آپؐ کی راتیں عبادت میں گذرتی تھیں، اور آپؐ اپنے رب سے رورو کر دعائیں مانگتے تھے کہ وہ آپؐ کو اپنے فرائض ادا کرنے کی طاقت عطا فرمائے، کہا جاتا ہے کہ شدتِ گریہ سے آپؐ کی آواز رندھ جاتی تھی اور ایسا لگتا تھا جیسے کوئی دیگچی آگ پر رکھی ہوئی ہو اور اس میں کھدّ اپڑنے لگا ہو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے دن آپؐ کا کل سرمایہ چند سکے تھے جن میں سے کچھ قرض کی ادائیگی میں کام آئے اور باقی مستحق لوگوں میں تقسیم کر دیئے گئے، جن کپڑوں میں آپؐ نے زندگی کی آخری سانس لی ان میں کئی پیوند لگے ہوئے تھے، وہ گھر جس سے پوری دنیا میں ہدایت کا نور پھیلا، اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا؛ کیونکہ دیا جلانے کے لئے تیل نہیں تھا۔

حالات میں تبدیلی آئی؛ لیکن اللہ کے رسولؐ میں نہیں، فتح وشکست، حاکمی ومحکومی، امیری وناداری، غرضیکہ ہر حالت میں آپؐ نے ایک ہی کردار کا مظاہرہ کیا، خدا کے قانون اور مشیت کی طرح اس کے رسولوں میں بھی تبدیلی نہیں آیا کرتی۔

○○○

اس کتاب کے بارے میں !

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم کا یہ امتیاز ہے کہ ان کو قدرت نے وہبی طور پر تبشیر فی الدعوۃ اور تیسیر فی الفقہ کا نبوی ذوق عطا فرمایا ہے، ان کی تحریر، ان کے فتاویٰ اور تقریر سب میں انسانیت کے لئے بلا تفریق مذہب وملت شفقت اور ترحم ہوتا ہے، اس کے علاوہ ان کو دقیق علمی اور فقہی مسائل اور مضامین کو انتہائی سلیس اور عام فہم زبان میں کہنے اور لکھنے کا خاص ملکہ بھی قدرت نے عطا فرمایا ہے، اس کتاب کا عنوان ہی حضرت مولانا نے ''پیغمبر عالم ﷺ'' کیا خوب منتخب کیا ہے، جس سے نبی رحمت کے سلسلہ میں سب سے بڑی فکری غلط فہمی دُور ہوجائے گی کہ نبی رحمت ﷺ صرف مسلمانوں کے رسول نہیں تھے ؛ بلکہ عالم کے رسول اور پیغمبر تھے ۔

پیغمبر عالم ﷺ کو تصنیف کرکے نہ صرف حضرت فقیہ الاسلام زید مجدہم نے اُمت کے علمائے کرام کے ذمہ عائد فرض کفایہ ادا کردیا ہے ؛ بلکہ بلکتی اور پیاسی انسانیت تک سیرت رحمۃ للعالمین کو پہنچانے کی ذمہ داری ادا فرما کر خود پوری انسانیت پر بڑا احسان کیا ہے ۔

حضرت مولانا محمد کلیم صدیقی صاحب دامت برکاتہم

(پھلت، ضلع مظفر نگر، یوپی)